فاتح اندلس طارق بن زیاد کے عظیم معرکوں پر ایک نظر
مشہور تاریخی ناول "سبتہ کا چاند"

طارق بن زیاد

تاریخ کے آئینے میں

مصنف
ایچ اے ایل کریگ

ترجمہ
مصباح اکرم

مقدمہ و ترتیب
محمد وسیم اکرم القادری

فہرست

☆☆☆

سرزمینِ اُندلس

اُندلس کا محل وقوع:

اُندلس جزیرہ نما ہے جسے بقول شریف ادریسی عربوں نے اختصار کی وجہ سے شبہ الجزیرہ کے بجائے صرف جزیرہ کہا۔ اس کی تین سمتوں میں تین سمندر ہیں۔ مشرق میں بحرروم ہے جسے بحرمتوسط' بحر شام' بحرمشرق بھی کہتے ہیں۔ مغرب کی طرف اوقیانوس (اٹلانٹک) ہے جسے بحرمحیط' بحرظلمات' بحرمظلم اور بحراعظم بھی کہتے ہیں۔ جنوب میں آبنائے جبرالٹر ہے جس کو عرب بحرزقاق سے موسوم کرتے تھے۔ آبنائے جبرالٹر اُندلس کے جنوبی گوشہ اور افریقہ کے شمالی گوشہ میں ہے۔ یہی آبنائے یورپ کو افریقہ سے جدا کرتی ہے۔ دوسری طرف اُندلس کی شمالی قدرتی سرحد جبل البرانس یعنی کوہ پائیرینس (Pyrenees) ہے اور اُندلس کا یہی شمال مشرقی حصہ خشکی سے ملا ہوا ہے۔ پھر وسعت ملک کے لحاظ سے جنوبی فرانس کا وہ علاقہ جس میں ناربون اور اکاتانیا واقع ہیں' اس کی سرحد میں داخل ہیں پھر ادھر شمال مغربی گوشہ کی سرحد پر خلیج بسکے واقع ہے۔

سطح زمین:

اُندلس کی زمین سمندر کی سطح سے تقریباً دو ہزار فٹ بلند ہے۔ یہ بلندی مشرق سے مغرب کی طرف کم ہوتی گئی ہے، یہاں تک کہ بحرمحیط کی سطح آ جاتی ہے۔

اُندلس کے دریا:

☆: اُندلس کے ان ہی پہاڑوں کے جو دریا نکلے ہیں ان میں سے بعض بحرروم میں بعض بحرمحیط میں اور بعض آبنائے برالٹر میں سمندر سے جا ملے ہیں۔ بحرمحیط میں گرنے والے تمام دریا حسب ذیل ہیں:

1: وادی النساء (The Gaudamesi)
2: وادی آرو (The Guadiaro)
3: وادی القرشی (The Guadalariar)
4: وادی بلش (Rio Velez)
5: نہرالمریہ (Rio Almeria)
6: وادی شقورہ (Segura)
7: وادی شقر (The Jucar)
8: وادی الابیض (The Guadalaviar)
9: وادی ابرو (The Ebro)
10: وادی زیتون

☆: بحرمحیط اور آبنائے جبرالٹر میں گرنے والے حسب ذیل دریا ہیں:

1: برباط (The Barbete)
2: وادی لکہ یا وادی لط (The Guadalete)
3: وادی الکبیر (The Guadale)
4: وادی آنہ (The Guadiana)
5: تاجہ (The Tagus)
6: نہرمندیق (The Mendego)
7: دریائے ودیرہ (The Douro)

8: وادی مینہ (The Minho)
9: وادہ یلہ (The Ulla)

ان کے علاوہ اور بہت سے چھوٹے چھوٹے دریا ہیں جو کسی نہ کسی بڑے دریا میں مل گئے ہیں۔

اندلس کی زراعت:

اُندلس ایک زرعی ملک تھا۔ خصوصاً مسلمانوں نے یہاں کی زراعت کو بھی ترقی دی۔ زراعت کے لئے اس ملک میں دو قسم کی زمینیں تھیں۔ ایک وہ جہاں دریاؤں اور نہروں سے آب پاشی کا سامان تھا۔ دوسرے کنوؤں سے رہٹ چلا کر پانی پہنچاتے تھے۔ جن قطعات میں آبپاشی کا سامان تھا وہاں ہر قسم کا اناج پیدا ہوتا تھا۔ مثلاً گندم، زیتون، جو، چنا، مکئی، رائی اور جوار وغیرہ۔ میوہ جات میں سنترے، لیموں، انجیر، بادام، انار، کیلا، سیب، اخروٹ، بلوط، کھجور، آڑو، شفتالو اور نیشکر وغیرہ کی پیداوار تھی۔ اسی طرح بہت سی خوشبودار جڑیں، چھالیں اور پھول پیدا کیے جاتے تھے جن میں سنبل الطیب، لونگ، صندل، عود، زعفران، دارچینی، محلب، ادرک اور زنجبیل وغیرہ شامل ہیں۔ ان میں بیشتر چیزیں مسلمان اپنے دور میں اُندلس لائے۔

معدنیات:

اسی طرح کہربا، عنبر اور قرمز یہاں سے حاصل کیا جاتا تھا۔ سونا، چاندی، قلعی اور پارا بھی یہاں سے نکالا جاتا تھا۔ پھر دوسرے قیمتی نگینے جیسے راج، طفل، موتی، مونگا اور عمارت کے قیمتی پتھر حاصل کیے جاتے تھے۔

حیوانیات:

ان نباتات و معدنیات کے علاوہ یہاں کے حیوانات بھی قابل ذکر ہیں۔ یہاں درندہ جانور کم دکھائی دیتے تھے۔ چوپایوں میں ہرن، بزکوہی، گورخر، گیدڑ، خچر اور مضبوط وقد آور

گھوڑے ہوتے تھے۔ اسی طرح نرم بالوں والے جانور سمور، وبر، قلسیلہ وغیرہ ہیں جن کے نرم بال اور کھالیں پوستین کے کام آتی تھیں۔ پرندوں کی بھی کثرت تھی اور شکار کا رواج بھی تھا۔ بحری حیوانات میں ہر قسم کی مچھلیاں ہوتی تھیں۔ مسلمانوں نے اپنے زمانہ میں اُندلس کے ان قدرتی ذرائع سے پورا فائدہ اٹھایا۔ نسلوں کو بڑھایا، مختلف نباتات وحیوانات میں انواع واقسام کے اضافے کیے اور صنعت وحرفت وتجارت کی داغ بیل ڈال کر اُندلس کو کمال ترقی پر پہنچایا۔

اقوام اندلس:

قدیم زمانہ سے ای بیری، کلت، فنیقی، یونانی، رومانی، شیوانی، الانی، وانڈال، فرینک اور قوطی (گاتھ) قوموں نے اس ملک میں وقتاً فوقتاً اپنی آبادیاں قائم کیں جن میں سے فنیقیوں کے سوا سب کی سب مشرقی اور وسطی یورپ کی قومیں تھیں جو مختلف زمانوں میں اُندلس میں آئیں اور یہاں بودوباش اختیار کرلی۔

گاتھ خاندان سفر سے حکومت تک:

قوطیوں (گاتھ) کا قافلہ بحر اسود کے شمالی ساحل کے قریب دریائے نیپر کے نواح سے اٹھا تھا اور یونان، اٹلی اور فرانس سے گزرتا ہوا 414ء میں اُندلس میں داخل ہوا۔ 419ء میں انہوں نے شیوانی اور الانی کی حکومتوں کو ختم کرکے اپنی حکومت قائم کی اور اسپین سے لے کر فرانس میں دریائے لوائر (Loir) تک حکمران بن گئے۔ قوطیوں (گاتھ) پر وانڈال قوم نے آکر حملہ کیا اور ایک حصہ ملک میں اپنی چندروزہ حکومت قائم کرلی لیکن بیس برس کا زمانہ بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ قوطیوں نے انہیں افریقہ کی طرف چلے جانے پر مجبور کردیا۔ قوطیوں نے اُندلس میں تقریباً تین سو برس حکومت کا خاتمہ کرکے اپنی حکومت قائم کی۔

اسپینی قوم:

اُندلس میں قوطیوں کے داخلہ کے بعد ایک نئی قوم کی تخلیق ہوئی جو اسپینی قوم کہلائی۔ اس میں سب قوموں کی اصل مخلوط نسل اور قوطی قومیں داخل تھیں خصوصاً مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کی نسلی تقسیم ختم ہوچکی تھی۔ اب وہ صرف ایک قوم تھی جس کا امتیازی وصف عیسائی مذہب کی حلقہ بگوشی تھی۔

یہودیت:

مسلمانوں کے داخلہ کے وقت اُندلس یہودیوں کے وجود سے بھی خالی نہ تھا لیکن انہیں حکمران قوم کی حیثیت حاصل نہ تھی۔ تاہم اپنی دولت وثروت کے اعتبار سے وہ لوگ اس ملک میں اپنا نمایاں اثر ونفوذ رکھتے تھے۔ عیسائیوں نے اندلس میں یہودیوں پر بڑے ظلم ڈھائے۔ گویا یہودی ایک مظلوم قوم تھی۔

عیسائیت:

اندلس میں مسلمانوں کے داخلہ سے پہلے تین مذاہب موجود تھے:

1: عیسائیت

2: بت پرستی

3: یہودیت

گاتھ میں عیسائیت کی تبلیغ چوتھی صدی عیسوی میں ہوئی۔ ان میں اور رومیوں میں جب پہلی آویزش ہوئی اس وقت گاتھ مذہباً بت پرست تھے۔ چوتھی صدی میں گاتھک زبان میں بائبل کا ترجمہ کیا گیا اور اس صدی کے ختم ہونے سے پہلے یہ پوری قوم مسیحیت قبول کرچکی تھی۔

جرمن قوم فرنیک سے بھی اسپین اور فرانس میں مسلمانوں کو سابقہ پڑا۔ فرنیک 510ء میں پیرس کو دارالسلطنت بنا کر فرانس کے حکمران بن چکے تھے۔ ان میں عیسائیت کی تبلیغ

ایک خاص تقریب سے عمل میں آئی۔ کلووس کی ملکہ جو برگنڈ کی شہزادی تھی مذہباً عیسائی تھی۔
ایک لڑائی میں اس نے اپنی ملکہ کی ترغیب سے جنگ میں فتح پانے پر عیسائیت قبول کر لینے کی منت مانی۔ اتفاق کی بات اس کو کامیابی حاصل ہوئی۔ چنانچہ 496ء میں کلووس عیسائی کلیسا میں داخل ہوگیا۔ پھر پوری قوم نے اس کی تقلید میں عیسائیت قبول کر لی۔

جنوبی فرانس کے علاوہ ایکوٹین اور برگنڈی وغیرہ میں سلطنت روما کے اثر سے عیسائیت پھیل چکی تھی۔ اگرچہ یہ لوگ کبھی کبھی بت پرستی کی طرف بھی عود کر جاتے تھے۔ نیز یہاں کی آبادی کا ایک حصہ اپنی بت پرستی پر پہلے سے قائم رہا۔

جب مسلمانوں کے قدم اس جزیرہ نما میں پہنچے تو صرف دو مذاہب عیسائیت اور یہودیت قائم تھے۔ البتہ جنوبی فرانس میں بت پرستی کا رواج بھی تھا اور اندلس کے عیسائیوں اور یہودیوں میں تعلقات خوشگوار نہ تھے۔

اُندلس کی قدیم حکومتیں:

اُندلس میں سب سے پہلی آباد ہونے والی قوم کا نام عربوں کے بیان کے مطابق ''اندلش'' اور مغربی مؤرخین کی تصریحات کے مطابق ''سلٹ'' تھا۔ پھر آئی بیری اور لگوری قومیں آئیں۔ اس کے بعد افریقہ کی راہ سے فینیقیود نے میلاد مسیح سے کئی سو برس پہلے اُندلس کے جنوبی ساحل پر آ کر آبادیاں قائم کیں۔ پھر قرطاجنی 247 قبل مسیح میں جنوبی اسپین میں آئے۔ اسی زمانہ میں یونانیوں نے اُندلس کے مشرقی ساحل پر بستیاں بسائیں۔ اب مختلف قوموں کے اجتماع سے زمین کے لیے کشمکش شروع ہوئی۔ الگ الگ حکومتیں قائم ہوگئیں اور لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ چنانچہ دوسری صدی قبل مسیح میں قرطاجینوں نے شکست کھائی۔ ان کا صدر مقام اشبیلیہ تھا۔ ان کے بعد رومیوں کو غلبہ حاصل ہوا تو وہ کئی برس تک بڑی شان و شوکت سے حکومت کرتے رہے۔ آگسٹس کے زمانہ میں ملکی تقسیم کے اعتبار سے اُندلس میں تین صوبوں لوسی ٹینا، بٹیکا اور مٹراکونس میں تقسیم تھا۔ رومیوں کے زمانہ میں اُندلس میں بڑے بڑے مامور پیدا ہوئے۔ میکا (فلسفی 4 قبل مسیح 65ء)، لوشن

(مکالمہ نگار)، مارشل (شاعر)، ٹریجن ہیڈرین، مارکس اربلیس، تھیوڈوسیس (سلاطین) وغیرہ کے نام رومی تاریخ میں زریں حروف میں لکھے جاتے ہیں۔

رومی سلطنت کے کمزور ہوتے ہی یہاں خود مختار حکومتیں قائم ہونے لگیں۔ چنانچہ پریٹراگونا میں ایک خود مختار حکومت قائم ہوئی جو رومیوں کا مقابلہ کرتی رہی۔ عرب مؤرخین کے بیانوں میں اشبان بن طیطس کا نام آتا ہے جس نے اندلس میں فوج جمع کی۔ اس خاندان میں پچپن سلاطین گزرے جن کے نام عرب مؤرخین نے ذکر کیے ہیں۔ ایک قوم ''یشتولیان'' تھی۔ ''طولیش بن نطہ'' اس کا پہلا فرماں روا تھا۔ اس خاندان کے ستائیس فرماں رواؤں نے حکومت کی۔ ان کا دارالحکومت ماردہ تھا۔ غالباً انہی قوموں کو مغربی مؤرخین شیوانہ والانی یا سوابو اور الین ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ یہ وہ جرمن وحشی قومیں تھیں جنہوں نے روم کے اخیر زمانہ میں قوت پکڑ لی تھی۔ یہ لوگ کبھی رومیوں کے باج گزار رہے اور کبھی خودسری سے حکومت کرتے رہے۔

یہ وحشی بہت جلد اُندلس کی لاطینی قوموں میں مل جل گئے۔ انہوں نے لاطینی زبان اختیار کر لی، دیوتاؤں کو چھوڑ کر عیسائی مذہب قبول کر لیا اور رومی تمدن اور نظام حکومت اختیار کر لیا۔ اس طرح ان میں اور رومیوں میں کوئی فرق باقی نہیں رہا۔

پانچویں صدی عیسوی میں ایک نئی قوم گاتھ جس کو عرب مؤرخین قوطہ کہتے ہیں، اُندلس میں آئی۔ ان کا قافلہ اسپین میں آیا جو بحر اسود کے شمالی ساحل کے قریب دریائے نیپر کے نواح سے اٹھا تھا اور یونان، اٹلی اور فرانس سے گزرتا ہوا اسپین میں 414ء میں پہنچ گیا تھا۔ یہاں انہوں نے شیواہ اور الانی حکومتوں کو 419ء میں ختم کیا اور جنوبی اسپین سے لے کر فرانس میں دریائے لوئر تک حکمران بن گئے۔

یورپ میں بحر بالٹک کے کناروں یعنی جرمنی کے علاقوں سے ونڈال کی قوم اٹھ کر فرانس سے گزرتی ہوئی اندلس میں داخل ہوئی اور تقریباً بیس برس جنوبی اسپین کے ایک حصہ پر حکومت کر کے اور اپنے نام پر اس حصہ ملک کا نام واندلیکیہ یا واندلیشہ مشہور کر کے افریقہ

چلی گئی جہاں ان کی حکومت قائم ہوئی اور 534ء میں رومیوں کے ہاتھوں چھین لی گئی۔ ادھر پورے اندلس میں گاتھک حکومت قائم ہوگئی۔

گاتھ ان حملہ آور قبائل میں ہیں جو سلطنت روما کے زوال کے دور میں برسرِ عروج آئے۔ سلطنت روما سے ان کی آویزش تیسری چوتھی صدی عیسوی میں شروع ہوئی۔ پانچویں صدی عیسوی میں تھیوڈرک اعظم مشرقی گاتھک سلطنت کا بانی ہوا جس کا پایہ تخت اٹلی بنا۔ گاتھ فرضی طور پر دو گروہوں میں تقسیم کئے گئے ہیں:

1: استروگاتھ (مشرقی گاتھ)

2: وزی گاتھ (مغربی گاتھ)

پانچویں صدی عیسوی میں وزی گاتھ نے اندلس میں اپنی حکومت قائم کرلی۔ گاتھ اگرچہ اپنے خصائل واطوار کے لحاظ سے وحشی قبائل میں سے تھے مگر انہوں نے اپنی قوت سے ترقی کی اور رومی سلطنت سے آزادی حاصل کرلی۔ ان کی حکومت کا ایک مستقل نظام، ایک شاہی کونسل اور ایک صحیفہ قوانین پر قائم تھا۔ شاہی کونسل کو مذہبی کونسل بھی کہا جاتا تھا۔ اس کے ارکان اُندلس کے معزز پادری اور صدر بادشاہ ہوتا تھا۔ ایک طرف بادشاہ پادریوں کو اسقف کے عہدہ سے عزل ونصب کا اختیار رکھتا تھا اور دوسری طرف بادشاہ کی تخت نشینی پادریوں کی منظوری کے بغیر ممکن نہ تھی۔ رفتہ رفتہ پادریوں نے حصول اقتدار کی کوشش کی اور حکومت کی باگ دوڑ پورے طور پر ان کے ہاتھ میں آگئی۔ یہ دیکھ کر ملک کے ارباب ثروت آگے بڑھے، انہوں نے بھی حاکمانہ اقتدار میں اپنا حصہ لینا چاہا اور اس میں وہ ایک حد تک کامیاب ہوئے۔

چھٹی صدی عیسوی سے اُندلس میں کیتھولک مذہب کا دور دورہ شروع ہوا جس سے پادریوں کے اقتدار میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا۔ اب وہ تقریباً یہاں کے سیاہ وسفید کے مالک بن گئے اور بیشتر موقعوں پر شاہِ اُندلس ان کا دست نگر رہنے لگا۔ اس صورت حال سے ان دونوں میں کشمکش شروع ہوگئی لیکن پادریوں کے اقتدار کو زوال نہ آیا۔

اُندلس کے یہود:

یہ دور اُندلس کے یہودیوں کے لیے سب سے زیادہ تباہ کن ثابت ہوا۔ انہیں نہ صرف شہری حقوق سے محروم کیا گیا بلکہ ان سے اُندلس میں توطن کا حق بھی چھین لیا گیا۔ چنانچہ بادشاہ کے لیے تخت نشینی کے وقت یہ حلف اٹھانا ضروری قرار پایا کہ بے دینوں (یعنی یہودیوں) کو چاہے وہ جیسے بھی جاہ ومنصب پر ہوں جلاوطن کیا جائے گا۔ اس قانون کے نفاذ پاتے ہی اُندلس کے یہودیوں پر عرصہ حیات تنگ ہوگیا، ان پر عام داروگیر شروع ہوئی، ان میں سے کچھ جلاوطن ہوئے، کچھ قتل کئے گئے، کچھ زندہ جلائے گئے، بہت سے غلام بنا لیے گئے اور ان کی ساری دولت وثروت لوٹ لی گئی مگر یہ قوم اپنی تاریخ کے ہر دور میں بڑی سخت جان اور سازشی ثابت ہوئی ہے۔ انہوں نے اپنی شاطرانہ چالوں اور اپنے ذہنی وعلمی تفوق سے ان بے شمار آلائم ومصائب کے باوجود اپنا امتیاز قائم رکھا۔ ان کے سودی کاروبار سے دولت کا انبار پھر ان کے قبضہ میں آگیا۔ اس طرح انہوں نے مختلف حیلوں اور سازشوں سے اُندلس میں اپنے وجود کو باقی رکھا اور اپنے خزانوں کا منہ کھول دیا۔ پادریوں کو بڑی بڑی رشوتوں سے اپنا ہم نوا بنالیا۔ یہاں تک کہ حکومت کے مالیات کا شعبہ ان ہی کے ہاتھ میں آگیا۔ سفارت کی خدمات انجام دینے لگے اور مختلف علمی، ادبی، صنعتی اور دوسری تمدنی ترقیوں میں پیش پیش رہنے لگے۔ بڑے بڑے امراء وجاگیردار جو اَن پڑھ ہوتے تھے یہودیوں کے علمی تفوق کے باعث انہیں اپنی جائیدادوں کا منتظم بنانے لگے۔

گاتھک تمدن:

وزی گاتھ کے زمانہ میں اُندلس کی علمی، تمدنی وصنعتی ترقیاں اپنے دور کے لحاظ سے اوجِ کمال پر تھیں۔ تعمیرات میں گاتھک طرز آج بھی شہرت رکھتا ہے۔ دولت وثروت کے انبار کا حال یہ تھا کہ جب مسلمان فاتحین یہاں پہنچے تو ان کا بیان ہے کہ دولت کی فراوانی سے ان میں صرف دولت کے مختلف طریقے رائج تھے اور وہ عیش وتنعم کی اعلیٰ مدنی زندگی گزارنے کے عادی تھے۔

آگے چل کر آٹھویں صدی میں پادریوں کی جاہ طلبی، عیش پرستی، عیاشی اور رشوت ستانی انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ اسقف کا محل شبانہ یوم فتنہ وفساد کی آماج گاہ بن گیا۔ اگرچہ سلطنت کے کام بخیر وخوبی چل رہے تھے مگر پادریوں کی عیاشیوں کے ساتھ سلاطین بھی بے راہ روی میں مبتلا ہو گئے اور جاہ منصب اور دولت وثروت کے حصول میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے میں سرگرم رہنے لگے۔ ذاتی اغراض کے لیے عوام کو بری طرح ستانے لگے، خصوصاً غلاموں کے ساتھ جانوروں سے بھی زیادہ برا سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ بالآخر ویمبا (Wamba) فرمانروائے اُندلس نے ہوش مندی اختیار کی۔ یہ زمانہ وہ ہے جب مسلمانوں کے ابتدائی حملے اُندلس پر شروع ہو چکے تھے۔ اس نے مسلمانوں کا مقابلہ کیا اور ایک فوجی حکم نافذ کر کے پادریوں کے اختیارات میں تحدید کی لیکن پادری اس کے خلاف بغاوت کی آگ سلگانے میں کامیاب ہو گئے اور اس کو جلد ہی معزول کر دیا گیا۔ اس کے بعد اس کے جانشینوں نے پچھلی روش اختیار کر لی اور پادریوں کو پھر اقتدار حاصل ہو گیا۔

اس کے بعد پادریوں کے زوال کا دور ایک بار پھر آیا۔ اس میں فرماں روائے اُندلس کو کامیابی ہوئی اور اُندلس کے اسقف اعظم کو عہدہ سے معزول کر دیا گیا۔ پادریوں کے زوال کو دیکھ کر یہودیوں نے سلطنت پر قبضہ کرنا چاہا مگر ان کو اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہوئی اور اُندلس سے انہیں جلاوطن ہونا پڑا۔ ان کی دولت وثروت اور جائیدادوں پر ایک مرتبہ پھر قبضہ کر لیا گیا۔ مگر جب عیسائیوں کے اشتعال میں کمی ہوئی تو یہ احکام واپس لے لیے گئے۔ یہودیوں کو آباد ہونے اور اپنی مملوکات پر قبضہ رکھنے کی عام اجازت دے دی گئی۔

بالآخر زمام حکومت ایک ہوش مند حکمران خیلطہ کے ہاتھوں میں آئی اور اس نے اپنی خدمات سے بڑی ہر دلعزیزی حاصل کی۔ یہودیوں کے ساتھ بھی اس نے نرمی کا سلوک اختیار کیا لیکن آگے چل کر عیش وعشرت میں مبتلا ہو گیا اور کلیسا کے پادریوں کو دخل اندازی کا موقع مل گیا۔ وٹیزا (Witiza) نے ان کی پروانہ کی اور بالآخر وہ بھی تخت سے دست

بردار ہو گیا اور ایک بوڑھا غیر ملکی قائد وجرنیل راڈرک اس کا جانشین مقرر ہوا۔ اس نے اندلس کا تاج شاہی اپنے سر پر رکھ لیا اور وٹیزا گاتھ خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

(ابن اثیر، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 439 تا 443) (تاریخ ابن خلدون، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 234 تا 236) (تمدن عرب، صفحہ نمبر 245، 246) (تاریخ زوال، صفحہ نمبر 34 تا 57) (اخبار الاندلس، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 157 تا 192) (اُندلس کا تاریخی جغرافیہ، صفحہ نمبر 57، 58) (مورس ان اسپین (سیریز اسٹوری آف دی نیشنس)، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 6)

بعض مورخین کے بیان کے مطابق وٹیزا فروری 710ء میں اپنی طبعی موت مرا۔ اس کے لڑکے خورد سال تھے۔ راڈرک سپہ سالار تھا۔ وہ فوج کی مدد سے خود بادشاہ بن بیٹھا۔

(اسٹوری آف دی نیشن سیریز، جلد نمبر 12، صفحہ نمبر 357 تا 358)

راڈرک:

راڈرک گاتھک نسل سے نہ تھا۔ وہ اصفہان کے کسی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ بیاسی سال کی عمر میں سلطنت اُندلس کے تخت پر بیٹھا۔ جلیقیہ اور بلسکے کی لڑائیوں میں شہرت حاصل کر چکا تھا۔ وٹیزا کے زمانہ میں اُندلس کا سپہ سالار اعظم تھا اور لوگوں میں ہر دل عزیزی حاصل تھی۔ کامیابی کے ساتھ اس نے اُندلس کی زمام حکومت سنبھال لی لیکن بہت جلد حکومت کے نشہ سے مخمور ہو کر فرائض سے غافل ہو گیا جس سے لوگوں میں برہمی پیدا ہوئی۔ دوسری طرف گاتھک شہزادوں کے دلوں میں اپنی حکومت کے زوال کا احساس پیدا ہوا۔ ادھر اُندلس کے باشندوں میں ان شہزادوں سے ہمدردی کے جذبات پرورش پانے لگے اور ایک ایسی جماعت تیار ہو گئی جو راڈرک کو ہٹا کر قدیم شاہی خاندان کو برسر اقتدار لانے کی خواہش مند تھی۔

اسی اثناء میں اُندلس کے شاہی محل میں اکاؤنٹ جولین کی بیٹی فلورنڈا کو زبردستی ملکہ بنا لیا گیا جو آگے چل کر بالواسطہ اُندلس پر اسلامی حملہ کا سبب قرار پایا۔ بہرحال طارق بن زیاد کے حملہ اُندلس کے وقت بھی راڈرک یہاں کا حکمران تھا۔

کوہ پائیرینس سے اُس پار کی حکومتیں:

جزیرہ نمائے اندلس میں مسلمانوں کے قدم رکھنے کے وقت کوہ پائیرینس کے اس پار کے جنوبی فرانس پر جرمن قبیلہ فرینک کا قبضہ اقتدار قائم تھا اور یہی لوگ شمالی فرانس کے حکمران تھے۔ فرینک کی قابل ذکر تاریخ شاہ کلودس (481ء) کی تخت نشینی سے شروع ہوتی ہے۔ اس زمانہ میں یہ قوم دریائے رائن کے نشیبی سواحل پر آباد تھی۔ شاہ کلودس نے مسلسل لڑائیوں کے بعد اس علاقہ کی مختلف خود مختار حکومتوں کا خاتمہ کرکے اپنی حکومت قائم کی۔ 519ء میں اس نے پیرس کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔ اس کے انتقال کے بعد اس خاندان کو زوال آیا۔ اس کی شاہی برائے نام رہی۔ عنان حکومت محل سرا کے داروغہ کے ہاتھوں میں آئی۔ اسی خاندان میں پے پن پیدا ہوا جس نے 680ء میں شمالی فرینک قوم کو پھر ایک قوم بنا دیا۔ 714ء میں اس کا انتقال ہوا اور اس کا بیٹا چارلس مارٹل اس کا جانشین ہوا جو آگے چل کر ایک زبردست خاندان کا بانی بنا۔

چارلس خالص جرمن نسل سے تھا اور اس کی مادری زبان جرمن تھی لیکن اس زمانہ میں کوہ پائیرینس کے اس پار جنوبی فرانس میں ایکوٹین اور برگنڈی وغیرہ میں خود مختار ریاستیں قائم کی گئی تھیں۔ ان خود مختار امراء سے چارلس مارٹل کی لڑائیاں جاری رہیں لیکن رفتہ رفتہ ان پر بھی ایک گونہ اس کی سیادت قائم ہوگئی تھی۔ جب ان پر اسلامی حملے ہوئے تو چارلس مارٹل اور اس کے جانشینوں نے اس کی مدافعت کو اپنا فرض منصبی سمجھا۔ اسپین، پرتگال اور جنوبی فرانس میں یہی سیاسی صورت حال اور ملکی حکومتیں تھیں کہ مسلمانوں کے قدم یہاں پہنچے اور یورپ کے یہ علاقے عیسائیوں اور مسلمانوں کی معرکہ آرائیوں کا میدان جنگ بن گئے۔

(تاریخ یورپ، صفحہ نمبر: 234 تا 236)

اُندلس پر مسلمانوں کے ابتدائی حملے:

اسلام کا آفتاب اقبال عرب کی گھاٹی سے نکلا اور اس کی کرنوں سے عرب کے آس پاس کی ساسانی و رومی حکومتوں کے جاہ و جلال کے ستاروں کی روشنی جھلملانے لگی۔ دوسمتوں

کی دو گھنگھور گھٹاؤں نے نور کی ان کرنوں کو ماند کرنا چاہا مگر وعدہ ربانی کو پورا ہونا تھا کہ ان کرنوں کی روشنی پھیلی اور پھیلتی گئی۔ ایران کا غبار آلود مطلع صاف ہوگیا اور وادی نیل کی فضائیں رومی گرد و غبار سے پاک ہوگئیں۔ تخت کسریٰ کے الٹتے ہی ایرانی قوت کا تو خاتمہ ہوگیا مگر رومی سلطنت کی سطوت کچھ دنوں اپنے قدم جمائے رہی۔

روم و عرب کی باہمی آویزش کا پہلا واقع 6 ہجری میں پیش آیا۔ جب کہ اسلام کے قاصد حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو غسان کے عیسائیوں نے شہید کیا۔ پھر حارث بن عمر رضی اللہ عنہ دوسرے قاصد رومی حکومت کی حدود میں شہید کیے گئے۔ ان شہداء کے انتقام میں 8 ہجری میں غزوۂ موتہ پیش آیا پھر رومی حملہ کی خبر سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک تشریف لے گئے۔ پھر شام کا صوبہ عربوں کے زیر نگیں آیا پھر اس کے ہمسایہ صوبہ پر اسلامی پرچم لہرایا۔

اس کے بعد رومی سلطنت کی سطوت نے مصر سے نکل کر افریقہ میں اپنے قدم جما لیے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں مصر کے والی حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عقبہ بن نافع فہری رضی اللہ عنہ کو افریقہ کی سمت بھیجا۔ وہ شمالی افریقہ کی چوکیوں رذیلہ اور برقہ کو اسلامی حدود حکومت میں لے آئے اور آگے بڑھ کر طرابلس پر حملہ کیا۔ اس کے بعد عبداللہ بن سعد بن ابی سرح مصر کے والی بنائے گئے۔ انہوں نے عہد عثمانی میں رومی حاکم افریقہ بطریق جرجیر سے مقابلہ کیا۔ وہ ایک لاکھ بیس ہزار فوج کے ساتھ میدان میں آیا اور قتل کیا گیا۔ طرابلس سے طنجہ تک کا علاقہ جرجیر کے زیر حکومت تھا۔ اس لیے قدرتاً اس پورے علاقہ کو زیر نگین کرکے اسلامی حدود حکومت میں داخل کر لینا اسلامی حکومت کے فرائض میں داخل ہوگیا اور اس خدمت کو خود عبداللہ بن ابی سرح اور ان کے جانشین والی افریقہ معاویہ بن خدیج کندی، عقبہ بن فہری، ابوالمہاجر مسلمہ بن مخلد انصاری، زہیر بن قیس بلوی اور احسان بن نعمان ازدی رحمۃ اللہ علیہم نے پورا کیا۔

پھر موسیٰ بن نصیر کی ولایت افریقہ کا دور آیا۔ انہوں نے مغرب اقصیٰ میں فتوحات

حاصل کر کے پورے شمالی افریقہ ومغرب کو اسلامی پرچم کے زیر نگیں کر لیا۔

(الدین المغرب، جلد اول)

خلافت راشدہ کے بعد اموی سلطنت کا دور شروع ہوا اور وہی اموی خلفاء افریقہ ومغرب کے حکمران رہے اور ان ہی سے آگے چل کر اُندلس کی حکومت کا رشتہ قائم ہوا۔ اسی زمانہ میں جب شام ومصر کے زرخیز صوبے رومیوں کے ہاتھ سے نکل گئے تو رومیوں نے ان کی بازیافت کی کوشش کی اور 25 ہجری میں منوبل کی سرکردگی میں روم کے جنگی بیڑے اسکندریہ کے ساحل پر لنگر انداز ہوئے۔ اسی کے جواب میں خشکی کی راہ سے افریقہ پر فوج کشی ہوئی اور رفتہ رفتہ افریقہ ومغرب زیر نگیں ہوئے۔ دوسری طرف شام کے والی نے بحری جنگ کی اجازت بارگاہ خلافت سے حاصل کر لی اور 28 ہجری میں جزیرہ قبرص کو باج گزار بنایا گیا۔

(تاریخ ابن اثیر، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 62)

31 ہجری میں رومی حکومت نے چھ سو جہازوں کے بیڑے سے حملہ کیا مگر ناکام واپسی عمل میں آئی۔ یہ حملے صقلیہ کی بندرگاہ سے ہوئے تھے۔ 33 ہجری میں اس جزیرہ پر عربوں کی فوج اتری۔ ادھر صقلیہ کی یہ مہمیں جاری رہیں تو ادھر طنجہ تک مسلمانوں کے قدم پہنچ جانے سے اُندلس کا سرسبز وزرخیز ساحل نظر آنے لگا۔ اب یہ لڑائیاں روم وعرب کے بجائے اسلام اور عیسائیت کی قرار پا چکی تھیں۔ ان میں سے ہر ایک حریف کو دوسرے حریف کا مورچہ جہاں نظر آیا تو دوسرے حریف کے کیمپ میں ہتھیاروں کی جھنکار سنائی دینے لگی اور مسلمانوں کے حملہ آور قافلے اُندلس کی سرزمین پر بھی اپنی آب دار تلوار کے جوہر دکھانے لگے۔

چنانچہ اُندلس کی زرخیز وسرسبز زمین پر شتربان عربوں نے سمندر کی تلاطم خیز موجوں سے کھیلتے ہوئے پہلی مرتبہ عہد عثمانی میں قدم رکھا پھر طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر جیسے جانباز مجاہدوں نے یہاں فتح وظفر کے اسلامی پرچم لہرائے اور عربوں اور بربروں کے مختلف قبیلوں نے یہاں کی شاداب وادیوں میں توطن پذیر ہو کر اس کے ایک وسیع خطہ کو اسلامی

مملکت کا جزو بنایا۔ پھر دنیا نے یہ رنگی بھی دیکھی کہ دولت بنی امیہ کا آفتاب اقبال مشرق میں غروب ہو کر مغرب سے طلوع ہوا اور اس کی تابانی و درخشانی سے چند صدیوں تک مغرب کا افق روشن رہا۔ جس طرح سسلی کے مسلمانوں نے اٹلی کی سرزمین کو اپنی آماج گاہ بنائے رکھا اسی طرح اُندلس کے مسلمانوں نے دو صدیوں تک فرانس کی سرزمین میں اسلامی پرچم کو بلند رکھا اور موجودہ اسپین، پرتگال اور نصف فرانس کے علاقے اسلامی حدود حکومت میں داخل رہے۔ اُندلس میں مسلمانوں کی علمی، تمدنی اور روحانی ترقیوں کی جو شمع روشن ہوئی اس سے ایک عالم نے روشنی حاصل کی اور یورپ کے نئے علوم وفنون اور تمدن کے مینارے انہی بنیادوں پر قائم کیے گئے۔

اُندلس پر پہلا اسلامی حملہ عہد عثمانی میں 27 ہجری میں کیا گیا۔ طبری کا بیان ہے اور اس کو ابن اثیر نے بھی اپنی الکامل میں نقل کیا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن نافع حصین اور حضرت عبداللہ بن نافع بن عبدالقیس کو افریقہ کی راہ سے اُندلس پر چڑھائی کرنے کے لیے بھیجا۔ یہ لوگ بحری راستہ سے اُندلس پر حملہ ہوئے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں لکھا کہ قسطنطنیہ اُندلس کی راہ سے آسانی سے فتح کیا جا سکتا ہے۔ تم لوگ اس سعادت کو حاصل کر کے اس اجر کے مستحق ہو سکتے ہو جس کی بشارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسطنطنیہ کے فتح کرنے والوں کو دی ہے۔

یہ مجاہدین بربری لشکر لے کر اُندلس پر حملہ آور ہوئے تھے اور اس کے بعض شہروں پر قابض رہے۔ افریقہ کے بربروں سے انہیں ہر قسم کی مدد ملتی رہی لیکن جب ابتداً بربری قبائل مرتد ہو گئے تو پھر اُندلس اور افریقہ کی راہ منقطع ہو گئی۔ جو مجاہدین اُندلس میں موجود تھے وہ وہیں کے وہیں رہ گئے اور ان کے تعلقات کا سلسلہ اسلامی حکومت سے منقطع ہو گیا۔

(تاریخ طبری، صفحہ نمبر 17) (تاریخ ابن اثیر، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 72)

یہ مسلمان اُندلس کے کس شہر میں تھے، ان پر طارق کے حملہ اُندلس سے پہلے اُندلس میں کیا گزری اور طارق کے حملہ کے وقت ان میں سے کوئی وہاں موجود تھا یا نہیں یہ سوالات ہیں جن کے جواب میں تاریخ کے صفحے ابھی تک خاموش ہیں۔ مغربی مورخین میں سے کون

کی تاریخ ''ڈکلائن اینڈ فال آف دی رومن ایمپائر'' میں بھی اس حملہ کا ذکر آیا ہے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ عرب یہاں آئے اور تاخت و تاراج کر کے واپس چلے گئے۔

گبن نے صرف اس طرح لکھا ہے:

''عثمان رضی اللہ عنہ ہی کے زمانہ میں غارت گروں کی جماعت نے اندولیسیا کے ساحل کو تاراج کیا تھا۔''

(تاریخ گبن، جلد نمبر 5، صفحہ نمبر 555)

اُندلس پر مسلمانوں کا دوسرا حملہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس زمانہ میں کیا گیا جب معاویہ بن خدیج افریقہ کے والی تھے۔ اس کے بعد اسلامی تاریخوں میں اُندلس کا ذکر اس وقت آیا ہے جب عقبہ بن نافع کو یزید بن معاویہ نے افریقہ کی ولایت پر دوبارہ بھیجا ہے۔ نافع پیش قدمی کر کے طنجہ تک پہنچے۔ کاؤنٹ جولین (یولیان) جس نے آگے چل کر اُندلس کے معاملات میں غیر معمولی اہمیت حاصل کی، ان دنوں یہاں کا حکمران تھا۔ اس نے عقبہ کی اطاعت قبول کی۔ اس کے بعد عقبہ نے جولین سے اُندلس کی طرف بڑھنے کا مشورہ کیا۔ یہ اس کو شاق گزرا تو انہوں نے اس سے بربروں کے متعلق پوچھا۔ اس نے کہا کہ وہ عیسائی نہیں ہیں کفار ہیں، ان کی تعداد کا علم اللہ ہی کو ہے اور اس کی بڑی آبادی سوس ادنیٰ کی طرف ہے۔ ادھر پیش قدمی کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ عقبہ اس موقع پر جولین کے مشورہ کے مطابق طنجہ سے اُندلس کی طرف بڑھنے کی بجائے مغرب کی سمت سوس کی طرف نکل گئے۔

(تاریخ ابن اثیر، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 89)

طارق بن زیاد اندلس میں:

بہر حال اندلس میں جو ابتدائی حملے کے لیے گئے تھے ان کا کوئی پائیدار اثر یہاں باقی رکھنا مقصود نہیں تھا۔ اس لیے اُندلس پر حقیقی اسلامی حملہ اسی فوج کشی کو قرار دیا جاسکتا ہے جو اُندلس کی فتح کی نیت سے مشہور فاتح طارق بن زیاد کی سرکردگی میں کیا گیا اور مسلمانوں نے

یہاں توطن اختیار کر کے اپنی فتوحات کا دائرہ وسیع کیا۔

طارق کے اُندلس پر حملہ آور ہونے کا سبب ایک خاص واقعہ قرار پایا ہے۔ اس زمانہ میں اُندلس میں سلطنت کے امراء اور گورنر اپنے بچوں کو آداب و تہذیب سکھانے کے لیے شاہی محل میں بھیجا کرتے تھے۔ یہ بچے گویا یرغمال کے طور پر بادشاہ کے قبضہ میں رہتے تھے اور سن بلوغ کو پہنچتے ہی اپنے گھر کو بھیج دیئے جاتے تھے۔ شمالی افریقہ میں جب طنجہ تک کا علاقہ اسلامی اقتدار میں داخل ہو گیا تو اُندلس کے ساحل سے قریب کے اضلاع اُندلس کے شہنشاہ کی سیادت میں داخل ہو گئے تھے۔ سبتہ (Ceuta) ان اضلاع کا دارالحکومت تھا اور کاؤنٹ جولین جسے عرب یلیان کہتے ہیں اور جو پہلے طنجہ کا والی تھا یہاں کا گورنر تھا۔ جولین اُندلس کے سابق گاتھ فرماں روا وٹزہ کا داماد تھا اور اُندلس کی عام رسم کے مطابق اس کی لڑکی فلورنڈا طلیطلہ میں اُندلس کے نئے حکمران راڈرک کے شاہی محل میں تعلیم و تربیت سیکھنے کے لیے رہتی تھی۔ وہ جوان ہوئی تو راڈرک اس کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گیا اور اپنی ذمہ داریوں کا احساس نہ کرتے ہوئے اس کے شیشہ عصمت کو زبردستی چور کر دیا اور اس سے ایسی چنگاری اٹھی جس سے نہ صرف راڈرک کا تاج و تخت جل کر خاکستر ہو گیا بلکہ ملک میں ایسا انقلاب آیا کہ صدیوں کے لیے اس ملک کی تاریخ بدل گئی۔

فلورنڈا نے حادثہ کی اطلاع اپنے باپ کاؤنٹ جولین تک پہنچائی وہ اس شرمناک واقعہ کو سن کر غیرت و حمیت میں ڈوب گیا اور جوش انتقام میں راڈرک کو تاج و تخت سے محروم کرنے کا پختہ عزم کر لیا۔ چنانچہ وہ یہی منصوبہ باندھ کر پہلے فلورنڈا کو شاہی محل سے لے آنے کے لیے طلیطلہ پہنچا۔ راڈرک کے لئے طلیطلہ میں اس کی آمد غیر متوقع تھی۔ اس نے اپنی خانگی پریشانیوں کی ایک فرضی داستان اس کو سنائی کہ اس کی بیوی بستر مرگ پر ہے اور وہ فلورنڈا سے آخری ملاقات کرنے کے لئے بے چین ہے۔ راڈرک نے اس کی پریشانی کے باوجود فلورنڈا کو بھیجنے سے انکار کر دیا۔ روانگی کے وقت راڈرک نے کاؤنٹ جولین سے کہا:

''سنا ہے افریقہ کے باز بہت اچھے ہوتے ہیں۔ چند باز بھیج دینا۔''

کاونٹ جولین نے جواب دیا:

"اگر میں زندہ رہا تو ایسے باز بھیجوں گا جن کو آپ نے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔"

(مسعودی، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 37، 280، 281)

ان بے نظیر بازوں سے جولین کی مراد عرب کے قدر انداز شہسوار تھے۔ چنانچہ جولین نے سبتہ واپس آتے ہی شمالی افریقہ کی اسلامی حکومت سے اُندلس پر حملہ آور ہونے کے لیے سلسلہ گفتگو شروع کر دی۔ اس زمانہ میں شمالی افریقہ میں خلافت امویہ دمشق کی سیادت میں موسیٰ بن نصیر جیسا بیدار مغز والی حکمران تھا۔ موسیٰ بن نصیر نے چند برسوں میں شمالی افریقہ کو نئے سرے سے مطیع کر لیا تھا اور اسلامی دستوں کو بحر روم کے مختلف جزیروں میں چھاپے مارنے کے لئے بھیجتے رہتے تھے۔ وہ سبتہ پر بھی دو مرتبہ پیش قدمی کر چکے تھے لیکن کاونٹ جولین نے پوری طاقت سے اس کی مدافعت کی تھی۔ ان دنوں طارق بن زیاد طنجہ کے والی تھے۔ جولین نے ان سے مراسم پیدا کیے، اسلامی حکومت کی اطاعت کا اظہار اور اُندلس پر حملہ آوری کی دعوت دی۔ طارق بن زیاد نے اس معاملہ کو موسیٰ بن نصیر کی طرف بڑھایا۔ جولین نے موسیٰ بن نصیر سے براہ راست مراسلت کی۔ چنانچہ جب جولین نے موسیٰ بن نصیر کو اپنی اطاعت قبول کرنے کی اطلاع اور سبتہ آنے کی دعوت دی تو موسیٰ بن نصیر نے اس موقع کو غنیمت جانا اور 90 ہجری میں خود قیروان سے سبتہ آئے۔

جولین نے خندہ پیشانی سے ان کا خیر مقدم کیا اور ان کو اُندلس پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دینے کے لیے اُندلس کی زرخیزی وشادابی، میووں اور زرعی فصلوں کی بہتات، دریاؤں کی کثرت، پانی کی شیرینی اور سیاسی حالات کے سلسلہ میں یہاں کے باشندوں کے باہمی اختلافات اور ایک غیر شاہی خاندان کے قائد کے برسر اقتدار آ جانے کی تفصیلات بیان کیں اور اس مہم میں اپنی طرف سے ہر قسم کی امداد دینے کا یقین دلایا۔

موسیٰ بن نصیر نے اس دعوت کو غور سے سنا مگر اس کو قبول کر لینے سے پہلے جولین کو پورے طور پر آزما لینا چاہا۔ چنانچہ انہوں نے جولین سے کہا کہ پہلے وہ خود کسی مختصر لشکر سے حکومت اُندلس سے چھیڑ چھاڑ کرے تا کہ اس کے اور حکومت اُندلس کے تعلقات کھلے طور

پر خراب ہو جائیں اور آئندہ اس کے انحراف کا موقع باقی نہ رہ جائے۔ جولین نے اس تجویز کو خوشی سے منظور کیا اور ایک مختصر لشکر تیار کر کے اس کو دو جہازوں پر سوار کر کے اُندلس کے ساحلی شہر جزیرہ خضراء بھیجا جہاں اس جمعیت نے معمولی چھیڑ چھاڑ کی اور لوٹ مار کر کے سبتہ واپس آ گئی۔

اُندلس پر جولین کی اس حملہ آوری کی اطلاع موسیٰ بن نصیر کو ملی۔ اب اس کی سچائی میں کوئی شبہ باقی نہیں رہ گیا تھا۔ اس لیے موسیٰ بن نصیر نے خلیفہ ولید بن عبدالملک کو ان حالات سے خبردار کر کے اس سے اُندلس پر فوج کشی کی اجازت طلب کی لیکن ولید کو ان تمام حالات سے باخبر ہو جانے کے باوجود اس فوج کشی کی اجازت دینے میں تامل ہوا اور جواب میں لکھا کہ مسلمانوں کو ایسے بحر ذخار کی ہلاکت آفرینیوں میں نہ ڈالا جائے۔ موسیٰ نے اطمینان دلایا کہ اُندلس کا ساحل سامنے نظر آ رہا ہے اور فوج کی بربادی کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ بایں ہمہ ولید نے کسی بڑی فوج کشی سے باز رہنے کی ہدایت کی اور پہلے کسی چھوٹے دستہ کو بھیج کر آزمائش کر لینے کی ہدایت کی۔

چنانچہ موسیٰ بن نصیر نے فرمان خلافت کی تعمیل میں مسلمانوں کا ایک مختصر دستہ اپنے مولیٰ طرفین مالک نخعی کی سرکردگی میں اُندلس پر حملہ آوری کے لیے روانہ کیا۔ طریف کی یہ جمعیت صرف چار سو مجاہدین پر مشتمل تھی جن میں سے ایک سو سوار تھے۔ یہ لوگ چار کشتیوں میں سوار ہو کر روانہ ہوئے اور جنوب مغربی اُندلس کے ایک شہر میں جا کر اترے جس کا نام بعد میں جزیرہ طریف پڑا۔ یہ لوگ اس جزیرہ میں کامیابی حاصل کر کے اُندلس کے ساحلی شہر جزیرہ خضراء میں اترے۔ یہاں سے بھی کثیر مال غنیمت اور تنومند قیدیوں کو ہمراہ لے کر ماہ رمضان 91 ہجری میں بخیر وخوبی واپس آ گئے۔

طریف کی مہم کی کامیابی سے اُندلس کی راہ کی آسانیاں نظر آ گئیں۔ موسیٰ بن نصیر نے اُندلس پر حملہ آور ہونے کا اعلان کر دیا اور لوگ خوشی سے اس جنگ میں شریک ہونے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ ایک عظیم الشان لشکر ایک لائق اعتماد قائد طارق بن زیاد کی سرکردگی

میں تیار ہوگیا اور اسی قائد نے آگے چل کر فاتح اُندلس کا معزز لقب حاصل کیا۔

اسی زمانہ میں جب افریقہ میں اُندلس کے حملہ کی تیاریوں کا غلغلہ بلند تھا اور طریف کی مہم کی کامیابی کی داستانیں پھیل رہی تھیں کہ افریقہ کے چند آزاد اور جنگ جو قبائل کے حوصلے بڑھ گئے۔ انہوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر اُندلس کو تاخت وتاراج کر کے جو کچھ بھی ہاتھ آسکتا ہو اس کو سمیٹ لینے کے لئے آزادانہ طریقہ سے فوج کا ایک دستہ بنایا اور اُندلس کے لیے اسلامی حکومت افریقہ کے لشکر کے روانہ ہونے سے پہلے چل کھڑے ہوئے۔ یہ افریقہ کے نیم وحشی بربری قبیلے تھے جو ابوزراعہ نامی آدمی کی قیادت میں ایک ہزار کی تعداد میں اکٹھے ہوگئے تھے۔ یہ افریقہ سے چل کر جزیرہ خضراء میں اتر پڑے۔ شہر کے لوگ ان غارت گروں کو دیکھتے ہی آس پاس کی آبادیوں میں بھاگ گئے۔ انہیں جو لوگ سامنے مل گئے انہیں لوٹا گیا پھر بڑی بربریت کے ساتھ بعضوں کو آگ میں جلا دیا اور ایک کلیسا میں آگ لگادی۔ ان کی یہ وحشیانہ حرکتیں اسی پر ختم نہیں ہوئیں بلکہ چند قیدیوں کو بڑی بے دردی سے ذبح کر ڈالا اور لاشوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے دیگوں میں رکھ کر آگ پر چڑھادیا اور باقی ماندہ قیدیوں کو آزاد کر دیا تا کہ یہ رہا شدہ قیدی ملک میں پھیل جائیں اور ملک میں مشہور ہوجائے کہ یہ حملہ آور ایسے سخت ہیں کہ قیدیوں کو ذبح کر کے بھون کر کھاجاتے ہیں۔ اس طرح ان کا رعب ودبدبہ پھیل جائے گا اور لوگ ان کے مقابلہ میں آنے کی جرأت نہ کرسکیں گے۔

(ابن القوطیہ، صفحہ نمبر 9)(ابن اثیر، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 444)(نفح الطیب، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 118، 119)

فاتح اندلس......طارق بن زیاد

طارق نسلاً بربری، افریقہ کے باشندہ اور موسیٰ بن نصیر کے آزاد کردہ غلاموں میں سے تھے۔ آپ فوجی خدمات پر مامور تھے اور طنجہ کے والی بھی تھے۔ کاؤنٹ جولین سے ان کے مراسم پہلے سے تھے اور یہ فتح اُندلس کی ابتدائی گفتگو میں شریک تھے۔ لشکر گویا بربروں پر ہی

مشتمل تھا۔ اس لیے سپہ سالاری کے لیے طارق کا انتخاب موزوں ہوسکتا تھا۔ جولین کے وعدہ کے مطابق اس کے چار تجارتی جہاز افریقہ آئے اور طارق سات ہزار کا لشکر لے کر اُندلس روانہ ہوگیا۔ ان میں تین سو عرب اور باقی بربر تھے۔ جتنے سپاہی چار جہازوں میں سوار ہوسکتے تھے، وہ طارق کے ساتھ روانہ ہوئے اور کاؤنٹ جولین رہنمائی کے لیے اس لشکر کے ساتھ گیا۔

مسٹر ہنری ایڈروڈ ہائس اسٹوری آف دی نیشن سیریز، جلد نمبر 36، صفحہ نمبر 17 تا 18 پر لکھتے ہیں:

''ان بربروں کی اصلی قوم ونڈال ہے جنہوں نے رومیوں سے اسپین کو فتح کیا تھا، پھر جنہیں گاتھوں نے اندلس سے نکال دیا تھا اور وہ افریقہ چلے گئے تھے۔ طارق بھی ونڈال ہی سے تھا۔ ونڈال کا خون ان سب میں موجود تھا۔''

موصوف کے نقطہ نظر سے ان لوگوں نے اب اسلام قبول کرلیا تھا اور گاتھوں نے تین سو برس پہلے ان کے ساتھ جو سلوک کیا تھا انہیں اس کا بدلہ لینے کا موقع ہاتھ آیا تھا لیکن یہ افسانہ ہی افسانہ ہے جو صرف اس لیے گھڑا گیا کہ کسی غیر یورپی قوم کے فاتح یورپ ہونے کے واقعہ کو کم سے کم کر کے دکھایا جائے۔ ورنہ افریقہ کے بربر وہاں کے قدیم باشندے ہیں اور نسلی حیثیت سے بڑے بڑے مشہور قبیلوں میں تقسیم ہیں۔ ابن خلدون نے تفصیل سے ان کے قبائلی حالات لکھے ہیں اور دور کا شبہ بھی نہیں کیا جاسکتا کہ یہ اس ونڈال قوم سے ہیں جو تین سو برس پہلے مٹھی بھر تعداد میں اندلس سے ہجرت کر کے افریقہ آئی تھی۔

اسلامی لشکر دوشنبہ 5 رجب 92 ہجری کو اُندلس کی ایک پہاڑی پر اترا جو بعد میں طارق سے منسوب ہوکر جبل طارق سے موسوم ہوئی اور اب اس کا بگڑا ہوا تلفظ جبرالٹر مشہور ہے۔ مسلمان جولین کے تجارتی جہاز پر آئے تھے۔ اس لیے ان کے اترنے سے کسی کو کوئی کھٹکا نہیں ہوا۔ یہ چاروں جہاز سپاہیوں کو اتار کر باقی ماندہ سپاہیوں کو لانے کے لیے واپس چلے گئے۔

اثنائے راہ میں طارق نے ایک خواب دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین وانصار کی معیت میں تشریف فرما ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تلواریں لٹکائے اور مونڈھوں پر کمانیں چڑھائے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم طارق سے فرما رہے ہیں:

"طارق! اسی شان سے قدم بڑھائے جاؤ۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مسلمانوں کے ساتھ نرمی سے پیش آنے اور اپنے وعدوں کو پورا کرنے کی ہدایت کی۔ اس کے بعد طارق نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جلو میں اُندلس میں داخل ہوئے اور طارق اس مقدس جماعت کے پیچھے ہیں۔

اس مقدس خواب کو طارق نے بشارت پر محمول کیا۔ اپنے رفقاء کو اس کا مژدہ سنایا۔ سب لوگوں کو اس سے تقویت حاصل ہوئی اور مہم میں کامیابی وظفر مندی کی امید بندھی۔

طارق اس پہاڑ پر چند دنوں مقیم رہا۔ اس اثناء میں باقی ماندہ لشکر بھی آ گیا۔ ابتدائی انتظام مکمل کرنے کے بعد اس نے فوجی نقل وحرکت شروع کی۔ جبل الطارق کے بالکل شمالی ساحل پر قدیم تاریخی شہر قرطاجنہ (کارتیہ۔ Carteya) آباد تھا۔ طارق نے عبدالملک معافری کو (جس کی آٹھویں پشت پر المنصور معافری پیدا ہوا) ایک دستہ دے کر روانہ کیا جو شہر میں مزاحمت کے بغیر داخل ہو گیا۔ پھر جزیرہ خضراء کی طرف بڑھے۔ یہاں بھی کامیابی ہم رکاب تھی۔ یہ مقام طریف کے ہاتھوں گزشتہ سال بھی پامال ہو چکا تھا۔ پھر ایک چھوٹی سی جمعیت طریف ہی کی سرکردگی میں دی گئی تا کہ وہ اپنے پامال کئے ہوئے شہر جزیرہ طریف کو زیر علم لے آئے۔ چنانچہ اس پر قبضہ ہو گیا۔

جبل طارق کے آس پاس کے شہروں جزیرہ خضراء (Algeciras) قرطاجنہ (Carajena) اور جزیرہ طریف (Tarifa) کے بآسانی زیر نگیں ہو جانے سے بڑی آسانی حاصل ہو گئی۔ طارق نے ان شہروں کی فصیل اور قلعوں کو درست کرایا۔ جہاں جہاں دیوار کی مرمت کی ضرورت تھی مرمت کرائی اور اُندلس کے شاہی لشکر سے کھلے میدان میں

مقابلہ کرنے کی تیاریاں کرلیں۔

اُندلس میں اس زمانہ میں یونانی اساطیر کی طرح نجوم وطلسمات کے بہت سے افسانے پھیلے ہوئے تھے۔ ان میں سے بعض عرب مؤرخین کے کانوں تک بھی پہنچے۔ مقری وغیرہ نے ان کو دلچسپی کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اس سلسلہ میں جزیرہ خضراء میں بھی تفاؤل کے طور پر ایک واقعہ پیش آیا۔ یہاں طارق سے ایک بڑھیا نے بیان کیا کہ اس کا شوہر نجومی تھا اور کہا کرتا تھا کہ اس ملک میں ایک امیر داخل ہوگا جو سب پر غلبہ حاصل کرلے گا۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ اس کا سر بڑا ہوگا اور اس کے بائیں بازو پر ایک تل ہوگا جس پر بال اُگے ہوں گے۔ طارق کو اس بیان سے دلچسپی ہوئی۔ اس نے بایاں بازو کھول کر دیکھا تو واقعی اس پر تل موجود تھا جس میں بال اُگے ہوئے تھے۔

جس طرح طارق کی طرف ان بشارتوں کی نسبت کی جاتی ہے ویسے ہی راڈرک کی طرف ایسے واقعات منسوب ہیں جن سے اس کی حکومت کے زوال اور عربوں کی آمد کی پیشین گوئی ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ طلیطلہ میں ایک قدیم تاریخی عمارت تھی جو بیت الحکمۃ کے نام سے موسوم تھی۔ یہ عمارت مقفل تھی اور دستور یہ چلا آتا تھا کہ اُندلس کا نیا فرماں روا اس پر ایک تالا چڑھا دیتا تھا اور اس کی کنجی اس تالے کے ساتھ لٹکی رہتی تھی۔ کسی فرمانروا کو اجازت نہ تھی کہ وہ اس تالے کو کھول لے۔ ورنہ تالہ کے کھولنے کے معنی ملک کو آفات وحوادث میں مبتلا کر دینے کے تھے۔ اس عمارت کی حفاظت کے لیے دربان مقرر تھے۔ چنانچہ راڈرک کی تخت نشینی کے وقت بھی دستور کے مطابق وہ دربار میں حاضر ہوئے اور اس عمارت پر قفل چڑھانے کی رسم انجام دینے کی درخواست کی۔ اس وقت تک اس عمارت کے دروازہ پر چھبیس قفل لگ چکے تھے۔ ستائیسواں قفل راڈرک کی خدمت میں پیش کیا گیا لیکن راڈرک کا تعلق شاہی خاندان سے نہ تھا کہ پچھلی روایات کا احترام اس کے دل میں ہوتا۔ اس کو اس طلسمی عمارت کی حقیقت دریافت کرنے کا شوق پیدا ہوا کہ شاید پچھلے بادشاہوں کی دولت اس میں ودیعت رکھی ہوئی آرہی ہو۔ اس لیے اس نے اندلس کے عمائد

کے سامنے اس قفل کو کھولنے کا ارادہ ظاہر کیا لیکن لوگوں نے یک زبان ہو کر اس کی نہ صرف مخالفت کی بلکہ کہا کہ اگر زر و جواہر کا خیال ہے تو ملک سے دولت کا انبار جمع کر دیا جائے مگر اس عمارت کے طلسم کو توڑ کر ملک کو کسی نئی آفت میں مبتلا نہ کیا جائے لیکن راڈرک اس طلسمی عمارت کے سربستہ رازوں کو معلوم کرنے کے لیے بے چین تھا۔ وہ اپنے ارادے سے باز نہ آیا اور خود جا کر سارے قفل کھول ڈالے۔

بیت الحکمۃ کا دروازہ کھلا تو سامنے ایک زر و جواہر سے مرصع زرنگار خوبصورت میز رکھی ہوئی ملی۔ معلوم ہوا کہ یہ "مائدہ سلیمان" ہے جو بیت المقدس کی فتح کے بعد وہاں سے لایا گیا تھا۔ پھر اسی کمرے میں ایک مقفل صندوق ملا۔ راڈرک نے اس تالے کو بھی کھولا تو صندوق میں بڑی صنعت سے بنی ہوئی سواروں کی چند تصویریں نکلیں جن کی شکلیں عربوں سے ملتی ہوئی تھیں۔ وہ جانوروں کی کھالیں پہنے، عمامے باندھے، گیسو لٹکائے، عربی گھوڑوں پر سوار ننگی تلواریں سونتے اور برچھے تانے ہوئے کھڑے تھے۔ انہی تصویروں کے ساتھ ہرن کی ایک جھلی رکھی ہوئی تھی۔ راڈرک نے اس جھلی کو کھلوایا تو اس میں مکتوب تھا:

"جب اس مقفل عمارت اور صندوق کو کھولا جائے گا تو وہ قوم جس کی تصویریں اس صندوق میں بنی ہوئی ہیں جزیرہ اُندلس میں داخل ہوگی اور جن لوگوں کے ہاتھوں میں ملک ہوگا ان کی حکومت جاتی رہے گی۔"

راڈرک اس نوشتہ کو پڑھ کر اپنے کیے پر پچھتایا اور اس کو اپنی سلطنت کے زوال کا خطرہ محسوس ہوا۔ اس واقعہ کو کچھ دن ہی گزرے تھے کہ اس نے سنا کہ مشرق سے شہنشاہ عرب کی فوج اُندلس کی فتح کے لیے ملک میں داخل ہو گئی ہے۔

(مقری، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 121)

طارق کی ان پیش قدمیوں سے جن سے چند شہر قبضہ میں آئے تھے، اس علاقہ میں ہل چل مچ گئی۔ ڈیوک تھیوڈومر (Theodomir) اس علاقہ کا گورنر تھا۔ وہ ان اجنبی حملہ آوروں کو ساحل پر دیکھ کر سراسیمہ ہو گیا۔ اس نے مقابلہ کی جرأت کی مگر ایک ہی حملہ میں پست ہوا۔ راڈرک ان دنوں شمالی علاقہ بسکے میں دشمنوں سے صف آرا تھا۔ تھیوڈومر نے

راڈرک کے پاس ایک تیز رفتار قاصد بھیجا اور ان اجنبی حملہ آوروں کے ساحل پر اترنے کی اطلاع ان لفظوں میں دی:

"ہماری زمین پر ایک بلا اُتر پڑی ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ یہ آسمان سے نازل ہوئی ہے یا زمین سے نکل پڑی ہے۔"

یہ بھی اطلاع دی کہ کاؤنٹ جولین ان حملہ آوروں کا دلیل راہ ہے۔

راڈرک اس ناگہانی افتاد سے سخت گھبرایا اور وہاں سے لوٹ کر قرطبہ چلا آیا۔ جج کو اس نے طلیطلہ کے بجائے دارالحکومت قرار دیا تھا اور یہاں مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ چنانچہ ملک میں عام فوجی بھرتی کا اعلان کرایا۔ حملہ آوروں کو ملک سے نکالنے کی عام اپیل کی۔ لوگوں نے اس کی تحریک پر لبیک کہا اور جوق در جوق قرطبہ آ کر فوج میں شریک ہوئے۔ نیز اس نے مذہب و وطن اور قوم کے نام اپنے مخالفین کو بھی بلایا۔ چنانچہ خاندان گاتھ کے تین شہزادے بھی اپنے حلقہ اثر سے فوج اکٹھی کر کے اپنے جاں نثاروں کے ساتھ دارالحکومت کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ مگر انہیں راڈرک پر بھروسہ نہ تھا۔ اس لیے انہوں نے شہر میں داخل ہونے سے گریز کیا اور قرطبہ سے باہر وادی کبیر کے اس پار مقام تقندہ میں فوج کے ساتھ اترے۔ رفتہ رفتہ یہی مقام فوجی چھاؤنی بن گیا اور راڈرک کا لشکر ایک لاکھ کی تعداد تک پہنچ گیا۔

ادھر طارق نے اتنی بڑی جمعیت کے فراہم ہونے کا حال سنا تو کچھ سراسیمہ ہوا۔ اس نے موسیٰ بن نصیر کو تفصیلات کی اطلاع دے کر کمک طلب کی۔ موسیٰ بھی غافل نہ تھا۔ وہ کمک کے لئے پہلے سے کشتیوں پر کشتیاں تیار کرا رہا تھا۔ چنانچہ کمک کی طلب کے ساتھ ہی اس نے پانچ ہزار فوج بھیجی اور اب اسلامی لشکر کی مجموعی تعداد بارہ ہزار ہو گئی۔

اس اثناء میں راڈرک کوچ کرتا ہوا جنوبی اُندلس کی طرف چلا۔ ادھر طارق نے بھی اسلامی لشکر کو آگے بڑھایا اور دونوں فوجوں کا سامنا دریائے گواڈلیٹ (Guadalquivir) کے داہنے کنارے، بحر محیط کے ساحل سے تقریباً سات میل کے

فاصلہ پر مقام شریش (Xeres) میں ہوا۔ دونوں فوجوں نے آمنے سامنے ڈیرے ڈال دیئے اور طرفین لڑائی کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔

راڈرک کی یہ ایک لاکھ سپاہ گھوڑوں اور قیمتی اسلحہ سے آراستہ تھی۔ ادھر صرف بارہ ہزار مجاہدین تھے۔ اگرچہ یہ بڑے قوی ہیکل، جنگجو اور بہادر تھے مگر ان کے پاس نہ گھوڑے تھے اور نہ مکمل اسلحہ۔ ہاتھوں میں صرف ننگی تلواریں تھیں اور بعضوں کے پاس نیزے تھے۔ فوج کی تعداد اور اسلحہ کے لحاظ سے ان دونوں میں کوئی مقابلہ نہ تھا خصوصاً اس لیے کہ اُندلسی لشکر میں وطن اور مذہب کی مدافعت کا جذبہ کارفرما تھا اور اُندلس کے گوشہ گوشہ سے چیدہ چیدہ سپاہی سمٹ کر آ گئے تھے لیکن تائیدِ ایزدی سے ایک نئی صورت حال ایسی پیدا ہو گئی کہ ان کی قوت میں اضمحلال آ گیا۔

کاؤنٹ جولین اسلامی لشکر کا ہمرکاب تھا۔ اس کے آدمی دشمنوں میں مل جل گئے تھے اور جاسوسی اور تفرقہ اندازی کی حکمت عملی اختیار کیے ہوئے تھے۔ کاؤنٹ جولین اپنی کمند گاتھ شہزادوں پر پھینکنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے انہیں ان کی کھوئی ہوئی عظمت یاد دلا کر مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لینے میں درخشاں مستقبل کی یاد دلائی۔ چنانچہ گاتھ شہزادوں نے طارق کو اپنے پیغامبر کے ذریعہ راڈرک کی حکومت پر غاصبانہ قبضہ کر لینے اور ان لوگوں کا اپنے حقوق سے دستبردار نہ ہونے سے مطلع کیا اور اپنی موروثی جاگیریں واگزار رکھنے کی شرط پر اسلامی لشکر کی مدد کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ یہ شاہی جاگیریں اُندلس کے نہایت ہی زرخیز علاقوں میں تین ہزار کی تعداد میں تھیں۔ طارق نے ان شہزادوں کی شرط منظور کر لی اور دونوں میں یہ خفیہ عہد و پیمان طے پا گیا۔

اس رازدارانہ عہد و پیمان کے بعد راڈرک کے لشکر میں یہ خیالات پھیلائے گئے کہ وہ سلطنت کا غاصب ہے۔ شاہی خانوادہ سے اس کا تعلق نہیں۔ اس کو کامیاب بنانے کے لیے کوئی اپنی تباہی و بربادی خود کیوں مول لے۔ باقی رہے یہ مسلمان تو یہ چلتی پھرتی قوم ہے انہیں مال غنیمت چاہیے۔ انہیں اس ملک میں رہ جانے کی ضرورت نہیں۔ بہتر ہے کہ انہی

کے ہاتھوں سے اس غاصب سے نجات حاصل کی جائے۔ پھر جب مال غنیمت لے کر یہ لوگ روانہ ہو جائیں گے تو اُندلس کے شاہی تخت کے لیے کسی کو منتخب کر لیا جائے گا۔

راڈرک لشکر میں ان باغیانہ خیالات کے پھیلنے سے بے خبر تھا۔ وہ اپنی مختلف جنگی تیاریوں میں مصروف رہا۔ چنانچہ اس کے جاسوس بھی اسلامی لشکر کے گرد چکر کاٹ رہے تھے۔ اس نے مسلمانوں کی عام حالت کا اندازہ لگانے کے لیے بعض جری اور معتبر آدمیوں کو بھیجا تھا مگر وہ اپنے کو مسلمان سے چھپا نہ سکے اور مسلمانوں کے ہاتھ سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان جاسوسوں نے اپنے جو تاثرات راڈرک سے بیان کیے وہ اس کے لیے اور زیادہ حوصلہ شکن ثابت ہوئے۔ انہوں نے کہا:

> ''یہ وہی صورتیں ہیں جو صندوق میں دکھائی گئی تھیں۔ ان سے مقابلہ آسان نہیں۔ یہ آپ کے پاس آنے والے ایسے ہیں کہ یا تو اپنی موت چاہتے ہیں یا وہ زمین جو آپ کے قدموں کے نیچے ہے۔ انہوں نے واپسی کے تخیل کو مٹا دینے کے لیے اپنے جہازوں کو بھی جلا دیا ہے اور ثابت قدم کے ساتھ اس زمین پر صف آراء ہو گئے ہیں۔ ان کے لیے ہماری زمین پر کوئی ایسا مقام نہیں جہاں وہ بھاگ کر پناہ لے سکیں۔''

(نفح الطیب، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 112) (کتاب الامامتہ والسیاسہ، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 60)

ایک طرف راڈرک کی فوج میں ان مختلف قسموں کا اضطراب پھیل رہا تھا لیکن دوسری طرف مسلمان سپاہی بھی دشمنوں کی تعداد کی کثرت اور ان کے قیمتی سامان جنگ کو دیکھ کر مرعوب ہو رہے تھے۔ اسلامی سپہ سالار طارق بھی اس سے بے خبر نہ تھا مگر وہ جلد ہی اس خوف و ہراس کو دور کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ چنانچہ اس نے اسی رات کو جس کی صبح کو لڑائی شروع ہوئی مسلمانوں میں جوش وولولہ اور عزم و استقامت کی روح پھونکنے کے لیے ان کے سامنے ایک بڑی پرزور تقریر کی جس نے مسلمانوں کے ڈوبے ہوئے دلوں کو سنبھال لیا اور وہ لڑنے مرنے اور فتح مندی سے ہمکنار ہونے کے لئے تیار ہو گئے۔

طارق کی یہ تقریر تاریخی کتابوں میں قلم بند ہے۔ اس نے حمد و ثناء کے بعد کہا:

”مسلمانو! یہ خوب سمجھ لو! اب تمہارے بھاگنے کی جگہ کہاں ہے؟ سمندر تمہارے پیچھے ہے اور دشمن تمہارے آگے۔ اللہ کی قسم! اب سوائے پامردی واستقلال کے تمہارے لیے کوئی چارہ باقی نہیں رہا، یہی دونوں طاقتیں ہیں جو مغلوب نہیں ہوسکتیں۔ یہی دونوں فتح مند قوتیں ہیں جنہیں فوج کی قلت تعداد نقصان نہیں پہنچاسکتی اور نہ کسی فوج کی کثرت، بزدلی، سستی، نامردی، اختلاف اور غرور کے ساتھ کسی کو فائدہ پہنچاسکتی ہے۔ سمجھ لو! تم اس جزیرہ میں ایسے ہی ہو جیسے یغمائی بخیلوں کے دسترخوان پر ہوتے ہیں۔ تمہارے دشمن اپنی فوج اور سامان جنگ کے ساتھ تمہارے سامنے آچکے ہیں۔ ان کے پاس سامان رسد کا ذخیرہ بھی وافر ہے مگر تمہارے پاس کوئی سامان نہیں بجز تمہاری تلواروں کے۔ تمہارے لیے کوئی رسد نہیں سوائے اس کے کہ تم اپنے دشمنوں کے ہاتھوں سے چھین کر حاصل کرلو۔ اگر تم نے کوتاہی کی اور کچھ حاصل نہ کیا تو تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور تمہارے دشمنوں کے دلوں میں تمہارا رعب پیدا ہونے کے بجائے تم سے مقابلہ کرنے کی ہمت پیدا ہو جائے گی۔ اس لیے تم اپنے آپ کو کسی ایسی رسوائی میں پڑنے سے پہلے اس سرکش (راڈرک) کو زیر کرکے بچالو جو اس قلعہ بند شہر سے تمہارے مقابلہ کے لئے نکلا ہے۔ اگر تم اپنی جانوں پر کھیل جاؤ تو کامیابی تمہارے قدم چومنے کے لیے فرش راہ ہے۔ میں تمہیں کوئی ایسی دعوت نہیں دیتا جس کو خود قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہوں۔ میں تمہیں ایسے مقام پر لایا ہوں جہاں سب سے سستی چیز انسانوں کی جانیں ہیں اور سب سے پہلے میں اپنے آپ سے شروع کرتا ہوں۔ یہ خوب یقین رکھو کہ اگر تھوڑی دیر کی تکلیف اٹھالو گے تو اس کے بدلہ میں ایک زمانہ دراز تک عیش وراحت اٹھاؤ گے۔ تم اپنی جانوں کو میری جان سے زیادہ قیمتی نہ بناؤ! تمہارا اور میرا حصہ برابر ہے۔ اس وقت جو کچھ جزیرہ میں ہے وہ سب کچھ تمہارا ہے۔ یہیں وہ حوروش خوبصورت یونانی لڑکیاں ہیں جو موتی اور مرجان

سے مزین سنہرے لباس میں ملبوس اور امراء وتاج دار سلاطین کے محلوں کی زینت ہیں۔ امیر المومنین ولید بن عبدالملک نے تم جیسے بہادروں کو اس لیے منتخب کیا ہے کہ تم اس جزیرہ کے تاج داروں اور رئیسوں کے داماد بن جاؤ۔ یہاں کے بہادروں اور شہسواروں سے دو دو ہاتھ کرلو۔ تم اس جزیرہ میں اللہ کے بول اور اس کے دین کو سربلند کرنے کے لئے آئے ہو اور اس کا اجر پاؤ گے۔ یہاں کا مال غنیمت صرف تمہارے ہی واسطے ہے۔ تم جس عزم پر استوار ہو گئے اللہ اس میں تمہاری مدد کرے گا اور دونوں جہانوں میں تمہارا نام باقی رہ جائے گا۔

یہ خوب سمجھ لو! میں تمہیں جو دعوت دے رہا ہوں اس کو قبول کرنے والا سب سے پہلا شخص میں ہی ہوں۔ مجھے تم جو کچھ کرتے دیکھو اسی کی پیروی کرو۔ اگر میں حملہ کروں تم بھی ٹوٹ پڑو۔ اگر میں رک جاؤں تم بھی ٹھٹھک کر رک جاؤ۔ لڑائی کے میدان میں سب مل کر ایک شخص واحد کی ہیئت اختیار کرلو۔ جس وقت دونوں فوجیں ٹکرائیں گی اس وقت میں خاص طور پر اس سرکش (راڈرک) کی طرف رخ کروں گا۔ اگر میں اس سرکش کا کام تمام کرنے کے بعد مارا جاؤں تو میں تمہارے کام کو پورا کر جاؤں گا۔ تم بہادر اور عقل مند ہو، اس کے بعد تم اپنے کاموں کو خود سنبھال سکتے ہو اور اگر میں اس تک پہنچنے سے پہلے ہی مارا جاؤں تو تم میرے اس عزم کو پورا کر لینا، اس پر حملہ آور ہو کر اس کا کام تمام کرنا اور اس جزیرہ کی فتح کو مکمل کر لینا کیونکہ اس کے قتل کے بعد ان کی ہمتیں ٹوٹ جائیں گی۔ اگر میں مارا جاؤں تو غمگین نہ ہونا۔ رنج وملال نہ کرنا اور نہ آپس میں جھگڑ کر ایک دوسرے سے لڑنے لگنا۔ ورنہ تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور دشمنوں کے لیے تم پیٹھ پھیر دو گے اور قتل وگرفتار ہو کر برباد ہو جاؤ گے۔ خبردار! پستی کو قبول نہ کر لینا اور اپنے آپ کو دشمنوں کے حوالہ نہ کر دینا۔ تمہارے لیے مشقت وجفاکشی کے ذریعہ شرف وعزت، راحت

وآرام اور حصول شہادت کے ذریعہ ثواب آخرت مقدر کیا گیا ہے۔ ان سعادتوں کے حاصل کرنے کے لیے آگے بڑھو۔ اگر تم نے یہ کرلیا تو اللہ کا فضل واحسان تمہارے ساتھ ہے۔ وہ تمہیں آئندہ ہونے والے گھاٹے سے اور کل کو اپنے جاننے والے مسلمانوں کے درمیان برے لفظوں سے یاد کیے جانے سے بچائے گا۔ پس اب میں حملہ آور ہوں گا اور اس پر چھا جاؤں گا۔ میرے حملہ آور ہوتے ہی بہادرو! تم بھی جھپٹ پڑنا۔"

اس پر جوش تقریر سے فوج کے دل عزم، ہمت، جوش وخروش اور فتح وظفر کی امیدوں سے بھر گئے۔ ان میں سے بعض نوجوان آگے بڑھے اور انہوں نے اپنی جوابی تقریر میں اپنے عزم واطاعت کا اظہار ان لفظوں میں کیا:

"اگر اب سے پہلے ہمارے دلوں میں کوئی بات اس کے برخلاف تھی جس کا آپ نے عزم فرمایا ہے تو اب ہم نے اس کو اپنے دلوں سے دور کر دیا۔ اب آپ قدم اٹھائیں ہم آپ کے ساتھ اور آپ کے تابع فرمان ہیں۔"

اس تقریر کے بعد اسی جوش وخروش میں جمیع لشکر ساری رات جاگتا رہا۔ جب صبح کا سپیدہ نمودار ہوا تو جنگ کا طبل بجایا گیا۔ یہ 27 رمضان المبارک 92 ہجری بمطابق 19 جولائی 711ء کی یادگار تاریخی صبح تھی۔

راڈرک نے میدان جنگ میں فوج کی صفیں درست کیں۔ وہ فوج کے اندرونی حالات سے بے خبر تھا۔ اس نے میمنہ ومیسرہ پر ان ہی گاتھ شہزادوں کو رکھا اور قلب کی فوج کی کمان خود اپنے ہاتھ میں لی۔ وہ خود بڑی شان وشوکت سے قلب فوج میں دو گھوڑوں کے تخت رواں پر سوار موتی، یاقوت اور زبرجد سے مرصع چتر شاہی کے زیر سایہ قیمتی لعل وجواہر سے مزین لباس میں ملبوس تھا۔ جلو میں مسلح پاسبان اور زرق برق لباسوں اور ذخیرہ کن ہتھیاروں سے آراستہ جاگیردار اور امراء صف آراء تھے۔

ادھر طارق اپنے ہمراہیوں کے ساتھ آگے آگے تھا۔ اسلامی لشکر زرہیں پہنے، سفید عمامے باندھے، ہاتھوں میں عربی کمانیں لیے، کمروں میں تلواریں لٹکائے اور بغلوں میں

نیزے دبائے نظر آیا۔ کہا جاتا ہے کہ راڈرک اسلامی لشکر کو اس ہیئت میں دیکھتے ہی پکار اٹھا:

"قسم ہے! یہ تو وہی صورتیں ہیں جن کو ہم اپنے شہر کے بیت الحکمۃ میں دیکھ چکے ہیں۔!"

حملہ کی ابتدا اندلسی لشکر کی طرف سے ہوئی۔ مسلمان بھی مقابلہ کے لیے آگے بڑھے اور جلد ہی گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی۔ دونوں فوجوں کی مادی وروحانی حیثیتوں میں بڑا فرق تھا۔ ایک طرف ایک لاکھ انسانوں کا جنگل تھا جو ہر طرح کے اسلحہ سے آراستہ تھے۔ ملک کے نامور سے نامور قائد وجاگیردار اپنی اپنی فوجوں کے سرخیل بن کر میدان میں آئے۔ شاہی نظم کے مطابق سامان رسد کا وافر ذخیرہ فوج کے ساتھ تھا اور لڑائی میں ہر قسم کی آسانی پیدا کرنے والے ذرائع مہیا تھے۔ شہنشاہ خود فوج کی کمان سنبھالے میدان جنگ میں موجود تھا لیکن ایک لاکھ کی اس فوج کے دائیں بائیں دونوں بازوؤں نے دشمنوں سے عہد وپیمان کر لیے تھے۔ دوسرے امراء اور جاگیرداروں کا بھی ایک بڑا طبقہ اپنے بادشاہ سے خوش نہ تھا اور جو عام کسان فوج میں آئے تھے وہ بھی بددل تھے۔ پھر اندلس کا شہنشاہ غاصب سلطنت تھا۔ سلطنت کے حقیقی وارث اور دعویدار فوج میں میمنہ اور میسرہ کے کمانڈر تھے اور یہ سمجھ کر یہ حملہ آور مال غنیمت لے کر واپس جائیں یا رہیں، ان کی سرسبز وشاداب جاگیروں سے ان کو محروم نہیں کریں گے، وہ حملہ آوروں سے عہد وپیمان کر چکے تھے۔ اس لیے اگرچہ فوج کی تعداد زیادہ تھی مگر وہ اپنی اندرونی اخلاقی وروحانی طاقت سے تہی دامن ہو چکی تھی۔

دوسری طرف صرف بارہ ہزار پردیسی تھے، جو نہ اچھا اور قیمتی اسلحہ رکھتے تھے، نہ ان کے پاس سواری کے لیے زیادہ گھوڑے تھے۔ انہیں انہی دشمنوں سے چھین کر اپنے لیے دوسرے وقت کی خوراک مہیا کرنی تھی۔ مقام اجنبی اور راستے نامعلوم تھے۔ وہ فیصلہ کن جنگ کے عزم کے ساتھ اپنی کشتیاں تک جلا چکے تھے۔ اب انہیں انسانوں کے اسی جنگل کو کاٹ کر اپنا راستہ بنانا تھا۔ اس لے وہ ہمت واستقلال سے اس عزم کے ساتھ آہنی دیوار بن کر اس میدان میں کھڑے تھے کہ یا تو اس جزیرہ کے مالک بن کر رہیں گے یا ان میں ہر فرد

جام شہادت نوش کرکے اسی زمین کی خاک پر ہمیشہ کے لئے سو رہے گا۔

اس لیے جب گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی تو یہ بارہ ہزار سربکف مجاہدین ایک لاکھ کی ٹڈی دل فوج پر بھاری ہوئے۔ عیسائی لشکر کے دائیں بائیں بازو پر زور کا حملہ ہوا اور کمان دار شہزادے پسپا ہونے شروع ہوئے یہاں تک کہ دونوں بازو کمزور ہو گئے اور پھر گاتھ شہزادے اپنے گھوڑے بڑھاتے ہوئے طارق بن زیاد سے آملے۔ ان شہزادوں کا علیحدہ ہونا تھا کہ میمنہ و میسرہ کے سپاہ کے پاؤں اکھڑ گئے اور پھر ان کے پیچھے کے سپاہیوں نے اگلی صفوں کو خالی اور اپنے سرداروں کو موجود نہ پا کر لڑنے سے انکار کر دیا۔

مگر راڈرک پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ ثابت قدمی سے فوج کو قلب میں لیے مقابلہ کرتا رہا۔ لڑائی 27 رمضان سے 5 شوال تک جاری رہی۔ اس جنگ کا فیصلہ طارق کی فیصلہ کن تلوار ہی سے ہوا۔ وہ اپنا گھوڑا بڑھائے قلب کی فوج میں گھس پڑا۔ مجاہدین نے اس کے نقش قدم پیروی کی۔ اس حملہ سے قلب کے لشکر میں ابتری پھیل گئی اور راڈرک کے سامنے کی مسلح گارڈ نے جگہ خالی کر دی۔ اب راڈرک کا تخت رواں مسلمانوں کے سامنے تھا۔ طارق راڈرک کو دیکھتے ہی للکار کر اس کی طرف یہ کہتا ہوا جھپٹا کہ عیسائیوں کا بادشاہ یہی ہے۔ طارق تخت رواں تک پہنچا تھا کہ راڈرک اس تیزی سے فرار ہوا کہ مسلمان تعاقب کرنے کے باوجود اس کو نہ پا سکے۔ کچھ دور آگے جا کر دریا کے کنارے اس کا سفید گھوڑا جس پر یاقوت و زبرجد سے مرصع ساز کسا ہوا تھا دلدل میں پھنسا ہوا ملا۔ وہیں پر اس کے ایک پاؤں کا سنہرا موزہ بھی پڑا ہوا تھا جس میں زبرجد، یاقوت اور موتی ٹکے ہوئے تھے۔ نیز ایک زرتار حلہ جو بیش قیمت جواہرات سے مرصع تھا اسی کے پاس گرا ہوا تھا۔ راڈرک کے آخری انجام کے ذکر سے تاریخ کے صفحات خاموش ہیں۔ دریا کے کنارے کی ان نشانیوں سے سمجھا جاتا ہے کہ وہ دلدل میں گھوڑے کے پھنس جانے کی وجہ سے اس پر سے اتر کر دریا میں کود پڑا اور گوڈالیٹ کی لہروں نے اس کو اپنی آغوش میں چھپا لیا۔

(ابن اثیر، جلد نمبر 4 ‘صفحہ نمبر 444 تا 445) (ابن خلدون، جلد نمبر 4 ‘صفحہ نمبر 117) (ابن خلکان، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 18 تا 27) (نفح الطیب، جلد نمبر 1 ‘صفحہ نمبر 106 تا

108 ‘112 تا 113) (افتتاح الاندلس، از ابن القوطیہ، صفحہ نمبر 3 تا 9) (مجموعہ اخبار اندلس، صفحہ نمبر 5 تا 9) (اخبار اندلس اسکاٹ، جلد نمبر 1 ‘صفحہ نمبر 209 تا 224) (مورس ان اسپین لین پول ‘ اسٹوری آف دی نیشن سیریز‘ جلد نمبر 6 ‘صفحہ نمبر 6 تا 22) (اسپین ‘ ہنری ایڈورڈ ویٹز اسٹوری آف دی نیشن سیریز، جلد نمبر 36 ‘صفحہ نمبر 17 تا 19)

راڈرک کے فرار ہوتے ہی لڑائی کا میدان خالی ہو گیا۔ مقتولین کی لاشیں میدان میں پڑی تھیں۔ تین ہزار مسلمان شہید ہوئے تھے۔ عیسائی مقتولین کی تعداد بے شمار تھی۔ ان میں امراء، متوسط حال اور غلام تینوں طبقوں کے لوگ تھے جو سونے، چاندی اور تانبے کی انگوٹھیوں سے پہچانے جا سکتے تھے۔ طارق بن زیاد نے میدان سے مال غنیمت جمع کرایا۔ کچھ قیدی بھی ہاتھ آئے تھے۔ مال غنیمت اور قیدیوں کو مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا۔ باقی ماندہ عیسائی فرار ہو کر مختلف شہروں اور قلعوں میں پناہ گزین ہو گئے۔ اسلامی فتح کی خبر بجلی کی مانند سارے اُندلس میں پھیل گئی۔ اب اُندلس کا تخت خالی ہو چکا تھا۔ ان میں سے ایک گورنر تھیوڈومر کو زیادہ امتیاز حاصل تھا۔ اس نے جاں فشانی سے جزیرہ کے عیسائیوں کی تنظیم کی باگ ہاتھ میں لی اور اندلس کو اپنے زیر علم لانے کی کوشش کی۔ اس طرح مسلمانوں کو ایک ایک شہر اور قلعہ کو علیحدہ علیحدہ فتح کرنا تھا۔ اس لیے ان کو سلطنت اندلس کا شیرازہ بکھر جانے کے باوجود اندلس کے چپہ چپہ کے لیے لڑنا اور ہر شہر کی محافظ فوج اور عیسائی باشندوں کو زیر کرنا تھا۔

ادھر افریقہ میں اسلامی فتح اور مال غنیمت کی فراوانی کی داستانیں پہنچیں اور لوگ شوق و ذوق سے جوق در جوق افریقہ سے آ آ کر طارق بن زیاد کی فوج میں شریک ہوتے گئے۔ اب مسلمانوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے۔ وہ میدان گوڈالیٹ کی جنگ میں فتح یاب ہو کر پورے جزیرہ نمائے اُندلس کو زیر نگین کرنے کا دروازہ کھول چکے تھے۔

(نفح الطیب، جلد نمبر 1 ‘صفحہ نمبر 122) (تاریخ ابن اثیر، جلد نمبر 4 ‘صفحہ نمبر 445)

اس کے بعد طارق بن زیاد نے اُندلس کے جنوب مغربی علاقہ کا رخ کیا۔ ان اطراف میں گاتھ شہزادوں کے ہمدردوں کی تعداد زیادہ تھی۔ مسلمانوں کی کامیابی میں آسانی

حاصل ہوئی۔ چنانچہ طارق بن زیاد سب سے پہلے صوبہ قادس کے مشہور شہر شذونہ (Sidonia) کی شہر پناہ کے نیچے پہنچے۔ اہل شہر محصور ہو گئے اور چند دنوں کے محاصرہ کے بعد انہوں نے اطاعت قبول کی۔

اس کے بعد مسلمان شہر قرطبہ سے مغرب میں ایک شہر حصن المدور (Almadovar) کی طرف چلے گئے۔ وہ بھی قبضہ میں آیا۔ پھر صوبہ اشبیلیہ کی طرف مڑ گئے۔ اشبیلیہ سے پچیس میل مشرق میں شہر قرمونہ (Carmaona) آباد تھا، وہ بھی زیر نگین ہوا۔ اب مسلمان اندلس کے تاریخی شہر اشبیلیہ کی دیواروں کے نیچے پہنچ گئے۔ شہر والوں نے خاموشی کے ساتھ جزیہ ادا کرنا منظور کر لیا۔ پھر معلوم ہوا کہ راڈرک کی فوج کے کچھ شکست خوردہ سپاہی استجہ (Ecija) میں جمع ہوئے ہیں۔ یہ شہر بھی صوبہ اشبیلیہ ہی میں واقع ہے۔ طارق بن زیاد نے اس شہر کا رخ کیا۔ ان لوگوں نے شہر والوں سے مل کر مسلمانوں کا سخت مقابلہ کیا۔ گوڈالیٹ کے میدان کے بعد ابتدائی فتوحات کے سلسلہ میں اس سے بڑی کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔ بہت سے مسلمان شہید ہوئے، طارق بن زیاد شہر کا محاصرہ کیے رہا۔ اتفاق کی بات شہر والوں میں سے ایک شخص کسی ضرورت سے دریائے شنیل (The Xenil) کے کنارے آیا۔ استجہ اس دریا کے بائیں کنارے آباد ہے۔ طارق بن زیاد کی نظر اس پر پڑی۔ وہ دریا میں اتر چکا تھا۔ طارق بن زیاد نے جست مار کر پانی ہی میں اس کو دبوچ لیا اور دریا سے نکال کر چھاؤنی میں لایا۔ شکل وشباہت سے وہ معززین میں سے معلوم ہوا۔ طارق نے کرید کرید کر حالات پوچھے تو معلوم ہوا وہی شہر کا والی ہے۔ طارق نے اس سے اپنے حسب منشا شرطیں قبول کرائیں۔ جزیہ کی رقم مقرر ہوئی اور شہر کے دروازے کھل گئے۔ یہ والی جب تک زندہ رہا ان شرطوں کا پابند رہا۔

(مجموعہ اخبار اندلس، صفحہ نمبر 9)

استجہ میں شیریں پانی کی قلت تھی۔ طارق بن زیاد نے شہر میں پانی پہنچانے کا انتظام کیا۔ استجہ سے چار میل کے فاصلہ پر ایک دریا بہتا تھا اس سے نہر نکال کر شہر میں لایا۔ وہ نہر عین الطارق کے نام سے موسوم ہوئی۔

استجہ کی شکست کے بعد اندلسی امراء اور عوام اپنے مستقبل کی امیدوں سے مایوس ہوئے اور ان میں اس قدر خوف وہراس پیدا ہوا کہ عوام میدانی علاقوں کی آبادیوں کو چھوڑ چھوڑ کر پہاڑی علاقوں میں چلے گئے اور امراء اپنے قیمتی ذخیروں کو لے کر طلیطلہ میں جا کر پناہ گزیں ہوئے کہ اس کی مضبوط شہر پناہ شاید ان کے مال و دولت کی حفاظت کر سکے۔

ادھر کاؤنٹ جولین طارق بن زیاد کو اپنے مفید مشورے دے رہا تھا۔ استجہ کی فتح کے بعد اس نے مشورہ دیا کہ اس وقت اندلسیوں پر رعب چھایا ہوا ہے اس لیے ان کے لیے کسی بڑی فوج کی ضرورت نہیں۔ فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے مختلف صوبوں میں پھیلا دیئے جائیں۔ وہ لائق اعتماد رہنما ان دستوں کے ساتھ کر دے گا جو راہ کی دشواریوں کو آسان کریں گے اور مختلف مقاموں کے متعلق ضروری معلومات دیتے رہیں گے۔ خود طارق فوج لے کر دارالسلطنت طلیطلہ پر حملہ آور ہوتا کہ اس سے پہلے کہ اندلسی آپس میں مل کر کسی کو راڈرک کا جانشین منتخب کریں اور ان میں کوئی شیرازہ بندی پیدا ہو انہیں اسی انتشار کی حالت میں زیر نگیں کر لیا جائے اور مختلف صوبوں کے اہم مرکزوں اور دارالسلطنت پر قبضہ کر لیا جائے۔

طارق نے کاؤنٹ جولین کی اس تجویز کو پسند کیا۔ چنانچہ اس نے ایک طرف ان فتوحات کی تفصیلات موسیٰ بن نصیر کے پاس لکھ بھیجیں اور دوسری طرف عملی قدم اٹھانے کے لیے استجہ کو صدر مقام قرار دیا۔ یہاں سے فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے تیار کر کے مختلف اہم شہروں قرطبہ، غرناطہ، مالقہ، تدمیر کی طرف بھیجے اور خود فوج لے کر دارالسلطنت طلیطلہ روانہ ہو گیا۔

اس اثناء میں موسیٰ بن نصیر والی افریقہ کا جواب آیا۔ انہوں نے طارق بن زیاد کی تجویز سے اتفاق نہیں کیا تھا۔ انہوں نے پیش قدمی جاری رکھنے سے باز رہنے اور اپنی جگہ سے آگے نہ بڑھنے کی ہدایت لکھ بھیجی کہ وہ امدادی لشکر لے کر خود اندلس پہنچیں گے۔ حالات کا جائزہ لیں گے اور اس وقت اگر مناسب ہوا تو پیش قدمی شروع کی جائے گی۔ مگر طارق بن

زیاد اُندلس کے موجودہ حالات سے اس قدر مطمئن تھا کہ والی افریقہ کے اس حکم پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں ہوا کہ جب وہ آئے گا اس کو صورت حال سمجھا دی جائے گی۔ چنانچہ اس نے اپنی پیش قدمی جاری رکھی اور فتوحات کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ مگر طارق کی یہ حکم عدولی موسیٰ کو سخت ناگوار گزری اور جوش انتقال میں اس نے آگے چل کر طارق کی سیاسی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔

قرطبہ اُندلس کے اہم شہروں میں سے تھا۔ راڈرک نے یہیں بیٹھ کر مسلمانوں سے مقابلہ کی تیاریاں کی تھیں۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک کے ایک تجربہ کار غلام مغیث کی سرکردگی میں سات سو سواروں کا ایک دستہ اس کی فتح کے لیے بھیجا گیا۔ مغیث دریائے شقندہ کے کنارے ترائی کی جھاڑیوں میں چھپ گیا اور جاسوسوں کو تحقیقات کے لیے شہر کی طرف بھیجا۔ وہ ایک چرواہے کو پکڑ لائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرطبہ کے امراء اور رؤساء شہر کو چھوڑ کر طلیطلہ چلے گئے ہیں۔ شہر کا والی صرف چار سو سپاہیوں اور تھوڑے سے معمولی شہریوں کے ساتھ شہر کی حفاظت کے لیے رہ گیا ہے اور یہ کہ شہر کی فصیل بڑی مستحکم، سنگین اور خاصی بلند ہے لیکن یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک مقام پر جہاں انجیر کا درخت لگا ہوا ہے ایک روزن موجود ہے، اس سے اس موقع پر فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

یہ معلومات بڑی مفید ثابت ہوئیں۔ مسلمان رات کی تاریکی میں اسی چرواہے کی رہنمائی میں قرطبہ کی طرف بڑھے۔ اتفاق سے بارش ہوگئی۔ زمین نرم تھی۔ گھوڑوں کی ٹاپ کی آواز سنائی نہ دی۔ خاموشی سے دریائے قرطبہ کو عبور کر لیا۔ فصیل کی دیوار ساحل سے تقریباً تیس گز کے فاصلے پر تھی۔ پہلے فصیل پر چڑھنے کی ناکام کوشش کی گئی۔ پھر اس روزن کا پتہ چلا۔ انجیر کے درخت کی شاخیں دیوار پر لٹک رہی تھیں۔ ایک آدمی اس درخت کے سہارے دیوار پر چڑھ گیا۔ پھر پگڑیوں کی کمند بنا کر چند سپاہیوں کو اوپر کھینچ لیا۔ پھر اسی تدبیر سے فصیل کے اس پار اترے۔ فصیل کے پاسبان بے خبر سو رہے تھے۔ انہیں قتل کر کے پھاٹک کھول دیا۔ مغیث پھاٹک کے سامنے فوج لیے منتظر کھڑا تھا۔ پھاٹک کھلتے ہی اسلامی

لشکر ریلا بن کے اندر گھس گیا اور شاہی محل کا رخ کیا۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ سنسان پڑا ہے۔ حاکم شہر چار سو سپاہیوں کے ساتھ قلعہ ''کلیسا سینٹ جارج'' میں جو شہر کے مغربی حصہ میں ایک باغ میں واقع تھا، محصور ہو گیا ہے۔ اس کلیسا کے اندر قریب کی ایک پہاڑی سے زمین دوز راستہ سے پانی آتا تھا۔ تین مہینے محاصرہ میں گزر گئے اور کامیابی کی کوئی صورت نظر نہیں آئی۔

مغیث کے جاسوس جابجا لگے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک حبشی غلام رباح اپنی حماقت سے کلیسا کے باغ کے ایک درخت پر چڑھ کر پھل توڑ کر کھانے لگا۔ اس پر ایک اہل کلیسا کی نظر پڑ گئی اور اس کو پکڑ کر قلعہ میں لے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ اہل کلیسا نے اس سے پہلے کسی حبشی کو نہیں دیکھا تھا۔ اس کے جسم کی سیاہی کو دھونے کے لیے اس چشمہ پر لے آئے جس میں پانی آ کر جمع ہوتا تھا۔ اس طرح رباح نے پانی کے اس ذخیرہ اور اس کے راستہ کو دیکھ لیا۔ جب لوگوں کو اس کے جسم کی سیاہی کے قدرتی ہونے کا یقین آیا تو کلیسا میں لے جا کر اس کو قید کر دیا مگر وہ اتفاق سے کسی طرح قید سے نکل بھاگا اور ساتویں دن مغیث کے پاس آ کر کلیسا اور اس کے چشمہ کے چشم دید حالات بیان کیے۔

یہ واقعہ خواہ صحیح ہو یا نہ ہو بہرحال کسی نہ کسی ذریعہ سے مغیث کو کلیسا کے اندر پانی پہنچنے کا سراغ مل گیا۔ چنانچہ اس نے فوراً ہی اس زمین دوز نہر کے راستہ کو روک دیا۔ پانی کا بند ہونا تھا کہ کلیسا کے محصورین کو اپنی بربادی کا یقین آ گیا۔ مغیث نے اسلام یا جزیہ قبول کرنے کی شرط پیش کی مگر کلیسا والے راسخ العقیدہ غیور عیسائی تھے، انہوں نے ان میں سے کسی بھی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس گفتگو کی ناکامی کے بعد حاکم شہر کے پائے استقلال میں لغزش پیدا ہوگئی اور وہ ایک شب کلیسا سے تنہا نکل بھاگا۔ مغیث کو اطلاع ہو گئی۔ اس نے بھی تعاقب میں اپنا گھوڑا سرپٹ ڈال دیا۔ مقام تطلیرہ کے قریب حاکم شہر گھوڑے پر نظر آیا۔ دونوں بے تحاشہ گھوڑے دوڑا رہے تھے۔ اتفاق سے حاکم شہر کا گھوڑا ایک تالاب پھاندنے میں ٹھوکر کھا کر گرا اور اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ مفرور پریشانی

کے عالم میں اپنی ڈھال پر بیٹھ گیا۔ مفیث بجلی کی طرح کوندتا سر پر آگیا اور آتے ہی ہتھیار چھین کر گرفتار کرلیا لیکن حاکم شہر کے گرفتار ہوجانے کے بعد کلیسا والے ہمت نہ ہارے اگرچہ ان کی جان پر بن گئی۔ بالآخر مفیث نے ان کو زیر کرنے کی سخت سے سخت تدبیر اختیار کی یعنی کلیسا کے گرد آگ جلوادی جس سے مجبور ہوکر انہیں اطاعت قبول کرنی پڑی۔

مفیث نے اس قلعہ کے سر ہونے کے بعد طارق کو فتح کی خوشخبری بھیجی اور اپنے ساتھ کے سواروں کو اس شہر میں بسادیا۔ نیز صوبہ قرطبہ کے یہودیوں کو یہاں آکر آباد ہونے کی دعوت دی۔ اس جزیرہ نما میں یہودیوں اور عیسائی کے درمیان دیرینہ کشمکش قائم تھی۔ وہ اس موقع پر اپنا انتقام لینے کے لیے مسلمان فاتحین کے بڑے جانثار اور وفادار دوست ثابت ہوئے اور بڑی تعداد میں آکر یہاں آباد ہوگئے۔ مفیث نے اپنا قیام قرطبہ کے شاہی محل میں رکھا اور اسی وقت سے قرطبہ اُندلس کے ممتاز اسلامی شہروں میں شمار کیا جانے لگا۔ قرطبہ پر مسلمانوں کا حملہ ماہ شوال 92 ہجری بمطابق ماہ اگست 711ء میں ہوا اور ماہ محرم 93 ہجری بمطابق ماہ اکتوبر، نومبر 711ء سے یہ اسلامی شہروں میں شمار کیا جانے لگا۔

(نفح الطیب، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 112 تا 113)(تاریخ ابن اثیر، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 442)(مجموعہ اخبار اندلس، صفحہ نمبر 10، 11، 24)(افتتاح الاندلس، صفحہ نمبر 9 تا 10)(لین پول، صفحہ نمبر 24)(اسکاٹ، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 228)

دوسری طرف شہر مالقہ کو فتح کرنے کے لیے جو دستہ بھیجا تھا وہ بھی کامیاب ہوا۔ مالقہ والے شہر کو چھوڑ کر دشوار گزار پہاڑیوں میں جا چھپے تھے۔ مسلمانوں نے یہاں بھی طرح اقامت ڈالی اور فوج کے ایک حصہ کو آگے بڑھایا جس نے شہر البیرہ کا رخ کیا جہاں آگے چل کر شہر غرناطہ کی بناء پڑی اور اس نے بڑا نام ونمود حاصل کیا۔ اس شہر کے مفتوح ہونے کے بعد شہر یہ (Alvira Regio) مفتوحہ علاقہ میں شامل ہوا اور آگے بڑھ کر اسلامی لشکر مقام اریولہ میں اترا۔ اس سلسلہ مہم میں اس سمت میں اسلامی دستوں کی آخری منزل یہی تھی کیونکہ یہیں پہنچ کر اس علاقہ کے عیسائی حاکم تھیوڈومر سے صلح کے سلسلہ میں بات چیت ہوئی۔

تھیوڈومر راڈرک کے زمانہ میں صوبہ اُندلس کا والی تھا۔ مسلمانوں کے استیلا پانے کے بعد وہ صوبہ مرسیہ میں شکست کھانے کے بعد وہ اریولہ میں آکر پناہ گزین ہوگیا تھا۔ جب اسلامی لشکر نے اس شہر کا محاصرہ کیا تو تھیوڈومر نے جم کر مقابلہ کیا۔ مگر اس کے بہت سے سپاہی کام آچکے تھے اور لڑنے والوں کی تعداد اس کے پاس زیادہ باقی نہیں رہ گئی تھی لیکن اس نے مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لئے عورتوں کو سپاہیانہ لباس پہنا کر اور اسلحہ سے آراستہ کر کے فصیل کی دیوار پر کھڑا کردیا۔ دور سے عورتوں اور مردوں میں تمیز کرنا مشکل تھا اور ان عورتوں کے آگے بچے کھچے سپاہیوں کو ہتھیاروں سے آراستہ کر کے کھڑا کیا تھا۔ پھر صلح کا جھنڈا لہراتا ہوا خود اسلامی لشکر کے کیمپ میں چلا آیا۔ مسلمانوں کو دور سے فوج کی تعداد زیادہ نظر آئی۔ وہ فریب میں آگئے اور آسان شرطوں پر صلح کے لیے تیار ہوگئے۔ تھیوڈومر نے صلح کے بعد اپنا تعارف کرایا۔ پھر جب مسلمان شہر میں داخل ہوئے اور شہر میں عورتوں بچوں کی بڑی تعداد اور محض تھوڑے سے سپاہیوں کو دیکھا تو اس وقت انہیں تھوڈومر کے فریب جنگ کا اندازہ ہوا اور وہ آسان شرطیں قبول کرلینے پر کف افسوس ملنے لگے لیکن صلح کی جو شرائط قرار پا چکی تھیں ان پر قائم رہے۔ یہ علاقہ تھیوڈومر کے قبضہ اختیار میں باقی رکھا گیا اور طارق بن زیاد نے بھی اس کو صوبہ مرسیہ کا حاکم تسلیم کرلیا۔ یہ پورا علاقہ آگے چل کر تھیوڈومر کے نام پر "تدمیر" سے موسوم ہوا۔

(مجموعہ اخبار اندلس، صفحہ نمبر 24)

طلیطلہ شاہان گاتھ کا پایہ تخت تھا۔ طارق بن زیاد کاونٹ جولین کے مشورہ سے خود اپنی سرکردگی میں فوج لے کر یہاں پہنچا۔ مگر اس کے پہنچنے سے پہلے ہی اندلس کے امراء اور عام باشندے اس شہر کو بھی خالی کر کے کوہ طلیطلہ کی پشت پر دوسری آبادیوں میں منتقل ہوگئے تھے اور طلیطلہ کا مطران یعنی کلیسا کا اسقف اعظم ملک چھوڑ کر روما چلا گیا تھا۔ جس قدر نوادر وخزائن لے جاسکتے تھے وہ لے جا چکے تھے اس لیے طارق کے لئے طلیطلہ کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور وہ بلاکشت وخون اس تاریخی شہر میں داخل ہوگیا۔ طلیطلہ کے قیمتی ذخائر اگرچہ یہاں سے ہٹائے یا چھپائے جا چکے تھے پھر بھی طارق کو یہاں دولت وثروت کا اتنا بڑا انبار

ہاتھ آیا جو کہ اس سے پہلے اس ملک میں دیکھا نہیں گیا تھا۔ اسی میں شاہان اندلس کے چوبیس زرنگار تاج بھی ایک کلیسا میں محفوظ دستیاب ہوئے۔ شاہان اندلس کا دستور تھا کہ وہ اپنے دور حکومت میں اپنا قیمتی تاج کلیسا میں نذر چڑھاتے تھے۔ اس میں ان کا نام، عمر، تاریخ تخت نشینی اور پھر بعد میں وفات کی تاریخ لکھ دی جاتی تھی۔

اسی طرح بڑی تعداد میں قسم قسم کے نقرئی وطلائی اور لعل وجواہر کے ظروف ہاتھ آئے۔ طارق بن زیاد نے مسلمانوں کو یہاں آباد کیا، ان کے ساتھ ان کے حلیف یہود بھی بسائے گئے اور قوطی شہزادہ اوپاس کو طلیطلہ کا حاکم بنادیا۔

شاہان اسپین کے تاجوں کے متعلق مولوی عنایت اللہ صاحب نے اندلس کے تاریخی جغرافیہ میں بعض نئی معلومات کو یکجا کر دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اسی شہر طلیطلہ کی ایک وسیع عمارت میں جو غالباً کلیسا سے متعلق ہوگی طارق بن زیاد کو ایک سو ستر تاج طلیطلہ کے بادشاہوں کے ملے تھے۔ اسی غایت سے عربی مورخوں نے اس عمارت کا نام بیت الملوک بیان کیا ہے۔''

ڈون پاسکل نے اپنے ترجمہ نفح الطیب کے ضمیمہ میں کتاب الامامہ والسیاسہ کی ایک عبارت کا ترجمہ کیا ہے جس میں قوطی بادشاہوں کے تاجوں کا ذکر ہے۔ برنرڈ اور ایلن ویشا اپنی کتاب ''عربک اسپین'' صفحہ 387 تا 389 میں لکھتے ہیں:

''1851ء سے پہلے قوطی بادشاہوں کے تاجوں کے متعلق یہ بیان یورپ والوں کو عربوں کی ایک گڑھت معلوم ہوتی تھی لیکن جب صوبہ طلیطلہ کے ایک چھوٹے سے شہر کے قریب ایک مقام سے چند تاج اور کلیسائی اشیاء برآمد ہوئیں تو یقین ہوگیا کہ عربوں نے ان بادشاہی تاجوں کے حال میں سچ کے سوا جو کچھ لکھا ہے وہ بہت قلیل ہے۔ 1858ء میں صوبہ طلیطلہ کے ایک چھوٹے شہر گوادامور کے قریب ایک ندی گوارازر میں سخت طغیانی آئی، پانی اتر گیا تو اس ندی کے کنارے ایک پرانے قوطی گرجا کے کھنڈر میں ایک جگہ مٹی میں کچھ چیزیں چمکتی نظر آئیں۔ سب سے پہلے ایک غریب کسان کی بیوی کی نظر ان پر پڑی۔ اس

نے اور اس کے خاوند نے ان قیمتی چیزوں کو وہاں سے نکال لیا۔ ان کو کیا معلوم کہ یہ خزانہ وہ ہے جو بارہ سو برس سے زمین میں دبا پڑا تھا۔ مدرسہ کے معلم نے ان میں سے ایک چیز کسان یا اس کی بیوی کے ہاتھ دیکھ لی۔ اس نے حکام کو اطلاع کی اور جو چیزیں سنار کی بھٹی کے حوالہ نہیں ہوئی تھیں وہ بچ گئیں۔ اگر یہ اتفاق پیش نہ آتا تو ساتویں صدی عیسوی کے کلیسائی زیورات کے ایک پورے مجموعے سے دنیا محروم ہو جاتی۔

یہ تمام قیمتی اشیاء آج کل مجریط (Madria) اور کلونی (Cluny) کے عجائب خانوں میں رکھی ہیں۔ ان تاجوں پر ایک قوطی بادشاہ کے نام جواہرات کے جڑاؤ سے لکھے ہوئے تھے۔ ان تاجوں کے ساتھ صلیب بھی تھی جس پر نام کندہ تھا۔ ان کے علاوہ اور کلیسائی اشیاء تھیں جن پر ان کے ہدیہ کرنے والوں کے نام مٹ گئے تھے۔ تھیوڈوسیس کے سونے کے تاج پر ایک عبارت اس مضمون کی کندہ تھی:

''اسٹیفا نو تھیوڈوسیس آیا یہ نذرانہ پیش کرتا ہے۔''

بادشاہوں کے تاجوں پر صرف ان کے نام اور ''پیش کش شاہی'' کے الفاظ نقش تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ عربی مورخین کا یہ بیان کہ نذرانے کے تاجوں پر قوطی بادشاہوں کے نام کندہ تھے بالکل درست ہے اور اس پر کچھ تعجب نہ کرنا چاہئے کہ عرب جو لاطینی زبان نہ جانتے تھے انہوں نے ایسی کندہ عبارتوں کی طرف نسبتاً جو کسی قدر بڑی تھیں یہ سمجھا کہ جس شخص کا تاج ہے اس پر نام کے علاوہ اس کے خاندانی حالات بھی درج ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ یہ تاج وہ نہ تھے جو قوطی بادشاہ اپنی زندگی میں پہنتے تھے۔ بلکہ یہ تاج وہ تھے جن کو بادشاہ اپنے زمانہ حکومت ہی میں کلیسا کو پیش کرتے تھے۔ ہر پابند مذہب قوطی بادشاہ دو تاج بنوایا کرتا تھا۔ ایک وہ خود پہنتا تھا دوسرا کلیسا کو نذر کرتا تھا۔ یہ دستور ایسا تھا جس سے اس امر کی تصریح آسانی سے ہو جاتی ہے کہ اس قسم کی قیمتی چیزیں مسلمانوں کو فتح اندلس کے وقت بہ کثرت لیسے مل سکیں۔

(تاریخی جغرافیہ، صفحہ نمبر 301 تا 303)

طارق طلیطلہ کو خالی پا کر مفرور عیسائیوں کے تعاقب میں جبال طلیطلہ اور جبال

الشارات کو عبور کر کے خود فوج لے کر گیا اور ایک قائد محمد بن الیاس مغیلی کی سرکردگی میں فوج کا ایک دستہ دوسری سمت میں بھیجا تا کہ طلیطلہ کے شاہی خزانہ کو قبضہ میں لایا جائے۔

مغیلی نے ایک شہر وادی الحجارہ (Guada la Gara) کو فتح کیا اور یہاں کے کلیسا میں بیش قیمت طلائی ونقرئی ظروف وزیورات بے شمار تعداد میں حاصل ہوئے ۔مسلمانوں نے اس علاقہ کو وادی الحجارہ (پتھروں والا دریا) سے موسوم کیا۔شہر میہ جہار انیسویں صدی میں زمین سے تاج شاہی برآمد ہوئے اسی کے آس پاس آباد تھا۔

دوسری طرف طارق طلیطلہ سے تقریباً پچپن میل سے کچھ آگے مقام قلعۃ النہر کے قریب ایک آبادی میں پہنچا جہاں طلیطلہ کے سب سے زیادہ بیش قیمت خزانے چھپا کر رکھے گئے تھے۔طارق نے اس شہر پر آسانی سے قبضہ کر لیا اور بے شمار دولت ہاتھ آ گئی جس میں وہ تاریخی مائدہ (کھانے کی میز) بھی تھا جس کو یہود حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے چلے آتے تھے اور ان کے بیان کے مطابق بعض شاہان اُندلس اس کو بیت المقدس کی فتح کے بعد اندلس لائے تھے۔بعض دوسری روایتوں کے مطابق وہ اندلس کے بادشاہوں ہی میں سے کسی کا بنوایا ہوا تھا۔یہ تاریخی مائدہ ٹھوس سونے کی میز کی شکل کا تھا۔یہ مسطح میز تین سو پینسٹھ پایوں پر قائم تھی اور بیش قیمت جواہرات، یاقوت، زبرجد اور موتیوں سے مرصع تھی۔مسلمان اس میز کی مناسبت سے اس آبادی کو مدینۃ المائدہ (میز والا شہر) کہنے لگے۔

اس کے بعد طارق نے اسپین کے شمالی علاقہ کا رخ کیا اور صوبہ لیون سے ہو کر استرقہ یا اشتوریہ پر اسلامی علم لہرایا۔اس کے بعد شمال مغربی گوشہ میں صوبہ جلیقیہ کی سمت بڑھا اور کثیر مال غنیمت ہاتھ آیا۔شمالی اُندلس کی یہ مہمیں مستقل قبضے کے لیے نہیں بھیجی گئی بلکہ محض اس لیے گئی تھیں کہ اسپین کے امراء پہلے ہر طرف سے سمٹ کر طلیطلہ میں آ گئے تھے اور جب یہ شہر بھی حملہ آوروں کی زد میں آ گیا تو بہت سے امراء اپنے خزانوں کے ساتھ جلیقیہ چلے گئے تھے۔اس لیے ان علاقوں میں نہ مسلمانوں کی کوئی آبادی قائم ہوئی اور نہ یہاں ان

مہموں کے پائیدار نقوش ثبت ہوئے بلکہ صرف مجاہدین ان علاقوں کو تاخت وتاراج کر کے وافر مال غنیمت سے لدے پھندے طلیطلہ واپس آ گئے۔

اب اُندلس میں مسلمانوں کو آئے ہوئے تقریباً ایک سال گزر چکا تھا۔اس اثناء میں انہوں نے یہاں جنوبی اور اوسط اُندلس میں اپنا کامل اقتدار جما لیا تھا۔قادس، اشبیلیہ، مالقہ، طلیطلہ وغیرہ کے اہم صوبے جن میں مختلف مرکزی شہر جزیرہ خضراء، قرطبہ، غرناطہ، تدمیر، مالقہ اور طلیطلہ وغیرہ آباد تھے، اسلامی حدود میں تھے۔ان صوبوں میں مسلمان اور ان کے ساتھ اسپین کے یہود جو عیسائیوں سے بغض وعناد رکھتے تھے بسائے جا چکے تھے۔مختلف صوبوں اور شہروں کو جن سرداروں نے فتح کیا تھا وہی وہاں کے امیر تھے اور ان دستوں کے سپاہی وہاں کے عام باشندے بن چکے تھے۔خود طارق کا مستقر طلیطلہ قرار پا چکا تھا جو اس وقت عملاً مسلمانوں کا دارالحکومت تھا لیکن اُندلس میں اسلامی پیش قدمیوں کو جاری رکھنے کے سلسلہ میں طارق نے موسیٰ کے حکم کی جو نافرمانی کی تھی اس کی وجہ سے آگے چل کر جلد ہی اس کو یہاں کی حکومت سے دست بردار ہونا پڑا اور موسیٰ نے خود یہاں آ کر عنان حکومت ہاتھ میں لے لی۔

(نفح الطیب، جلد نمبر 1' صفحہ نمبر 112 تا 113)(تاریخ ابن اثیر، جلد نمبر 4' صفحہ نمبر 446)(مجموعہ اخبار اندلس، صفحہ نمبر 10' 11' 240)(ابن قوطیہ، صفحہ نمبر 9 تا 10)(لین پول، صفحہ نمبر 24)(اسکاٹ، جلد نمبر 1' صفحہ نمبر 228)(ایڈورڈ ویٹز، صفحہ نمبر 21)(ڈوزی، جلد نمبر 1' صفحہ نمبر 352)(نفح الطیب، جلد نمبر 1' صفحہ نمبر 124)(ابن اثیر، جلد نمبر 4' صفحہ نمبر 445)(کتاب الامتہ و السیا، جلد نمبر 2' صفحہ نمبر 86)(لین پول اسٹوری، جلد نمبر 1' صفحہ نمبر 24)(اخبار الاندلس، جلد نمبر 1' صفحہ نمبر 228 تا 234)(مجموعہ اخبار الاندلس، صفحہ نمبر 10' 11' 240)(ابن القوطیہ، صفحہ نمبر 1097)(ڈوزی، جلد نمبر 1' صفحہ نمبر 352)(ایڈورڈ ویٹز اسٹوری، جلد نمبر 36' صفحہ نمبر 21)(اندلس کا تاریخی جغرافیہ، صفحہ نمبر 466)

گاتھ شہزادے:

گاتھ شہزادے جو اُندلس میں مسلمانوں کے قدم جمانے میں معاون ہوئے تھے ان کا

معاملہ ابھی تک معلق تھا۔ یہ تین بھائی تھے۔ عرب مورخین نے ان کے نام المند، رملہ یا ورقلہ اور ارطباس لکھے ہیں۔ ہزار جاگیریں ان کی خاص تھیں۔ معاہدہ کے مطابق ان جاگیروں پر انہیں قابض ہونا تھا گو کہ طارق اپنے معاہدہ کا پابند تھا لیکن یہ شرطیں اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایسی اہم تھیں کہ ان پر عمل درآمد دربار خلافت کی منظوری کے بعد ہی کیا جا سکتا تھا اور اس کا اندازہ ان شہزادوں کو بھی ہوا۔ چنانچہ وہ طارق کے پاس آئے اور صفائی سے اس سے پوچھا کہ وہ خود امیر مجاہد ہے یا اس کے اوپر کوئی دوسرا حاکم بھی ہے۔ طارق نے ان کو صورت حال سمجھائی کہ وہ والی افریقہ کے ماتحت ہے اور وہ امیر المومنین کا نائب ہے۔ ان شہزادوں نے موسیٰ کے پاس جا کر اس سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ طارق نے اس سے اتفاق کیا اور تعارف کا ایک مکتوب ان کو دے دیا جس میں اس معاہدہ اور مسلمانوں کے حق میں ان کی خدمات کی تفصیلات درج تھیں۔

ادھر موسیٰ خود اُندلس آنے کے لئے تیار تھے اور دارالحکومت سے چل کر علاقہ بربر میں مقیم تھے کہ یہ گاتھ شہزادے ان کی خدمت میں پیش ہوئے۔ انہوں نے ایک مفصل مکتوب ان کے حوالہ کیا کہ دربار خلافت دمشق میں حاضر ہوں۔ چنانچہ یہ شہزادے اس مکتوب کو لے کر خلیفہ ولید بن عبدالملک کے دربار میں آئے۔ ولید ان کے ساتھ غیر معمولی اخلاق سے پیش آیا، انہیں شاہانہ اعزاز و اکرام سے دربار میں جگہ دی اور کشادہ پیشانی سے ان میں سے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ فرمان دیا جن میں شاہانہ بخششوں کا ذکر تھا اور وہ تمام جاگیریں ان کی ملکیت قرار پائی تھیں جو شاہان اُندلس کی ذاتی جائیدادیں تھیں۔ نیز ان فرمانوں میں ان کی قدیم شاہانہ عظمت کو برقرار رکھنے کا حکم دیا گیا تھا۔ بربر سرداران سے ملنے جائیں تو انہیں کھڑے ہو کر ان کی تعظیم بجالانے کی ضرورت نہ ہوگی۔ دربار سے رخصت ہونے کے وقت انہیں شاہانہ عطایا و تحائف سے سرفراز کیا۔

اس کے بعد یہ شہزادے اُندلس واپس آئے اور اپنی اپنی جاگیروں کا جائزہ لے لیا اور ان کو باہمی رضامندی سے باہم تقسیم کر لیا۔ بڑے شہزادے المند نے مغربی اُندلس کی

جاگیریں لیں اس لیے اشبیلیہ میں قیام اختیار کیا۔ منجھلے شہزادے ارطباش کی جاگیریں وسط اُندلس میں واقع تھیں وہ قرطبہ میں رہا۔ چھوٹے شہزادے رقلہ یا رملہ کی جاگیریں شرقی اُندلس میں تھیں۔ اس نے طلیطلہ کو اپنے قیام کے لئے پسند کیا۔ اس طرح یہ تینوں شہزادے اُندلس کے مختلف تین حصوں میں اعزاز و امن وعافیت کی زندگی بسر کرنے لگے۔ ان کی عزت و منزلت میں کبھی کمی نہیں آئی۔ یہ اُندلس کے معزز و مرفہ الحال شرفاء میں شمار کیے جاتے رہے۔ عرب مؤرخین نے ان شہزادوں کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ اُندلس کے حکمرانوں کی نگاہوں میں غیر معمولی عزت رکھتے تھے۔

المند کا انتقال خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے زمانہ حکومت میں ہوا۔ اس کے دو خوردسال لڑکے مطروبل، ارطباس اور ایک لڑکی سارہ معروفہ بہ قوطیہ اس کے وارث تھے۔ ان کی نابالغی سے فائدہ اٹھا کر ان کے منجھلے چچا ارطباس نے ان کی جاگیروں پر قبضہ کرنا چاہا۔ سارہ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے بڑی اور ہوشمند تھی۔ اس نے ان کی فریاد کے لیے براہ راست دارالحکومت کو منتخب کیا۔ چنانچہ اپنے دونوں بھائیوں کو ساتھ لے کر ایک جہاز پر اُندلس سے روانہ ہوئی۔ عسقلان میں جہاز سے اتری اور دمشق پہنچی۔ خلیفہ ہشام نے بڑے اعزاز سے اس کا خیر مقدم کیا، توجہ سے اس کی معروضات سنیں اور مناسب ہدایات کے ساتھ اس زمانہ کے امیر افریقہ حنظلہ بن صفوان کے نام ایک فرمان لکھ کر سارہ کو دیا جس کو لے کر وہ حنظلہ کے پاس افریقہ آئی۔ حنظلہ نے اس زمانہ کے والی اُندلس ابوالخطاء حسان ابن ضرار کلبی کے نام اس کے حسب منشا حکم نامہ لکھ دیا۔ سارہ اس کو لے کر اُندلس پہنچی۔ ابوالخطاء نے اس خیال سے کہ ایک عورت کے لئے اتنی بڑی جائیداد کا تنہا سنبھالنا دشوار ہوگا۔ سارہ کی مرضی سے اس کا عقد نکاح ایک معزز عرب قائد عیسیٰ بن مزاحم سے کر دیا اور اس کی جاگیروں پر قبضہ دلا دیا۔

عیسیٰ بن مزاحم نے سارہ کی جاگیر کا مناسب انتظام کیا اور وہ فارغ البالی سے زندگی بسر کرنے لگی۔ عیسیٰ بن مزاحم سے سارہ کے دو بیٹے ابراہیم اور اسحٰق پیدا ہوئے۔ اُندلس کی

مشہور تاریخ افتتاح الاندلس کا مصنف ابن القوطیہ ان میں سے اول الذکر ابراہیم کی اولاد میں سے ہے۔ ابن القوطیہ کا نام محمد، کنیت ابوبکر، باپ کا نام عمر، دادا کا عبدالعزیز تھا اور پردادا بھی ابراہیم بن عیسیٰ بن مزاحم تھا۔ ابن القوطیہ نے 396 ہجری میں وفات پائی۔

اُندلس میں جب امویوں کی مستقل حکومت قائم ہوئی تو اس زمانہ میں سارہ زندہ تھی۔ عبدالرحمٰن الداخل اموی فاتح اندلس کے دربار میں بھی اس کے شاہی آداب ملحوظ رکھے گئے۔ سارہ نے دمشق میں عبدالرحمٰن الداخل کو اس کی خوردسالگی کے زمانہ میں ہشام کے پاس بیٹھا ہوا دیکھا تھا۔ سارہ نے عبدالرحمٰن کو یہ واقعہ یاد دلایا اور اس نے بھی سارہ کو پہچان لیا۔ عبدالرحمٰن کے زمانہ میں وہ قصر شاہی کے زنان خانے میں بے روک ٹوک آتی جاتی تھی اور رفتہ رفتہ شاہی خاندان کے ارکان سے اس کے مراسم بہت بڑھ گئے تھے۔ اسی زمانہ میں جب عیسیٰ بن مزاحم کا انتقال ہوا تو دو عرب معززین جرہ بن ملاس ندجی اور عمیر ابن سعید لخمی سارہ کو اپنے حبالہ عقد میں لانے کی درخواست گزار ہوئے۔ عبدالرحمٰن نے ثعلبہ بن عبید جذامی کی سفارش اور سارہ کی رضامندی سے عمیر بن سعید سے اس کی شادی کردی۔ اس نکاح سے حبیب بن عمیر پیدا ہوا جو اندلس کے بنوحجاج، بنوسلمہ اور بنوجزر کا جداعلیٰ ہے۔ اندلس کے آخر عہد اسلامی تک حبیب بن عمیر کا خاندان اشبیلیہ کے ممتاز شرفاء میں شمار کیا گیا۔

ارطباس بھی شاہانہ جاہ وحشم سے زندگی بسر کرتا تھا۔ اس کے تعلقات عرب وبربر عمائد ومعززین سے بہت شگفتہ تھے۔ وہ اگرچہ بھائی کی وراثت کے لیے بھتیجوں سے لڑا تھا مگر طبعاً نہایت سیرچشم تھا۔ اس کی دادودہش کے واقعات ایسے ہیں جو شہزادوں ہی کے شایان شان ہوسکتے ہیں۔ مسلمان علماء وصلحا کی بڑی قدر افزائی کرتا تھا۔ ایک مرتبہ چند شامی معززین اس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اندلس کے مشہور عابد وزاہد میمون بن لبانہ اس کے پاس آتے دکھائی دیئے۔ یہ انہیں دیکھتے ہی تعظیم کے لیے کھڑا ہوگیا اور اپنی مرصع نقرئی کرسی پر بٹھانا چاہا۔ وہ معذرت کرکے فرش پر بیٹھ گئے۔ ارطباس بھی پاس ادب میں اپنی کرسی سے اٹھ کر

ان کے پاس فرش پر بیٹھ گیا اور ادب سے زحمت فرمائی کی وجہ دریافت کی۔ انہوں نے سادگی سے فرمایا:

''میں چند دنوں کے لیے اندلس آیا تھا۔ مشرق کا حال تمہیں معلوم ہے۔ اب میرا وہاں گزر نہیں، یہیں توطن اختیار کرنے کا قصد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں وسعت دی ہے۔ چاہتا ہوں کہ تمہاری جاگیروں میں سے ایک جاگیر لوں اور اس کو آباد کروں۔ تمہارا حق تمہیں دوں اپنا حق خود لوں اور زندگی گزار دوں۔''

ارطباس نے جواب میں عرض کیا:

''بخدا! جو موضع بھی ہوگا وہ تمام وکمال آپ کی خدمت میں نذر ہوگا۔ وہ حق کاشتکاری پر نہ ہوگا کہ میرا حق بھی اس سے متعلق رہے۔ پھر ایک آباد موضع کا ہبہ نامہ مع مویشیوں کے لکھ دیا اور وہ موضع میمون کے خاندان میں وراثۃً آتا رہا۔''

شامی عربوں میں جمیل نام کا ایک جاہل سردار تھا۔ اس کو ارطباس کے اس حسن اخلاق پر تعجب آیا۔ اس نے گستاخی سے کہا:

''ہم آپ کے پاس آتے ہیں مگر آپ اس سے زیادہ ہماری عزت نہیں کرتے کہ ہمیں کرسیوں پر بیٹھنے کی عزت دے دیں اور یہ سائل آپ کے پاس آیا اور آپ اس سے ایسے حسن اخلاق سے پیش آئے۔؟''

ارطباس نے کہا:

''تم ادب شناس نہیں ہو۔ تمہارا احترام دنیاوی حیثیت سے اس لیے کرتا ہوں کہ تم طبقہ حکمران میں سے ہو۔ لیکن میمون کی عزت اس لیے کی کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق اس کی عزت کرتی ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو خلق میں عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی عزت کرتا ہے۔''

پھر ان سرداروں نے جب اس کے سامنے اپنا دست سوال دراز کیا تو اس نے کہا:

''تم اہل دنیا ہو تھوڑے پر راضی نہیں ہوسکتے، تمہارے لیے دس دس موضع نذر

ہیں۔"

اس طرح اس نے صرف ایک مجلس میں کمال سرچشمی سے سوموضعات ان سرداروں میں بانٹ دیئے۔

ارطباس آگے چل کر شاہی عتاب میں آگیا تھا۔ عبدالرحمٰن الداخل سے اس کے تعلقات خوشگوار نہ ہو سکے تھے۔ شاید اس کا سبب عبدالرحمٰن اور سارہ کے دیرینہ تعلقات ہوں۔ ظاہر ہے کہ سارہ اور ارطباس کے تعلقات اس خاندانہ نزع کی وجہ سے اچھے نہ رہ گئے تھے اور سارہ کی آمدورفت جو شاہی محل میں تھی اس کے اثر سے ارطباس سے بدگمانی پیدا ہونے کے امکانات موجود تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ عبدالرحمٰن کسی فوجی مہم سے لوٹ کر واپس آرہا تھا کہ اس نے ارطباس کے خیمہ کے گرد قیمتی تحائف کا انبار لگا ہوا دیکھا۔ عبدالرحمٰن یہ دیکھ کر ضبط نہ کرسکا اور اس کی جاگیروں کے ضبط کرنے کا حکم دے دیا۔ اس ضبطی کے حکم کے بعد اس کی غیرت نے تقاضا نہ کیا کہ وہ عبدالرحمٰن کے سامنے سر جھکائے۔ چنانچہ خاموشی سے بھتیجوں کے یہاں چلا گیا اور انہی کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگا۔

کچھ دنوں کے بعد وہ قرطبہ آیا اور قصر شاہی میں عبدالرحمٰن سے ملنے کے لیے حاضر ہوا۔ اگرچہ اس زمانہ میں بھی وہ شاہی عتاب میں تھا مگر اس نے اپنی شاہانہ خودداری برقرار رکھی۔ ابن حاجب کو بلا کر طنزیہ پیغام بھیجا کہ "میں امیرالمومنین سے ملنا چاہتا ہوں تاکہ ان سے رخصت ہولوں۔" عبدالرحمٰن نے دربار میں بلا بھیجا۔ اب ارطباس کی ذاتی ریاست تو باقی نہ تھی کہ وہ شاہانہ کروفر سے رہتا۔ اس کی ہیئت کذائی سے بدحالی ٹپک رہی تھی۔

عبدالرحمٰن نے اس کو اس حال میں دیکھ کر پوچھا:

"ارطباس! اس حال میں کیسے پہنچے۔؟"

ارطباس کو موقع ملا اس نے برجستہ کہا:

"آپ ہی نے تو مجھے اس حال میں پہنچایا ہے۔ آپ میرے اور میری جاگیروں کے درمیان حائل ہوگئے اور وہ معاہدے جن کو آپ کے آباؤاجداد نے کیا تھا میرے کسی جرم

کے پاداش کے بغیر توڑ ڈالے۔"

عبدالرحمٰن نے بات بدل کر طنزیہ لہجہ میں کہا:

"تم تو اس وقت مجھ سے رخصت ہونے کے لئے آئے ہو؟ میں سمجھتا ہوں کہ تم کو رومہ جانا ہے۔؟"

ارطباس نے کہا:

"نہیں تو۔ مجھ کو تو خبر ملی کہ آپ شام کا قصد رکھتے ہیں۔؟"

عبدالرحمٰن نے کہا:

"مجھے یہاں کون چھوڑ سکتا ہے کہ میں واپس جاؤں وہاں سے بزور شمشیر نکالا جا چکا ہوں۔"

ارطباس نے جواب دیا:

"تو پھر اس مقام پر جہاں آپ اس وقت موجود ہیں کیا آپ چاہتے ہیں کہ اس کو اپنے بعد اپنی اولاد کے لیے بھی چھوڑ جائیں یا اس برس اس کو واپس لے لیا جائیں جیسے کہ آپ نے اس کو لیا ہے۔؟"

عبدالرحمٰن نے کہا:

"نہیں! واللہ! میرا اس کے سوا کوئی قصد نہیں کہ میں اس کو اپنے اور اپنی اولاد کے لیے مستحکم کر جاؤں۔"

یہ سن کر ارطباس نے صفائی سے کہا:

"تو پھر اپنے طرز عمل کا جائزہ لیجئے۔"

اس کے بعد ایسے مختلف واقعات اور خیالات اس کے سامنے بیان کئے جو اس زمانہ میں عبدالرحمٰن کو ارطباس اور اس کے طرز حکومت کے متعلق لوگوں میں پھیل رہے تھے۔ عبدالرحمٰن کو ارطباس کی اس گفتگو سے مسرت ہوئی اس کا شکریہ ادا کیا اور بیس جاگیروں کو واپس کرنے کا حکم دیا اور نئے سرے سے خلعت سے سرفراز کیا۔ اس کے بعد اس کو اندلس

کے عیسائیوں کے عہدہ قماست پر سرفراز کردیا۔ اس طرح اندلس کے دور اسلامی میں حکومت کی طرف سے سب سے پہلا قومس وہی نامزد کیا گیا۔

افسوس ہے کہ تیسرے بھائی رملہ یا وقلہ اور اس کی اولاد کے حالات روشنی میں نہ آسکے۔

(ابن القوطیہ، صفحہ نمبر 2 تا 5) (نفح الطیب، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 124، 135) (ڈوزی، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 353) (افتتاح الاندلس، از ابن القوطیہ، صفحہ نمبر 26 تا 40)

موسیٰ بن نصیر:

موسیٰ بن نصیر بن عبدالرحمٰن بن زید لخمی تابعین میں سے تھے۔ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے حدیثیں روایت کیں۔ خانوادہ امویہ سے ان کا دیرینہ تعلق تھا۔ ان کے والد کو نصیر بن عبدالرحمٰن لخمی کہا جاتا ہے۔ وہ بنو امیہ کے موالی میں سے تھے۔ ایک روایت کے مطابق وہ عربی النسل تھے اور بنو لخم سے تعلق رکھتے تھے، اس نسبت سے لخمی کہلائے اور یہی روایت زیادہ قرین قیاس ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ نصیر خلافت صدیقی میں شام میں جبل جلیل میں گرفتار کیے گئے اور بنو امیہ ہی نے ان کو آزاد کیا۔ وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دامن سے وابستہ تھے اور ان کے نزدیک منزلت رکھتے تھے۔ بایں ہمہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جنگ کے لیے نکلے تو نصیر اس فوج میں شریک نہیں ہوئے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے احسانات یاد دلا کر وجہ پوچھی تو انہوں نے جواب دیا:

"میرے لیے یہ ممکن نہ ہوسکا کہ آپ کا شکر گزار ہونے کے لیے اس سے کفران کروں جس کی شکر گزاری زیادہ بہتر ہے۔"

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

"وہ کون ہے؟"

نصیر نے جواب میں کہا:

"اللہ عزوجل"

موسیٰ بن نصیر کی ولادت شام ہی میں اس کے ایک قریہ "کفر مری" میں عہد فاروقی میں 19 ہجری میں ہوئی اور وہیں نشوونما پائی۔ ان کی سیاسی زندگی کی ابتدا خلیفہ عبدالملک بن مروان کے دور سے شروع ہوئی۔ اس نے ان کو بصرہ کے خراج کی تحصیل کا افسر اعلیٰ مقرر کیا۔ پھر وہ 89 ہجری میں افریقہ و مغرب کے والی بنائے گئے اور اپنی اور اپنے لڑکوں عبداللہ و عبدالعزیز کی سرکردگی میں افریقہ و مغرب کے بہت بڑے علاقہ کو زیر نگیں کیا۔ یہاں تک کہ بربروں نے ان کی پوری اطاعت قبول کرلی۔ انہوں نے ملک کے مختلف حصوں پر اپنے ولاۃ نامزد کردیے۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں طارق بن زیاد کو طنجہ کا والی مقرر کیا اور جب اُندلس کی مہم درپیش ہوئی تو اس کی سرکردگی میں بربروں کا لشکر بھیجا جس نے اُندلس میں اپنی پیش قدمیاں جاری رکھیں لیکن جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ اُندلس میں طارق نے صریح عدول حکمی کرکے اُندلس کے آخری شمالی اور شمال مغربی علاقوں تک تاخت کی اور کسی جگہ سوائے استجہ کے بقیۃ السیف سپاہیوں اور صوبہ مرسیہ میں تھیوڈومر کے کسی منظم جماعت نے اس کا مقابلہ نہیں کیا۔ اس لیے واقعۃً طارق سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہوئی تھی۔ تاہم وہ اصولاً اپنے افسر کے حکم کی نافرمانی کا مرتکب ہوچکا تھا۔

موسیٰ بن نصیر نے اس کی اس آئینی خطاکاری کو معاف نہیں کیا۔ انہوں نے طارق کے ہاتھوں سے اندلس کی امارات کی باگ چھیننے اور اس کو اس کی نافرمانی کی سزا دینے کے لیے خود اندلس کے سفر کا قصد کیا۔ انہوں نے افریقہ میں اپنے لڑکے عبداللہ کو اپنا قائم مقام بنایا، خود فوج لے کر اُندلس کے لئے روانہ ہوگئے اور اُندلس میں جزیرہ خضراء کے پاس ایک پہاڑی پر ماہ رمضان 93 ہجری بمطابق ماہ جون 712ء میں لنگر انداز ہوئے۔ یہ پہاڑی جبل موسیٰ کے نام سے موسوم کی گئی۔ یہاں سے وہ جزیرہ خضراء میں آئے۔ کاونٹ جولین موسیٰ کے ہمراہ اور ان کے خاص مشیروں میں سے تھا۔

مسلمانوں نے میدان گوڈالیٹ میں بارہ ہزار فوج سے ایک لاکھ فوج کو شکست دی

تھی۔ موسیٰ کے ساتھ مزید اٹھارہ ہزار آزمودہ کار سپاہی آئے تھے۔ ان سپاہیوں کو اپنا جو دکھانے کے لیے کسی نئے میدان کی تلاش تھی۔ موسیٰ کا حوصلہ بھی بلند تھا اور اس کی بڑی تھی کہ وہ اپنی فتوحات کو اس طرح وسعت دیں کہ وہ دمشق اُندلس سے خشکی کے راستہ ملا دیں۔ اس لیے وہ اندلس کے عیسائیوں کو آسان شرطوں پر مطیع کر کے یہاں امن واما قائم کرنا اور انہیں اپنا ہموا بنا کر اسلامی فتوحات کے دائرہ کو آگے اس طرح بڑھانا چا تھے کہ مفتوحہ ممالک میں جابجا اسلامی آبادیاں بھی قائم ہو جائیں اور اُندلس سے دمشق تک علاقہ سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی بن جائے۔ یہ ظاہر ہے کہ اس اہم تجویز کو عملی شکل میں لانے کے لیے خلیفہ وقت کی منظوری ضروری تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنی مفصل تجویز دارالخلافت دمشق بھیج دی تھی اور جواب کا انتظار کرتے رہے۔

لیکن ان دنوں موسیٰ ایک قسم کی ذہنی کشمکش میں مبتلا تھے۔ ایک طرف وہ طارق سے خوش نہ تھے۔ اولاً اس کی عدول حکمی کے سبب سے، دوسرے اس نے فتوحات اور مال غنیمت کے حاصل کرنے میں جو طرزِ عمل اختیار کیا تھا وہ موسیٰ کی اس اسکیم کے مخالف تھا جس کے مطابق وہ پیش قدمی کا سلسلہ بھی جاری نہ رکھ سکتے تھے۔ اس لیے ان دنوں وہ ایک انتظار کی حالت میں تھے اور طارق سے بددل ہونے کے سبب وہ اس سے ملنا بھی پسند نہ کرتے تھے۔ اس لیے انہوں نے طلیطلہ جانا پسند نہیں کیا اور انتظار کی گھڑیوں کو مغربی اُندلس میں گزارنا چاہا۔ خصوصاً اس لیے کہ اس علاقہ میں ابھی فوجی مہموں کے لیے وسیع میدان موجود تھا۔ چنانچہ انہوں نے کاونٹ جولین کے مشورہ سے طارق کے مفتوحہ ومقبوضہ علاقوں کو چھوڑ کر غیر مفتوح حصوں کا رخ کیا۔ اس سلسلہ میں جنوبی اُندلس کے چند شہروں کی باری پہلے آئی جو طارق کے زیرِ نگیں ہو چکے تھے مگر اس کے پیٹھ پھیرتے ہی سرکشی اختیار کر چکے تھے۔ چنانچہ موسیٰ سب سے پہلے شذونہ پہنچے اور یہ شہر مستقل طور پر اسلامی قبضہ میں آ گیا۔

پھر قرمونہ کی باری آئی۔ یہاں عیسائیوں نے بڑی طاقت جمع کر لی تھی۔ کاونٹ جولین کی مدد سے یہ مہم بھی زیادہ کشت وخون کے بغیر آسانی سے فتح ہو گئی۔ اس نے اپنے چند

ساتھیوں کو مصیبت زدہ شکل میں شہر میں پناہ گزین ہونے کے لیے بھیجا۔ شہر کے عیسائیوں نے فریب میں آ کر انہیں جگہ دے دی۔ رات کو انہوں نے شہر کے پھاٹک کھول دیئے اور دروازہ کھلتے ہی مسلمان ریلا کر کے شہر میں داخل ہو گئے۔

اس کے بعد موسیٰ نے مشہور شہر اشبیلیہ کی طرف رخ کیا۔ یہ گاتھ سے پہلے اُندلس کا پایہ تخت رہ چکا تھا۔ مستحکم قلعہ بندیوں سے محفوظ تھا۔ اس زمانہ میں بھی اس کی شاندار عمارتوں میں امراء وعمائد سکونت پذیر تھے اور یہاں کے کلیسا کو اُندلس میں مرکزی عظمت حاصل تھی۔ یہاں کے باشندوں نے طارق سے جزیہ کی شرط پر رستگاری حاصل کی تھی مگر عملاً اطاعت قبول نہیں کی تھی۔ موسیٰ کے پہنچتے ہی اہل شہر محصور ہو گئے۔ چند مہینے محاصرہ جاری رہا۔ آخر شہر والوں نے سپر ڈال دی۔ شہر کی دولت واملاک مسلمانوں کے قبضہ میں آئی۔ عمائد ورؤساء ترک سکونت کر کے باجہ چلے گئے اور موسیٰ نے مسلمانوں اور یہودیوں کو یہاں آباد کر دیا۔

اس کے بعد موسیٰ نے اپنی تجویز کے مطابق اندلس کے غیر مفتوحہ مشہور شہر ماردہ کا رخ کیا۔ شہر والوں نے جم کر محاصرہ کا مقابلہ کیا۔ طویل مدت یہاں بھی گزر گئی۔ آخر موسیٰ نے شہر کے قریب عقب میں ایک پہاڑی میں کمین گاہ تیار کرائی اور فوج کو اس میں چھپا دیا۔ صبح ہوئی تو شہری فوج معمول کے مطابق شہر سے نکل کر صف آرا ہوئی۔ اسلامی لشکر سے مقابلہ ہو رہا تھا کہ پیچھے کمین گاہ سے چھپے ہوئے سپاہی نکل پڑے اور عقب سے حملہ کیا۔ اس لڑائی میں شہری فوج کی قوت کمزور ہوئی۔ اس کے لیے موسیٰ نے لکڑی کا دبابہ (ٹینک) بنوایا۔ چند آدمی اس میں بیٹھ کر فصیل کی دیوار میں نقب زنی کر رہے تھے کہ محصورین بڑی تعداد میں زغد کر کے نکل پڑے۔ یہ حملہ ایسا اچانک تھا کہ بہت سے مسلمان شہید ہو گئے۔ یہ لڑائی ایک برج کے پاس ہو رہی تھی۔ مسلمانوں میں اس کا نام برج الشہداء پڑ گیا۔ مسلمانوں نے اس جانی نقصان کے اٹھانے کے باوجود محاصرہ نہیں اُٹھایا۔ آخر شہر والوں نے صلح کا پیغام دیا اور اسلامی لشکر 94 ہجری میں عید کے دن (30 جون 713ء) شہر میں داخل ہوا۔ صلح کی شرطوں کے مطابق لڑائی میں لڑنے والوں اور جلیقیہ بھاگ جانے والے عیسائیوں اور کلیسا

کا سارا مال و متاع مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ باقی دوسرے لوگوں کی دولت و املاک سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔

موسیٰ کو مارده میں اشبیلیہ کے گرد و نواح کے دو شہروں لبلہ اور باجہ کے باشندوں کے متعلق اطلاع ملی کہ وہ جمع ہو کر اشبیلیہ آئے اور یہاں کے عیسائیوں کی مدد سے اشبیلیہ میں آباد ہونے والے مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے۔ اسی مسلمان شہید ہو گئے اور جو یہودی مسلمانوں کے ساتھ آباد کیے گئے تھے انہوں نے مسلمانوں کی کوئی مدد نہیں کی۔ یہ اُندلس میں اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ تھا۔ موسیٰ نے اپنے لڑکے عبدالعزیز کی سرکردگی میں ایک لشکر بھیجا۔ اس نے یہاں کے مجرم عیسائیوں کو پوری سزا دی، ان کی ملکیتیں ضبط کر لیں اور مسلمانوں کی بڑی جمعیت کے ساتھ وہ خود مقیم ہو گیا اور اپنی سکونت کے لیے یہاں کے ایک قدیم محل کو منتخب کیا۔

اس کے بعد لبلہ پھر باجہ پر فوج کشی کی گئی اور ان دونوں شہروں کو زیر نگیں کر لیا گیا۔ یہاں کے امراء و عمائد بھی نکال دیئے گئے اور ان کے قصور و محلات مسلمانوں کے قبضہ میں دے دیئے گئے۔ نیز مارده کے گرد و نواح میں فوج کے دستے بھیجے گئے اور یہ پورا علاقہ مطیع ہو گیا۔

(تاریخ ابن خلکان، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 19، 20) (تاریخ مغرب ابن عذاری، صفحہ نمبر 43 تا 46) (البلدان، از بلاذری، صفحہ نمبر 247) (نفح الطیب، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 132)

ابھی تک موسیٰ اور طارق ایک دوسرے سے نہیں ملے تھے۔ موسیٰ نے مارده سے طلیطلہ کی جانب ماہ شوال 94 ہجری کے خاتمہ پر رخ کیا۔ طارق نے طلیطلہ سے نکل کر طلبیرہ میں اس کا استقبال کیا۔ موسیٰ طارق کو دیکھتے ہی اس پر برس پڑا۔ کہا جاتا ہے کہ نافرمانی کی پاداش میں اس کو کوڑے بھی لگائے گئے۔

بہرحال اُندلس میں ان دونوں کی یہ پہلی ملاقات ناخوشگوار رہی۔ تاہم موسیٰ نے زجر و توبیخ کر کے معاملہ کو ختم کر دیا، طارق کو اپنے منصب پر قائم رکھا اور اُندلس کے ہراول دستوں کا قائد بنا دیا۔ اس طرح وہ اپنے عہدہ سپہ سالاری پر مامور رہا۔

بعض عیسائی مؤرخین نے طارق کے قید کیے جانے، اس کے قتل کا ارادہ کرنے اور دارالخلافت سے اس کی رہائی کا پروانہ آ جانے کا تذکرہ کیا ہے مگر عربی تاریخوں سے اس کی تائید نہیں ہوتی بلکہ مقری نے ابن حیان کا یہ بیان نقل کیا ہے:

"پھر موسیٰ نے طارق سے صفائی کر لی اور اس سے اپنی خوشنودی ظاہر کی۔"

(نفح الطیب، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 128)

ابن اثیر لکھتا ہے:

"موسیٰ طارق کے پاس گئے۔ طارق نے ان کو راضی کیا۔ وہ راضی ہو گئے اور طارق کے عذر کو قبول کیا۔"

(ابن اثیر، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 456)

بلاذری کا بھی یہی بیان ہے کہ طارق نے اس کو راضی کر لیا اور موسیٰ کی خوشنودی اس کو حاصل ہو گئی۔

(فتوح البلدان، صفحہ نمبر 230)

اس کے باوجود ان دونوں قائدوں کے باہمی اختلاف کے افسانہ کو بڑی شہرت دی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک افسانہ بھی گڑھا گیا ہے کہ طارق کے شیشہ دل پر بال آ گیا تھا اور اس نے موسیٰ کو زک دینے کے لیے مائدہ سلیمانی کا ایک پایہ گم کر دیا۔ پھر دربار خلافت میں اس کی خیانت کی شہادت دی مگر ابن خلدون اور دوسرے مؤرخین اس واقعہ کے ذکر سے خاموش ہیں۔ اس لیے یہ سراسر افسانہ ہی افسانہ معلوم ہوتا ہے۔

موسیٰ نے مال غنیمت کا جائزہ لینے کے بعد نئی مہموں کا آغاز کیا۔ طارق مقدمۃ الجیش کا افسر بنایا گیا تھا۔ وہ متعین مقامات پر فوج لے کر جاتا تھا، موسیٰ پورا اسلامی لشکر اس کے پیچھے پیچھے لے کر جاتا اور نئے نئے مقامات اسلامی فتوحات کے دائرہ میں داخل ہوتے جاتے۔

ان مہموں میں اسلامی لشکر کا رخ اُندلس کے شمالی حصہ کی طرف تھا۔ اس وقت تک دارالخلافت سے موسیٰ کی اس تجویز کی منظوری نہیں آئی تھی۔ تاہم اس نے ان مہموں میں اس

تجویز کو اپنی نگاہ میں رکھا۔ وہ اندلس سے مشرق کی طرف (موجودہ نقشہ کے مطابق) یورپ کے جنوبی ساحلی مقامات اُندلس، فرانس، اطالیہ، یوگوسلاویہ اور بلغاریہ سے گزر کر قسطنطنیہ میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ پھر یہاں سے اناطولیہ کو طے کر کے شام میں آنا چاہتا تھا۔ چنانچہ مقری لکھتا ہے:

"اور اس نے یہ قصد کیا کہ قسطنطنیہ کی طرف سے مشرق میں آئے اور دردب شام اور دردب اندلس کی طرف بڑھے اور ان دونوں دردب کے درمیان جو عجمی نصرانی قومیں ہیں ان میں گھس کر ان سے جہاد کرے اور ان کو شکار بنائے یہاں تک کہ دارالخلافت سے مل جائے۔"

ایک دوسری جگہ ہے:

"اور یہ وہ امید رکھتا تھا کہ فرنگیوں کے جو شہر باقی رہ گئے ہیں ان کو چیر کر ارض کبیرہ میں گھس جائے۔ یہاں تک کہ شام تک لوگوں سے مل جائے۔ اس کا قصد یہ تھا کہ اس سرزمین میں اس نے چیر کر جو شگاف پیدا کر دیا ہے اس کو ایک وسیع راستہ بنا دے جس پر اہل اُندلس مشرق کی طرف آمدورفت کرنے میں خشکی میں چل سکیں اور سمندر میں ہو کر نہ گزریں۔"

موسیٰ نے یہ مہم اپنے اسی مطمح نظر کے مطابق شروع کی تھی۔ اس لیے وہ ان مفتوحہ علاقوں کے باشندوں سے غیر معمولی نرمی اور حسن سلوک سے پیش آنا چاہتا تھا تاکہ رعایا کے دلوں میں مسلمانوں سے نفرت پیدا نہ ہو اور حسن معاملت سے ان کا ایسا اعتماد حاصل ہو کہ ان کے لیے اسلامی قبضہ واقتدار بار نہ ہو جائے۔ ان مفتوحہ ممالک میں امن وامان قائم رہے اور اسپین سے شام تک کے علاقہ کے ایک سلسلہ میں منسلک ہو جانے سے غیر معمولی تمدنی، اقتصادی اور رفاہی فوائد حاصل ہو سکیں۔ چنانچہ اس نے مہم کے روانہ ہونے سے پہلے فوج کو جن چند امور کی تلقین خاص طور پر کی اور ان کے خلاف ورزی کی جرم کی سنگین سزا مقرر کی وہ حسب ذیل ہے:

1: ملک کو تاخت وتاراج نہ کیا جائے۔

2: حملے فوجی طریقہ کے مطابق صرف ملک گیری کے لیے ہوں۔

3: رعایا کے مذہبی جذبات کا پورا احترام کیا جائے۔

4: لوٹ مار اور جور وظلم کے طریقوں سے باز رہا جائے۔

5: مسلمان سپاہیوں کو عدول حکمی کی صورت میں موت کی سزا دی جائے۔

ان ہی احکام کے ساتھ اسلامی لشکر نے مزید فتوحات کے لیے طلیطلہ سے باہر قدم نکالے اور کم از کم اُندلس کی سرزمین میں غیر معمولی آسانی سے انہیں فتوحات حاصل ہوتی گئیں۔ ان مہموں میں طارق مقدمۃ الجیش کے طور پر آگے آگے اور موسیٰ قلب وفوج کو ساتھ لیے پیچھے پیچھے رہتے تھے۔ شمالی اُندلس میں کسی جگہ کسی منظم جماعت نے کوئی قابل ذکر مقابلہ نہیں کیا یہاں تک کہ اس صوبہ کے صدر مقام سرقسطہ تک مسلمان آسانی سے پہنچ گئے اور شہر کا محاصرہ کر کے اس کو فتح کر لیا۔ شہر کا فتح ہونا تھا کہ گویا پورا شمالی اُندلس زیر اقتدار آ گیا۔ یہاں سے گردونواح کے ملحق قلعوں پر فوجی دستے بھیجے گئے اور ان کے دروازے کھلتے گئے۔ پھر آس پاس کے شہروں اور چھوٹی بڑی آبادیوں کی طرف فوج کشی کی گئی اور جہاں جہاں مسلمان گئے وہ مقامات فتح ہوتے گئے بلکہ زیادہ موقعوں پر موسیٰ کی فوج کی ضرورت نہیں پڑی طارق اپنے مختصر دستہ ہی سے ان مقامات کو زیرنگیں کرتا گیا۔ بعض مقاموں کے باشندے خود دوڑ کر آئے اور امان طلب کر کے واپس گئے۔ ان مقاموں پر معقول شرطوں پر انہیں امان دی گئی۔ طارق جہاں جہاں جو شرطیں منظور کرتا تھا موسیٰ وہاں پہنچ کر ان کی تصدیق کر دیتا تھا۔ اسی طریقہ سے شمال مشرقی اُندلس کا یہ پورا علاقہ زیرنگیں ہو گیا۔

اس کے بعد اس صوبہ میں اسلامی حکومت کی تاسیس عمل میں آئی۔ سرقسطہ (Saracossa) اس صوبہ کا دارالحکومت قرار دیا گیا۔ افریقی مسلمان یہاں آباد کیے گئے اور عبداللہ بن حنش یہاں کا پہلا گورنر بنایا گیا۔ زمانہ فتح سے حکومت امویہ کے قیام تک چھیالیس برس تک مختلف ولاۃ یہاں وقتاً فوقتاً بھیجے گئے۔ ولاۃ والی اُندلس کے ماتحت ہوتے

تھے لیکن ہر زمانہ میں مختلف صوبوں کے والیوں میں یہاں کے والی کو امتیازی حیثیت حاصل رہی۔

اُندلس کے شمال مشرقی حصہ کی طرف مہم بھیجی گئی۔ چنانچہ اس علاقہ کے مشہور ساحلی شہر برشلونہ، نشرید، رابرادر اور جرندہ اسلامی اقتدار میں داخل ہوئے۔ ان مقامات میں بھی اسی زمانہ میں یا آگے چل کر مسلمانوں نے اقامت اختیار کی اور ابتداءً یہ علاقہ بھی والی سرقسطہ کی نگرانی میں رکھا گیا اور جب تک ان شہروں پر قبضہ رہا یہ صوبہ سرقسطہ کے حدود میں داخل رہے۔

(اخبار مجموعہ فتح الطیب، جلد نمبر 1 'صفحہ نمبر 108' 130)(اخبار الاندلس، جلد نمبر 1 'صفحہ نمبر 241)

اُندلس کے شمالی حصہ کے زیر نگیں ہو جانے کے بعد فوجی مہموں کے لیے قدرۃً فرانس کے حدود پر نگاہ اٹھی۔ چنانچہ موسیٰ نے جنوبی فرانس کی طرف اپنی فوجی پیش قدمی جاری کی۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلا حملہ جنوبی فرانس کے مشہور ساحلی شہر اربونہ (ناربون) پر کیا گیا اور وہ زیر اقتدار آیا۔ پھر اس شہر کو فوجی چھاؤنی بنا کر فرانس کے مختلف شہروں پر تاخت کی گئی۔ چنانچہ مسلمان اس تاخت میں جنوب مشرقی فرانس کے مشہور شہر حصن لوذون پہنچے۔ پھر یہاں سے اودینوں کا رخ کیا لیکن مسلمان ابھی اثنائے راہ میں تھے کہ عیسائیوں کے ایک عظیم الشان لشکر کے اجتماع کی خبر ملی۔ مگر انہوں نے اپنی پیش قدمی جاری رکھی اور ادینوں میں داخل ہو گئے۔ اس طرح جنوب مشرقی فرانس کے تین اہم شہر اربونہ، لوذون اور ادینوں مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے۔

مسلمانوں کے فرانس کی حدود میں داخل ہو جانے سے یہاں کے عیسائی حکمرانوں میں ہلچل مچ گئی۔ اس زمانہ میں فرانس میں نوابوں (اکاؤنٹس) اور فوجی افسروں کی چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستیں قائم تھیں۔ ان میں سے پیپن آف ہرسٹل (Pepin of Herstal) 49 تا 96 ہجری بمطابق 669 تا 714ء امتیاز حاصل کر کے مرکزی فرانس کے تخت پر قابض ہو چکا تھا اور وہی فرانس کے فرماں روا خاندان کا رالکین (

Caralingion) کا بانی تھا۔ اس کو عرب مورخین ''قارلہ'' کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔

(''دی فرینسک لیوس سرجنٹا سٹوری آف دی نیشن سیریز''، جلد نمبر 48' باب ''دیر میئررس آف دی سپیس'' صفحہ نمبر 194 تا 206)(انسائیکلو پیڈیا، جلد نمبر 11 'صفحہ نمبر 88، طبع یازدہم، ذکر فرانس عنوان ''پیپن آف ہرسٹل'')(و نیز، جلد نمبر 1 'صفحہ نمبر 381)

قارلہ یعنی پیپن آف ہرسٹل نے فرانس کو مسلمانوں کے سیلاب کی زد سے محفوظ رکھنے کے لیے عظیم الشان لشکر کے ساتھ فوج کشی کی۔ ادینوں کے قلعہ بندی ایسی نہ تھی کہ وہاں بیٹھ کر مسلمان اس کا مقابلہ کر سکتے۔ اس لیے وہ اربونہ کی قلعہ بندی سے فائدہ اٹھانے کے لیے اسی سمت لوٹ آئے۔ یہاں پہنچے تو پیپن کے لشکر کو شہر کا محاصرہ کیے ہوئے پایا۔ اس لیے ادینوں سے واپس آنے والے اسلامی لشکر کے لیے شہر میں داخل ہونے کا راستہ بند ہو چکا تھا۔ مسلمانوں نے اربونہ کے سامنے ایک پہاڑی کے دامن میں اپنے مورچے جما لیے۔ پیپن دفعتاً حملہ آور ہوا اس وقت طارق اور موسیٰ کی فوجیں ایک دوسرے سے علیحدہ تھیں۔ پہاڑی پر مسلمانوں کا جنگی موقع بھی اچھا نہ تھا۔ ہر طرف سے نرغہ میں آ گئے اور بہت سے مسلمان شہید ہو گئے۔ آخر بڑی قربانیوں کے بعد لڑتے بھڑتے کسی طرح شہر میں داخل ہونے میں کامیاب ہو سکے۔ پیپن نے بڑی سختی سے ناربون کا محاصرہ کر لیا۔ مسلمان بھی ناربون میں جم کر محاصرہ کو توڑنے کی کوششیں کرتے رہے اور کبھی کبھی شہر سے نکل کر عیسائیوں پر حملہ آور ہو کر انہیں تہ تیغ کرتے رہے۔ جب محاصرہ طول پکڑ گیا تو پیپن کو مسلمانوں کی کمک پہنچنے کا اندیشہ ہوا اس لیے وہ محاصرہ اٹھا کر واپس چلا گیا۔

(تاریخ ابن اثیر، جلد نمبر 4 'صفحہ نمبر 447)(تاریخ ابن خلدون، جلد نمبر 4 'صفحہ نمبر 118)(فتح الطیب، جلد نمبر 1 'صفحہ نمبر 138)

پیپن نے واپس جا کر یورپ پر اسلامی حملہ اور اس سے آئندہ ہونے والے حالات پر غور کرنے کے لیے یورپ کے حکمرانوں کا ایک اجتماع اپنی سرکردگی میں کیا۔ یورپ کے

حکمرانوں کو اگر عربوں کے یورپ پر حملہ آور ہونے کا کوئی خطرہ تھا تو وہ اس کو مغرب کے بجائے مشرق کی سمت سے سمجھتے تھے لیکن ان چند ہزار بے سروسامان سپاہیوں کا مغرب کے دور دراز راستہ سے قلب یورپ میں سیلاب کی مانند گھستے چلے جانا عیسائی حکمرانوں کو محوِ حیرت بنائے ہوئے تھا لیکن انہوں نے اس مجلس مشاورت میں کسی اعلیٰ پیمانہ پر مدافعانہ مزاحمت نہ کرنے کا فیصلہ کیا کیونکہ ان کے خیال میں مسلمان جس عزم و حوصلہ اور جوش و خروش سے بڑھ رہے تھے ان کا مقابلہ کر کے ان کی راہ روکنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ اس لیے انہیں اسی حال پر چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ خصوصاً اس لیے کہ ان کے خیال میں جب ان کے دامن مالِ غنیمت سے بھر جائیں گے اور دولت و ثروت کا نشہ چڑھے گا تو ان میں ایک دوسرے پر مسابقت کرنے کا جذبہ پیدا ہوگا اور اس باہمی آویزش سے سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ اس وقت ان میں سے ایک ایک سلطنت کو ختم کرنا آسان ہوگا اور رفتہ رفتہ عیسائی دنیا خصوصاً یورپ کی سرزمین سے ان کے نام و نشان کو مٹا دینا آسان ہوگا۔

سلاطین یورپ نے اس مجلس مشاورت میں یورپ میں مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے اثر و اقتدار کے متعلق یہ بنیادی فیصلہ کیا اور اسی حکمت عملی کے بموجب ان کی آئندہ کارروائیاں جاری رہیں۔ چنانچہ اس فیصلہ کے بعد پپین آف ہرسٹل نے مسلمانوں پر عیسائی سلطنتوں کے متحدہ جارحانہ حملہ کا ارادہ ترک کر دیا اور صرف اپنی حدود حکومت میں دریائے رون کے کنارے کنارے مستحکم فوجی چوکیاں تعمیر کر لیں یعنی دوسرے لفظوں میں اس نے مسلمانوں کے مفتوحہ علاقہ کو ان کی حکومت کے حدود میں تسلیم کر لیا۔ آگے چل کر ایسے حالات پیش آئے کہ پپین نے سرحد کی تعین کے لیے جو فوجی چوکیاں تعمیر کیں وہی سرزمین فرانس میں مسلمانوں کا آخری مستقر قرار پایا اور مسلمانوں کو اس سے آگے بڑھنے کی ضرورت پیش نہیں آئی کیونکہ دارالخلافت سے موسیٰ کی تجویز کی منظوری حاصل نہیں ہو سکی۔

موسیٰ کی تجویز کے مسترد ہونے کی ایک بڑی وجہ اربونہ میں مسلمانوں کی ناکامی بھی تھی۔ یہاں مسلمانوں کے شہید ہونے اور غیر معمولی مصائب اٹھانے کی تفصیلات

دارالخلافت میں پہنچیں اس لیے خلیفہ ولید نے اُندلس کی سفارت کے لیے مفیث کو منتخب کیا جو فتح قرطبہ کی مہم انجام دے کر اُندلس سے دمشق چلا گیا تھا۔

(نفح الطیب، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 55)

خلیفہ نے ہدایت کی کہ موسیٰ اپنی تجویز پر عمل کرنے سے باز رہے اور نہ صرف یہ کہ وہ اپنی مزید پیش قدمیوں کو روک دے بلکہ اُندلس کی حکومت کا انتظام کر کے وہ بلا تاخیر دمشق چلا آئے۔ خلیفہ کو یہ بھی شبہ ہوا کہ شاید موسیٰ اس فرمان کی تعمیل میں لیت و لعل سے کام لے اس لیے اس نے قاصد کو در پردہ ہدایت کر دی کہ اگر موسیٰ کی طرف سے کوئی تذبذب ظاہر ہو تو وہ عام سپاہیوں کو پیش قدمی کرنے سے روک دے اور اپنی حدود میں واپس چلے آنے کی تلقین کرے۔

چنانچہ مفیث اُندلس واپس آیا لیکن ابھی موسیٰ سے اس کی ملاقات بھی نہ ہو پائی تھی کہ فرانس کے میدان میں مسلمانوں کو عربی زبان میں ایک حیرت میں ڈالنے والا کتبہ نصب کیا ہوا دکھائی دیا جس میں حسب ذیل عبارت کندہ تھی:

''بنو اسماعیل! یہ تمہاری آخری سرحد ہے۔ اس سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرنا۔''

یہ کتبہ ضعیف الاعتقاد بربری قبائل کے ارادوں کو متزلزل کر دینے میں کامیاب ہوا۔ موسیٰ نے حالات کا اندازہ لگا کر اسی مقام کو اپنی پیش قدمی کی آخری سرحد قرار دیا اور اسلامی لشکر کا رخ اُندلس کے غیر مفتوحہ علاقہ صوبہ جلیقیہ کی طرف پھیر دیا۔

اس کتبہ کا تذکرہ مستند عرب مورخین نے کیا ہے جو ہمارے خیال میں دو میں سے کسی ایک کی سازش کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے یا تو شاہ فرانس نے سرحدی قلعوں کی تعمیر کے وقت مسلمانوں کے عزم کو متزلزل کرنے کے لیے کسی پادری سے اس کو تیار کرا کے نصب کرایا ہو یا خلیفہ ولید کے قاصد مفیث نے ولید کے خفیہ اشارہ کی تعمیل کے لئے یہ کارروائی کی ہو کہ قائد اعلیٰ کی مرضی کے خلاف فوج کو واپس لے جانے کے لیے لشکر کی ضعیف الاعتقادی سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔

موسیٰ کی پیش قدمی جلیقیہ کی سمت جاری تھی کہ اثنائے راہ میں خلیفہ ولید کا قاصد مغیث اس سے آ کر ملا۔ موسیٰ نے اس کو نشیب و فراز سمجھا کر آمادہ کر لیا کہ وہ کچھ دنوں کے لیے ٹھہر کر جلیقیہ کی مہم کے خاتمہ کا انتظار کرے۔ اس اثناء میں غرناطہ کے علاقہ میں کسی عیسائی قائد کے سر اٹھانے کی اطلاع ملی۔ موسیٰ نے اپنے لڑکے عبدالاعلیٰ کو اس کے سر کرنے کے لیے بھیجا۔ اس نے اس کو شکست دی اور گرفتار کر کے اپنے ساتھ لایا۔

اب موسیٰ کی یہ مہم شمالی اُندلس کے اس آخری نقطہ پر تھی جہاں خلیج بسکے شرقاً غرباً پھیلی ہوئی ہے۔ موسیٰ فرانس سے بخط مستقیم مغرب میں چلے تھے۔ پہلے انہیں سرزمین بشکنس ملی۔ یہاں سے وہ صوبہ استوراس پہنچے۔ پھر صوبہ جلیقیہ میں داخل ہوئے اور شہر لک میں قیام کر کے مختلف سمتوں میں فوجی دستے بھیجے اور وہ جہاں جہاں پہنچے وہاں انہیں کامیابی حاصل ہوتی گئی۔ چنانچہ مفتوح مقامات میں سے لک کے شمال میں خلیج بسکے کے کنارے صخرہ بلائی اور اس سے جنوبی گوشہ پر پرتگال کے مشہور شہر بیزو یا بازو کو عرب مورخین نے مفتوح مقامات میں دکھایا ہے۔ ان کے علاوہ اور بہت سے شہروں پر حملے کیے گئے لیکن ان کے ناموں کی تصریح نہیں کی گئی ہے۔ صرف اجمالاً یہ کہا گیا ہے کہ موسیٰ کا یہ لشکر جہاں جہاں پہنچا عیسائیوں نے اطاعت قبول کی۔ جن شہروں کو عیسائیوں نے خالی کر دیا وہاں عرب و بربر آباد کیے گئے اور بے شمار مال غنیمت حاصل ہوا۔ شہروں کے باشندوں نے جزیہ کی ادائیگی پر صلح کر لی اور اس طرح اُندلس کے شمال مغربی علاقہ کا ایک بڑا حصہ زیر نگیں ہوا اور وہاں مسلمانوں کے اثرات قائم ہو گئے۔

لیکن ابھی اس علاقہ میں اسلامی فتوحات کی تکمیل نہ ہونے پائی تھی کہ دربار خلافت سے ایک دوسرا قاصد ابونصر اُندلس آیا اور موسیٰ سے ملنے کے لیے لک پہنچا۔ اتفاق سے اس وقت موسیٰ ایک خچر پر سوار تھے۔ ابونصر نے آ کر خچر کی لگام پکڑ لی اور فوری واپسی کا فرمان پیش کیا۔ اب تاخیر کا کوئی موقع باقی نہیں رہا تھا۔ موسیٰ نے لشکر کو واپسی کا حکم دیا اور شمال مغربی اُندلس کی مہم کو ناتمام چھوڑ کر دمشق جانے کے لیے جنوب کی سمت روانہ ہو گئے۔

ادھر طارق شمال مشرقی علاقہ کی مہم پر بھیجا گیا تھا وہ اس علاقہ کو فتح کر کے واپس آ رہا تھا کہ ادھر موسیٰ پہاڑی سلسلہ کے ایک درے سے گزرا اور یہیں طارق کا لشکر اس سے آ ملا اور اس درہ کا نام فج موسیٰ قرار پایا جس کے متعلق گمان ہے کہ وہ کوہ وادی رملہ میں واقع ہے۔ پھر موسیٰ اور طارق دونوں مل کر جنوبی اُندلس کی سمت روانہ ہو گئے۔

موسیٰ اُندلس کی فتح کو مکمل کر لینے کی بڑی تمنا رکھتے تھے۔ اس لیے انہیں اس کے ناتمام چھوڑنے پر سخت قلق ہوا۔ خلیفہ ولید کو موسیٰ کی اس تجویز سے گر اتفاق نہ تھا تو کم از کم اس کو اتنا موقع تو دینا تھا کہ اُندلس کے چپہ چپہ پر وہ اسلامی پرچم لہرا دے کہ اس زمانہ میں پورے ملک کو زیر نگیں کر لینے کے جیسے مواقع حاصل تھے وہ بعد میں موجود نہ رہے۔ چنانچہ آگے چل کر اُندلس کے عیسائیوں نے اپنی قوت فراہم کر لی، متحدہ اور اجتماعی طاقت بنا کر اسلامی حکومت کے مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے اور اُندلس میں عیسائیوں اور مسلمانوں کی متوازی حکومتیں قائم رہیں۔ ان دونوں حکومتوں کی قوتیں گھٹتی بڑھتی رہیں بالآخر چند صدیوں کے بعد عیسائی حکومت اسلامی حکومت کے ختم کرنے میں کامیاب ہو گئی۔

اگر اس زمانہ میں جب کہ اُندلس کے عیسائیوں کی اجتماعی طاقت کا شیرازہ بکھر چکا تھا اُندلس کے گوشہ گوشہ پر قبضہ کر لیا جاتا تو شاید اُندلس کی آئندہ تاریخ کسی دوسرے طور پر لکھی جاتی لیکن اندلس دمشق سے اس قدر بے تعلق اور دور دراز تھا کہ خلیفہ ولید کو یہاں کے حالات کا صحیح اندازہ نہ ہو سکا۔ نیز قائدین لشکر کی باہمی مسابقت اور ایک دوسرے کے خلاف ریشہ دوانیوں سے بھی اُندلس کی فتح کی تکمیل نہ ہو سکی لیکن اس ناکامی کی ساری ذمہ داری یہاں کے جنرلوں طارق و موسیٰ کے بجائے مرکزی حکومت دمشق پر عائد ہوتی ہے۔ اگر طارق موسیٰ کی غیر دانشمندانہ مداخلت سے آزاد رہتا اور موسیٰ کو ولید کے احکام کی پابندی نہ ہوتی تو نہ صرف اُندلس کی تاریخ کچھ اور ہوتی بلکہ یورپ کی سلطنتوں کا نقشہ کچھ اور ہی دکھائی دیتا۔ بہرحال موسیٰ طلیطلہ واپس آئے۔ یہاں مال غنیمت کا انبار یک جا کیا پھر یہاں سے سب لوگ اشبیلیہ روانہ ہوئے اور واپسی کے انتظام میں مصروف ہو گئے۔

موسیٰ کا بڑا لڑکا عبدالعزیز صوبہ اشبیلیہ کا حکمران تھا۔ اشبیلیہ سمندر کے قریب کے شہروں میں زیادہ قلعہ بند تھا۔ یہاں سے افریقہ سے رسل ورسائل کی آسانیاں بھی حاصل تھیں۔ اس لیے اس کو اُندلس کا دارالسلطنت قرار دیا گیا۔ موسیٰ کی معیت میں طارق بھی دمشق واپس جانے کا قصد کر چکا تھا۔ اس لیے موسیٰ نے اُندلس کی ولایت پر اپنے بڑے لڑکے عبدالعزیز کو مامور کیا اور اب وہی اُندلس میں سیاہ وسپید کا مالک تھا۔

موسیٰ اور طارق ماہ ذی الحجہ 95ہجری میں اندلس سے روانہ ہوئے۔ اندلس میں طارق کا قیام تین سال چار مہینے اور موسیٰ کا دو سال چار مہینے رہا۔ اس تھوڑی مدت میں یہاں ایک وسیع رقبہ میں اسلامی حکومت قائم ہوگئی جس کے لئے امراء وقتاً فوقتاً کبھی افریقہ اور کبھی دارالخلافت دمشق سے نامزد ہو کر آتے اور کبھی ضرورت کے لحاظ سے یہیں منتخب کر لیے جاتے اور ان کی امارت کی تصدیق افریقہ یا دمشق سے آجاتی۔ چالیس، بیالیس برس تک یہاں یہی سلسلہ جاری رہا۔ یہاں کے امراء حکومت افریقہ وخلافت دمشق کی نگرانی میں یہاں کی حکومت کا نظم ونسق سنبھالتے رہے، ملک کی فلاح وترقی میں مصروف رہے اور فتوحات کا دائرہ وسیع کرتے رہے۔

موسیٰ نے اپنی روانگی سے پہلے کاؤنٹ جولین کی خدمات کے صلہ میں اس کو صوبہ سبتہ اور اس کے آس پاس کے علاقہ کا حکمران بنا دیا۔ وہ عیسائی مذہب پر قائم رہا اور اسلامی حکومت کی نگرانی میں حکمرانی کرتا رہا۔ بعض عیسائی مورخین نے کاؤنٹ جولین پر عیسائیت سے غداری کرنے اور اس کے صلہ میں اس حکومت کے حاصل کرنے کا الزام لگایا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی خدمات نے مسلمانوں کو جو کچھ فائدہ پہنچایا اس نے اندلس پر حملہ آور ہونے کی جو ترغیب دی وہ نہ تو مسلمانوں کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے تھی اور نہ اس میں اس کی طمع یا ذاتی نفع اندوزی کا جذبہ شامل تھا بلکہ اس نے تو اپنی اس آتش انتقام کو ٹھنڈا کیا تھا جو راڈرک کی انسانیت سوز حرکت سے اس کے دل میں بھڑک اٹھی تھی۔ ورنہ جہاں تک عیسائیت کی فلاح اور اُندلس کی عیسائی سلطنت کی خیر خواہی کا تعلق تھا وہ اس کا بہتر ثبوت اس

وقت دے چکا تھا جب اس نے پچھلے موقعوں پر اسلامی حملوں کی مدافعت کی تھی۔ جس وقت عقبہ نے اندلس پر حملہ کا قصد کیا تھا اس وقت اس کو اس سے باز رکھ کر بربر قبائل کی طرف پیش قدمی کا مشورہ دے دیا تھا لیکن راڈرک کے برسر حکومت آجانے اور شاہی محل میں مذکورہ بالا واقعہ کے پیش آجانے سے وہ ایسے سخت مقام پر اتر آیا اور مسلمانوں کی شجاعت وبسالت سے اس میں اس کو پوری کامیابی حاصل ہوئی۔ بایں ہمہ اس کے توسط سے مسلمانوں کو جو فائدہ پہنچا انہوں نے اس کی اولاد نسلاً بَعْدَ نَسْلٍ اس صوبہ کی حکمران رہی اور وہ لوگ بھی اپنے آبائی دین مسیحیت پر قائم رہے۔ یہاں تک کہ کاؤنٹ جولین کے پوتوں یا پڑپوتوں نے خود سے اسلام قبول کیا۔ چنانچہ ابوسلیمان ایوب چوتھی صدی ہجری میں اس خاندان کے ذی علم فقیہ گزرے ہیں۔ اصول فقہ میں ان کا پایہ بلند تھا۔

دربار خلافت سے موسیٰ کی طلبی کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ یہاں کے مال غنیمت کو دمشق منگایا جائے کیونکہ یہاں کے مال غنیمت کے متعلق دمشق میں مختلف افواہیں پہنچی تھیں جن کی وجہ سے خلیفہ ولید نے موسیٰ کو اصرار سے دمشق طلب کیا۔

یہاں دولت وثروت کا جو انبار مسلمانوں کے ہاتھ آیا تھا اس کی مثال اس سے پہلے کہیں اور دکھائی نہیں دی تھی۔ مال غنیمت شرعی حکم کے بموجب لڑنے والے مسلمان سپاہیوں اور حکومت وقت میں بحصہ رسدی تقسیم ہوتا تھا۔ اس اصول کے مطابق عام ناخواندہ سپاہیوں کو جو دولت وثروت ہاتھ لگی تھی اس سے اندلس کے عام شہر ودیہی مسلمان باشندے معاشی حیثیت سے نہایت فارغ البال ہوگئے۔ بلکہ انہوں نے اپنی اسی دولت کے حصہ سے اندلس کے یہودیوں کو بھی مالا مال کر دیا۔ انہوں نے کلیسا کے قیمتی ظروف وزیورات یہودیوں کے ہاتھ فروخت کئے۔ جس سے یہود ایسے مرفہ الحال ہوئے کہ وہ بقول بعض عیسائی مورخین اپنی اسی دولت وثروت کے اثر سے یورپ کے سیاسی ومالی معاملات پر اپنا اقتدار قائم رکھنے میں کامیاب ہوگئے جن کے مٹانے کی کوششیں آج تک جاری ہیں۔

دوسری طرف مال غنیمت کا وہ حصہ جو حکومت کے حصہ میں آیا موسیٰ کے ساتھ دمشق

لے جایا گیا۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ اس کی قیمت کا اندازہ لگانا اور اس کی نوعیت کی تفصیل بتانا دشوار ہے۔ بایں ہمہ یہ معلوم ہو سکا ہے کہ جنگی قیدی جو غلام اور باندیاں بنا کر لے جائے گئے بیس ہزار تھے' جن میں ہزاروں بے ماں باپ کی کنواری لڑکیاں بھی تھیں، زر و جواہرات وسامان تعیش کی کثرت اتنی تھی کہ عرب مورخین نے ان کی قیمت کا اندازہ لگانے سے انکار کر دیا۔ صرف طلیطلہ اور اس کے گردونواح سے ستر طلائی مرصع بجواہر تاج اور زر و جواہر سے مرصع ایک ہزار شمشیریں ملی تھیں۔ اسی طرح یاقوت، موتی، سونے کے ڈلے اور چاندی کی اینٹوں کا تو کوئی شمار ہی نہ تھا۔ ظروف و سامان تعیش میں ایسے بے شمار نوادر تھے جو اپنی صنعت کے لحاظ سے اس زمانے کے تمدن کا اعلیٰ نمونہ تھے۔

ایک وسیع مرصع فرش اپنی مندرت میں اپنی آپ مثال تھا۔ اس کا تانا بانا چاندی اور سونے کے تاروں کا تھا اور زبرجد، یاقوت اور دوسرے قیمتی جواہرات سے اس پر گلکاریاں کی گئی تھیں۔ اسی طرح اس زمرمیں مائدہ سلیمانی کی قیمت کا اندازہ بھی نہیں لگایا جا سکتا ۔اندلس کے سلاطین بڑے مذہبی عیسائی تھے۔ وہ مرنے کے وقت اپنے زر و جواہر کلیسا پر وقف کر جاتے تھے اور ان جواہرات سے کوئی نہ کوئی استعمال کی چیز تیار کی جاتی تھی۔ یہ میز ابتداء کسی فرماں روا کی طرف سے بنائی گئی۔ پھر ہر نیا آنے والا نیا فرماں روا اس میں اپنے عہد حکومت میں کوئی نہ کوئی اضافہ کرتا گیا اور قیمتی جواہرات اس میں بڑھتے گئے۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ یہ اتنی قیمتی ہو گئی کہ اس کی قیمت کا اندازہ لگانا بھی امکان میں نہیں رہا۔

اس میں خاص سونے کے تین سو پینسٹھ ٹھوس پائے تھے۔ میز کی پٹیاں اور اوپر کا تختہ خالص زبرجد کا تھا اور اس میں موتی، یاقوت اور زمرد کے الگ الگ تین حلقے بنائے گئے تھے۔ یہ میز طلیطلہ کے کلیسا کی قربان گاہ پر رکھی ہوئی تھی۔ بڑی تقریبوں اور تہواروں کے موقعوں پر اس پر انجیل کو رکھ کر تلاوت کرتے تھے۔ مسلمانوں کے قبضہ میں آنے کے بعد ایک زمانہ دراز تک اس میز کا چرچا لوگوں کی زبانوں پر باقی رہا۔ اسی طرح طلیطلہ کے غنائم میں زبور کا ایک نادر الوجود نسخہ ذکر کے قابل ہے۔ یہ سونے کے ورقوں پر یاقوت کے پانی

سے لکھا گیا تھا۔ ابن عذاری کا بیان ہے کہ یہ روشنائی ایسے طریقہ سے بنائی گئی تھی کہ اب اس کا تیار کرنا ممکن نہیں ہے۔ نیز اکسیر کیمیا سے بھری ہوئی ایک بڑی دیگ بھی ملی تھی۔

یہ مال غنیمت اندلس سے جہازوں پر لاد کر طنجہ لایا گیا۔ پھر ذی الحجہ کی آخری تاریخوں میں قیروان پہنچا۔ موسیٰ اپنی جمعیت کے ساتھ شہر سے باہر قصر الماس میں فروکش ہوئے اور اسی قصر میں جشن مسرت منایا۔ افریقہ کے اعیان و امراء اور ممتاز عہدہ دار اس میں شرکت کے لیے بلائے گئے۔ موسیٰ کا لڑکا مروان مغرب اقصیٰ کا والی تھا۔ وہ بھی آ کر شریک ہوا۔

موسیٰ نے اس مجلس میں تحدیث نعمت کے طور پر ایک تقریر کی، جس میں انہوں نے کہا:

"آج اللہ تعالیٰ کی تین بڑی نعمتیں حاصل ہیں۔ ایک امیر المومنین کا مکتوب گرامی ہے جس میں میری خدمات کی تحسین کر کے میرا شکریہ ادا کیا گیا ہے۔ دوسرے میرے بیٹے عبدالعزیز کا تازہ خط ہے جس میں ان مزید فتوحات کا ذکر ہے جو اندلس میں اس نے حاصل کیں۔ ان دونوں نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں۔"

یہ سن کر حاضرین مجلس نے کھڑے ہو کر موسیٰ کی خدمت میں مبارک باد پیش کی۔ موسیٰ نے سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا:

"اور تیسری نعمت کو میں تمہیں ابھی دکھاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر کھڑے ہوئے اور پردہ اٹھانے کا حکم دیا۔ پردہ کا اٹھنا تھا کہ پیکران حسن و جمال کا ایک جھرمٹ دکھائی دیا۔ جو بیش قیمت لباسوں میں ملبوس اور زیورات و جواہرات سے آراستہ و پیراستہ پرا جمائے سامنے کھڑا تھا۔ اس نظارے سے لوگوں کی نگاہیں خیرہ ہو گئیں۔ لیث بن سعد کا قول ہے:

"موسیٰ بن نصیر کو قیدیوں کی جتنی تعداد حاصل ہوئی اس کی نظیر اسلام میں کہیں نہیں ملتی۔"

پھر موسیٰ نے افریقہ سے روانہ ہونے سے پہلے یہاں کے امراء و شرفاء کے درمیان یہ تحائف تقسیم کیے۔

اس کے بعد یہ قافلہ خشکی کی راہ سے مصر ہو کر دمشق کے لیے روانہ ہوا۔ مال غنیمت ایک سو چودہ بیلوں اور ایک سو تیس عجلہ پر لادا گیا۔ موسیٰ کا گزر جس راہ سے ہوتا لوگ عقیدت و تعظیم کے لیے اپنی آنکھیں بچھاتے اور موسیٰ بھی جابجا اپنی فیاضی سے لوگوں کو انعام واکرام وعطایا سے سرفراز کرتے جاتے۔ موسیٰ کی معیت میں عرب و بربر کے ممتاز شرفاء وعمائد، عیاض ابن عقبہ، عبدالجبار بن ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوث، مغیرہ بن ابی بروہ، زرعہ بن ابی مدرک، سلیمان بن نجد اور بربر قبائل بنو کیسلہ و بنو قصدر کے ممتاز قائدین اور جزائر بحر روم، مغرب اقصیٰ اور اُندلس کے مختلف خود مختار حکمران شریک سفر تھے۔

موسیٰ مصر میں پہنچ کر سب سے پہلے مسجد میں داخل ہوئے اور دوگانہ شکر ادا کیا۔ پھر منیۃ عمرو بن مردان میں فروکش ہوئے اور اشراف مصر کے درمیان بخشش اور عطایا تقسیم کیے۔ مصر سے روانہ ہو کر فلسطین پہنچے، یہاں آل روح بن زنباع کے مہمان ہوئے اور پھر یہاں سے دمشق روانہ ہو گئے۔

(نفح الطیب، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 130 تا 145)(ابن عذاری، صفحہ نمبر 51، 48، 49)
(کتاب الامام والسیاسہ، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 66)

ادھر دار الخلافت دمشق میں ایک نئی صورت حال پیدا ہو گئی تھی۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک بستر مرگ پر لیٹا تھا اور سلیمان بن عبدالملک سریر آرائے سلطنت ہونے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ سلیمان نے ایک تیز رو قاصد موسیٰ کے پاس بھیجا کہ وہ اپنے سفر کی رفتار کو سست کر دے۔ خلیفہ ولید ایسے مرض میں مبتلا ہے جس سے جانبر نہ ہو سکے گا۔ اس لیے وہ سلیمان کی تخت نشینی کے بعد دمشق میں داخل ہو۔ دوسری طرف خلیفہ ولید کا پیغام موسیٰ کو ملا کہ وہ سفر کی منزلیں عجلت سے طے کرے کہ امیر المومنین کی زیارت سے محروم نہ رہ جائے۔

موسیٰ کو ان دونوں پیاموں میں سے کسی ایک پر بالقصد عمل کرنا بڑا دشوار تھا۔ انہوں نے نہ بالقصد عجلت کرنے اور نہ عمداً تاخیر کرنے کا فیصلہ کیا بلکہ اپنے سفر کی وہی رفتار قائم رکھی جس سے وہ آرہے تھے۔ تاہم ان کی دلی تمنا تھی کہ وہ اپنے آقائے ولی نعمت کی زیارت سے محروم نہ رہ جائیں اور ان کی دلی خدمات کے ثمرات اس کی نگاہوں سے گزر سکیں۔ چنانچہ وہ

ولید کی زندگی ہی میں دمشق میں داخل ہو گئے اور ولید نے بڑے تزک واحتشام سے ان کا خیر مقدم کیا۔ اُندلس کے وہ غنائم جن کے خیرہ کن نظارے سے سلیمان اپنے دربار کی رونق بڑھانا چاہتا تھا، ولید ہی کے سامنے پیش کیے گئے۔ اس نے ان غنائم کے متعلق اپنی منشاء کے مطابق احکام صادر کیے اور جس طور پر تقسیم کرنا چاہا تقسیم کر دیا۔

چنانچہ اُندلس کی اس بے کراں دولت کی نمائش دمشق کی جامع مسجد میں کی گئی۔ موسیٰ نے اس کی نمائش کا خاص اہتمام کیا تھا۔ انہوں نے قیدیوں میں سے تیس نوجوانوں کو شاہی حلوں سے آراستہ کر کے ان کے سروں پر شاہی تاج رکھے۔ اس طرح بربری قبائل کے امراء جزائر بحر روم کے حکمرانوں کے لڑکوں اور دوسرے ممتاز مغربیوں کو مرصع لباس پہنائے اور ان لوگوں کو جواہرات، یاقوت، موتی، زردوزی کے ملبوسات، مرصع زیورات، زرنگار فرش اور تاریخی مائدہ سلیمانی کو لے کر جلوس کی شکل میں ولید کے محل کے سامنے کھڑا کر دیا۔ پھر خود موسیٰ زرق برق لباسوں میں ملبوس تاج پوش نوجوانوں کے جلو میں مسجد میں داخل ہوئے۔ خلیفہ ولید فطرت مسرت سے اپنی شدید علالت کے باوجود موسیٰ کے استقبال کے لیے جامع مسجد میں چلا آیا تھا۔ ولید خطبہ کے لیے منبر پر بیٹھ چکا تھا کہ موسیٰ اپنی جماعت کے ساتھ داخل ہوئے۔ حاضرین مسجد اس نظارہ کو دیکھ کر حیرت میں ڈوب گئے۔ موسیٰ کی تحسین وآفرین سے مسجد کی فضا گونج اُٹھی۔ موسیٰ خلیفہ کے سامنے آئے اور سلام کیا اور وہ تیس نوجوان جو سلاطین وقت کی ہیئت کذائی میں تھے ولید کے منبر کے دائیں بائیں ادب سے سر جھکائے کھڑے ہو گئے۔ یہ منظر ایسا دلکش تھا کہ مسلمانوں کی عظمت وشان کی ایک یادگار بن گیا۔ ولید حمد وثنا کے بعد فتح و کامرانی پر اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت کے حاصل ہونے پر شکر بجا لایا۔ پھر اس نے وفور جوش و مسرت میں ایسی تقریر کی جو اس سے پہلے کبھی اس کی زبان سے نہیں سنی گئی تھی۔ جمعہ کا یہ خطبہ اتنا طویل ہو گیا کہ ڈر پیدا ہو گیا کہ کہیں نماز کا وقت نہ فوت ہو جائے۔ جمعہ کی نماز کے بعد موسیٰ کو اپنے سامنے بلا کر بٹھایا اور تین تین مرتبہ شاہانہ خلعت سے سرفراز کیا۔

اس کے بعد غنائم کا انبار ولید کے قدموں پر رکھا گیا۔ اہل دمشق اس نظارہ سے حیرت تھے۔ زرنگار فرش اور مائدہ سلیمانی کو ادھیڑ کر لعل و جواہر اکٹھے کیے گئے۔ مختلف نوعیہ کا سامان جب علیحدہ علیحدہ ہوگیا تو اس کی تقسیم کی باری آئی۔ ولید نے اس کا بڑا حصہ بیہ اللہ پر وقف کیا۔ پھر اپنی مرضی سے جیسے جیسے جس کو دینا چاہا دے دیا۔ اس موقع پر بھی ولہ نے موسیٰ کی غیر معمولی قدر افزائی کی۔ ان کو پچاس ہزار اشرفیاں انعام میں دیں اور خلعت سے دوبارہ سرفراز کیا۔ ان کے لڑکوں کے وظیفے مقرر کیے۔ اسی طرح ان کے پانچ سو موا کے وظائف علیحدہ مقرر کیے۔ اس کے بعد موسیٰ نے ان بربر، رومی، اسپینی قائدین او حکمران خاندان کے افراد کو ولید کی خدمت میں پیش کیا۔ ولید نے ان کے مراتب کے لحا سے ان کی قدر و منزلت کی خلعتوں سے نوازا، انعامات دیئے اور مستقل وظائف جار کر دیئے۔ ان مراسم کے بعد یہ مجلس برخاست ہوگئی۔

یہ مجلس گویا موسیٰ ہی کی قدر افزائی کے لیے منعقد ہوئی تھی۔ کسی سلطنت وقت کے دربار میں کسی ممتاز سے ممتاز رکن حکومت کی بڑی سے بڑی جو قدر افزائی ہوسکتی تھی وہ اس مجلس میں موسیٰ کی کی گئی لیکن اس پر موسیٰ کے عروج و ترقی کا خاتمہ بھی ہوگیا۔ موسیٰ کو دمشق آئے ہوئے چالیس دن گزرے تھے کہ اس کی ولی نعمت خلیفہ ولید کا سانحہ ارتحال پیش آیا۔ موسیٰ کے سر سے ولید کی سرپرستی کا سایہ اٹھنا تھا کہ اس کی تباہی و بربادی اور ادبار و تنزل کے دن شروع ہوگئے۔ ولید کا جانشین اس کا بھائی سلیمان بن عبدالملک ہوا۔ وہ موسیٰ سے کھا کھائے بیٹھا تھا۔ جس وقت سلیمان کا قاصد موسیٰ کے پاس سے مایوس کن جواب لے کر لو تھا سلیمان نے اسی وقت موسیٰ کو سنگین سے سنگین سزا دینے کی قسم کھالی تھی۔ پھر ولید نے مسجد دمشق میں موسیٰ کی جس قدر افزائی کی اور جس طور پر مال غنیمت تقسیم کیا سلیمان کی برہمی کے لیے یہ بھی کچھ کم نہ تھا۔ چنانچہ اس نے تخت خلافت پر بیٹھنے کے بعد موسیٰ کو دربار میں طلب کیا اور سر درباران دونوں میں بڑی تلخ گفتگو ہوئی۔ سلیمان نے برہمی سے خطاب کیا:

"تمہیں مجھ پر جرأت ہوگئی۔؟ تم میرے حکم کی خلاف ورزی سے باز نہ

آئے۔؟ اللہ کی قسم! تمہاری تعداد کم کردوں گا۔ جمعیت بکھیر دوں گا اور تمہاری ساری دولت واملاک کو برباد کردوں گا۔"

موسیٰ اپنے عہد کے محترم شیوخ میں سے تھے۔ وہ دلائل کے ساتھ عذر خواہ ہوئے:

"امیر المومنین! میری خطا سوا اس کے کوئی اور نہیں کہ آپ کے پیشرو خلیفہ کے حکم کی تعمیل کی۔ باقی رہا مجھے ذلیل و رسوا کرنا، جمعیت کو تباہ و برباد کرنا، دولت کا چھین لیا جانا تو یہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور اسی کی طرف لوٹتا ہے۔ وہی ہے جس نے مجھ پر اپنی نعمتوں کا احسان فرمایا۔ میں اسی سے استعانت کرتا ہوں اور امیر المومنین کے عتاب سے بچنے کے لیے اس کی پناہ ڈھونڈتا ہوں۔"

ظاہر ہے کہ موسیٰ کا یہ جواب سلیمان کے غصہ کو فرد کرنے کے بجائے بڑھانے والا تھا۔ اس کے بعد ایک دوسری تیز و تند گفتگو ان دونوں میں ہوئی۔ سلیمان نے افریقہ، مغرب و اندلس کے نظم و نسق کے متعلق موسیٰ سے دریافت کیا تو انہوں نے جواب میں کہا کہ ان کا ایک لڑکا عبداللہ شمالی افریقہ کا والی ہے۔ دوسرا مروان طنجہ و مغرب اقصیٰ کا اور تیسرا عبدالعزیز اندلس کی ولایت پر مامور ہے۔ اس پر سلیمان نے طنز سے کہا:

"اب تو تم بہت معزز ہوگئے۔؟"

موسیٰ کو یہ طنز بھی ناگوار گزری۔ اسی انداز میں انہوں نے جواب دیا:

"ان ہی لڑکوں نے ان مقامات کو اپنی قوت وبازو سے زیر نگیں کیا ہے یہ کچھ کم باعث اعزاز نہیں۔ پھر امیر المومنین! مجھ سے زیادہ کون معزز ہے۔؟"

سلیمان اس جواب سے برافروختہ ہوا اور غضب آلود لہجہ میں پوچھا:

"اور نہ امیر المومنین تم سے زیادہ معزز ہیں۔؟"

اب موسیٰ کو ہوش آیا۔ انہوں نے عاجزی سے کہا:

"امیر المومنین کی وہ شان ہے جس سے بلند کوئی دوسری شان نہیں۔ ارکان حکومت کی سب شاخیں خواہ کتنی بھی بلند ہوجائیں امیر المومنین ہی کے توسط اور فرمان خلافت سے حاصل ہوسکتی ہے۔"

لیکن اس عاجزانہ جواب سے سلیمان کا دل نرم نہیں ہوا۔ اس نے فرط غضب میں موسیٰ کو چلچلاتی دھوپ میں کھڑا کر دیا۔ ان کے جسم کا بال بال عرق آلود ہو گیا۔ جب تپش برداشت نہ کر سکے تو بیہوش ہو کر گر پڑے۔ یہ تھا اس جلیل القدر قائد اسلام کا حشر جس نے افریقہ سے فرانس کی سرحد تک کے علاقہ کو اسلام کے زیر نگیں کر دیا تھا اور ایسے کارنامے انجام دیئے تھے جو اسلام کی تاریخ میں کبھی فراموش نہ ہوں گے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اس مجلس میں تشریف فرما تھے۔ وہ موسیٰ کی جلالت قدر سے آگاہ تھے۔ سلیمان کی غضب آلود نگاہیں اب تک ان سے چار نہیں ہوئی تھیں۔ وہ کرب اور بے چینی میں مبتلا رہے۔ فرماتے ہیں:

"مجھ پر اس سے زیادہ سخت دن کوئی نہیں گزرا اور نہ اس سے زیادہ کرب میں نے کسی دن اٹھایا۔"

جب سلیمان ان کی طرف متوجہ ہوا تو انہیں لب کشائی کی جرأت ہوئی۔ سلیمان کا غصہ کچھ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ ضمانت پر رہا کرنا چاہا۔ یزید بن مہلب نے ان کی ضمانت قبول کر لی اور اسی وقت تمام ولایتوں سے معزولی کا فرمان سنا دیا گیا۔

موسیٰ کی قسمت انہیں تنزل کی طرف تیزی سے لیے جا رہی تھی۔ اس غریب آفت زدہ کو اب کوئی نہیں بچا سکتا تھا۔ وہ جاہ وحشم میں ممتاز ترین امرائے دولت میں رہے تھے۔ سلیمان کے دور خلافت میں ان کی دولت وحشمت کا باقی رہنا اب ناممکنات میں سے تھا اور نہ اب افریقہ سے اسپین تک کا علاقہ ان کے خاندان کے زیر حکومت رہ سکتا تھا۔ چنانچہ موسیٰ پر خیانت کا فرضی الزام لگا کر مقدمہ چلایا گیا۔ موسیٰ مجرم قرار پائے اور تین لاکھ دینار ان پر جرمانہ کیا گیا۔ موسیٰ نے اپنی ساری املاک کو جدا کر کے ایک لاکھ دینار ادا کئے اور نوبت یہاں تک آئی کہ بقیہ رقم کے لیے بنو لخم اور دمشق کے دوسرے معززین کے سامنے دست سوال پھیلا دیا لیکن پھر سلیمان نے یزید بن مہلب کی سفارش سے باقی ماندہ جرمانہ معاف کر دیا۔

اب وہ ایک ستم زدہ مفلس شہری تھے۔ خدم وحشم اور موالی سب رخصت ہو چکے تھے۔ صرف ایک غلام نے اپنے آقا کا ساتھ نہ چھوڑا۔ موسیٰ کی زندگی کے جو چند دن باقی رہ گئے تھے ان میں وہ ان کے ساتھ رہا۔ سلیمان نے موسیٰ سے انتقام لینے کے بعد ان کے صاحبزادوں کو بھی تمام ولایتوں سے معزول کر دیا۔ اُندلس کے والی عبدالعزیز بن موسیٰ کا حادثۂ قتل پیش آیا۔

موسیٰ 97ہجری میں حج کا فریضہ ادا کرنے جا رہے تھے کہ اثنائے راہ میں وادی القریٰ میں بیمار پڑے۔ سلیمان بھی اپنے خدم وحشم کے ساتھ حج کے لیے دمشق سے نکلا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ موسیٰ بھی اسی قافلہ کے ساتھ تھے۔ انہوں نے قافلہ والوں کو سنا کر اپنی وفات سے ایک دن پہلے کہا:

"کل ایک ایسا شخص اس دنیا سے کوچ کرے گا جس کا نام اور کارنامہ مشرق و مغرب میں گونج رہا ہے۔"

یہ سلیمان کی عقل کے لیے موسیٰ کا آخری معنی خیز جواب تھا۔ چنانچہ یہ بیماری مرض الموت ثابت ہوئی۔ دوسرے دن اٹھہتر (78) برس کی عمر میں ماہ ذی الحجہ 97ہجری میں انہوں نے اس دنیا کو الوداع کہا۔

موسیٰ اکابر صحابہ کی صحبت کا فیض اٹھائے ہوئے تھے۔ زہد وورع اور فضل وکمال سے متصف تھے۔ حدیث کی روایت کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ بلاشبہ آج بھی ان کے کارناموں کو مشرق ومغرب کی تاریخ کے صفحات میں نمایاں امتیاز حاصل ہے۔

موسیٰ کے عتاب میں آ جانے کے بعد اُندلس کی ولایت کے لیے سلیمان کی توجہ طارق کی طرف مبذول ہوئی۔ سلیمان نے مغیث سے رائے لی۔ مغیث کو طارق سے جداگانہ شکر رنجی تھی۔ اس نے ذو معنی جملہ میں کہا:

"طارق کو اُندلس میں ایسی مقبولیت حاصل ہے کہ اگر وہ قبلہ رخ کر چھوڑ کر کسی اور سمت کی طرف نماز پڑھنے کا حکم دے تو لوگ امتثال امر کے لیے تیار ہو جائیں گے۔"

سلیمان نے طارق کی محبوبیت کا حال سن کر اپنا خیال بدل دیا۔ پھر طارق کی پوری زندگی گمنامی میں گزرگئی۔ یہاں تک کہ اس کی وفات کا سال بھی مؤرخین کو معلوم نہ ہوسکا۔ طارق اگرچہ اُندلس میں دوبارہ نہیں آیا لیکن طارق اور مغیث دونوں کی اولادیں اندلس میں پھلی پھولیں اور یہاں کے ذی حیثیت معززین میں شمار کی گئیں۔

(نفح الطیب، جلد نمبر 1 'صفحہ نمبر 8 '10' 128' 129' 130 تا 135۔ جلد نمبر 2 'صفحہ نمبر 55 تا 56) (تاریخ ابن اثیر، جلد نمبر 4 'صفحہ نمبر 223' 239 تا 449) (ابن خلکان، جلد نمبر 3 'صفحہ نمبر 10) (ترجمہ موسیٰ شذرات الذھب، جلد نمبر 1 'صفحہ نمبر 112) (حوادث 97ہجری کتاب الامامۃ و السیاسہ، جلد نمبر 2 'صفحہ نمبر 64 تا 74) (فتوح البلدان، از بلاذری، صفحہ نمبر 231' 74) (اخبار مجموعہ فی فتح الاندلس، صفحہ نمبر 15 تا 19) (تاریخ ابن خلدون، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 118) (ذہبی، جلد نمبر 1 'صفحہ نمبر 49) (البیان المغرب، صفحہ نمبر 53) (اخبار الاندلس، جلد نمبر 1 'صفحہ نمبر 241)

☆☆☆

فضائلِ مجاہد

موضوع کی مناسبت سے:

حضرت طارق بن زیاد رحمہ اللہ تعالیٰ کی بھی پوری زندگی جہاد فی سبیل اللہ میں گزری۔ اسی مناسبت سے کچھ آیاتِ کریمہ اور احادیثِ شریفہ بیان کی جاتی ہیں۔

قرآن مجید کی روشنی میں:

1: اللہ تبارک وتعالیٰ قرآنِ مجید فرقانِ حمید میں ارشاد فرماتا ہے:

"اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ○"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 26، سورۃ الحجرات، آیت نمبر 15)

"ایمان والے تو وہی ہیں جو اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لائے، پھر شک نہ کیا اور اپنی جان اور مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ وہی (لوگ) سچے ہیں۔"

(کنز الایمان از اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ)

2: اللہ تبارک وتعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کو جنت کی خوش خبری سناتے ہوئے قرآن مجید فرقانِ حمید میں ارشاد فرمایا:

"اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ

"الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ"

(القرآن المجید، پارہ 10 سورۃ توبہ، آیت نمبر 111)

"بیشک اللہ نے مسلمانوں سے ان کے مال اور جان خرید لیے ہیں اس بدلے پر کہ ان کے لیے جنت ہے۔ اللہ کی راہ میں لڑیں تو ماریں اور مریں۔ اس کے ذمۂ کرم پر سچا وعدہ توریت اور انجیل اور قرآن میں۔"

(کنز الایمان از اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ)

3: ایک اور مقام پر جہاد کے معاملے میں ابھارتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ نے ارشاد فرمایا:

"یاایھاالذین اٰمنوا ھل ادلکم علیٰ تجارۃ تنجیکم من عذاب الیم o تومنون باللہ و رسولہ وتجاھدون فی سبیل اللہ باموالکم و انفسکم ذالکم خیرلکم ان کنتم تعلمون o غفر اللہ لکم ذبوبکم ویدخلکم جنت تجری من تحتھا الانھر ومسکن طیبۃ فی جنت عدن ذٰلک الفوز العظیم o"

"اے ایمان والو! کیا میں بتادوں وہ تجارت جو تمہیں دردناک عذاب سے بچا لے؟ o ایمان رکھو اللہ اور اس کے رسول پر اور اللہ کی راہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کرو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو o وہ (اللہ) تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں رواں اور پاکیزہ محلوں میں جو بسنے کے باغوں میں ہیں یہی بڑی کامیابی ہے o"

(کنز الایمان از اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ)

احادیث کی روشنی میں:

1: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کے منبر کے قریب بیٹھا تھا کہ ایک آدمی نے کہا:

"مجھے اسلام کے بعد حاجیوں کو پانی پلانے کے علاوہ کسی عمل کے کرنے کی پرواہ نہیں۔"

دوسرے نے کہا:

"مجھے اسلام کے بعد مسجدِ حرام کو آباد کرنے کے سوا کسی عمل کے کرنے کی پرواہ نہیں۔"

ایک اور آدمی نے کہا:

"جہاد ان دونوں کاموں سے زیادہ افضل ہے۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا:

"منبرِ رسول کے پاس اپنی آوازیں بلند نہ کرو!"

یہ جمعہ کا دن تھا۔ جب جمعہ کی نماز ہو چکی تو میں (نعمان بن بشیر) نے حاضر ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم سے اس بات کے متعلق پوچھا جس میں وہ اختلاف کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

"اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 10 سورۃ توبہ، آیت نمبر 19)

"کیا تم نے حاجیوں کی سبیل اور مسجدِ حرام کی خدمت اس کے برابر ٹھہرالی جو اللہ اور قیامت پر ایمان لایا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا؟ وہ اللہ کے نزدیک برابر نہیں اور اللہ ظالموں کو راہ نہیں دیتا۔ o"

(کنز الایمان از اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ)

2: حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم چند صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بیٹھے ہوئے تھے اور ہم نے کہا:

"کاش! ہمیں سب سے افضل اور اللہ تعالیٰ کے محبوب عمل کا علم ہو جائے اور ہم اسے کرتے رہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں:

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ o يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ o كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ o اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ o"

(القرآن المجید، پارہ 28، سورۃ الصف، آیت نمبر 1 تا

"اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور وہی عزت و حکمت والا ہے o اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو وہ جو نہیں کرتے؟ o کیسی سخت ناپسند ہے اللہ کو وہ بات کہ وہ کہو جو نہ کرو۔ بے شک اللہ دوست رکھتا ہے انہیں جو اس کی راہ میں لڑتے ہیں پرا (صفیں) باندھ کر گویا وہ عمارت ہیں رانگا پلائی (مضبوط) o"

(کنز الایمان از اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ)

3: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کے ایک صحابی کا گزر ایک ایسی وادی سے ہوا جس میں شریں اور میٹھے پانی کا چشمہ تھا تو انہوں نے کہا:

"کاش! میں لوگوں سے علیحدگی اختیار کر کے اس وادی میں عبادت کرتا رہوں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کی اجازت کے بغیر میں یہ کام ہرگز نہیں کروں گا۔"

پھر حضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کے سامنے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم نے فرمایا:

"ایسا نہ کرنا (کیونکہ) کسی آدمی کا راہِ خدا (جہاد) میں کھڑا ہونا گھر میں ستر سال کی عبادت سے افضل ہے۔ کیا تم یہ بات پسند کرتے ہو کہ اللہ تمہیں بخش دے اور جنت میں داخل فرمادے؟ تو اللہ کی راہ میں جہاد کرو! جس نے اونٹنی کا دودھ دُہنے کی مقدار راہِ خدا میں جہاد کیا تو اس کے لیے جنت واجب ہے۔"

(مکاشفۃ القلوب، مترجم صفحہ 580، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

4: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

"جو بندہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد کے رسول ہونے پر راضی ہو گیا تو اس کے لیے جنت واجب ہے۔"

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سن کر حیران ہوئے اور عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم! پھر بیان فرمائیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم نے پھر دہرا دیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم نے فرمایا:

"ایک اور عمل بھی ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اُس (عمل کے کرنے والے) کے سو درجات بلند فرمائے گا اور ہر درجے کے مابین زمین و آسمان کے برابر مسافت ہو گی۔"

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم! وہ کون سا عمل ہے؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔"

(مکاشفۃ القلوب، مترجم صفحہ 580، ناشر ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

5: "قال عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم ای العمل افضل؟ قال الصلاۃ علیٰ میقاتہا قلت ثم ای؟ قال ثم بر الوالدین قلت ثم ای؟ قال الجہاد فی سبیل اللہ"

"حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم سے پوچھا: "یارسول اللہ! کاموں میں سب سے افضل کون سا کام ہے۔؟" آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم نے فرمایا: "وقت پر نماز پڑھنا۔" میں نے عرض کیا: "اس کے بعد کون سا افضل ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم نے فرمایا: "ماں باپ سے نیک سلوک کرنا۔" میں نے پوچھا: "پھر کون سا کام افضل ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا۔"

(صحیح بخاری، جلد 2، پارہ 11، کتاب الجہاد والسیر، صفحہ 2

6: "ان اباهريرة رضى الله تعالىٰ عنه حدثه قال جاء رجل الىٰ رسول الله صلى الله عليه وعلىٰ آله وصحبه وسلم فقال دلنى علىٰ عمل يعدل الجهاد قال لا اجده قال هل تستطيع اذا خرج المجاهد ان تدخل مسجدك فتقوم ولا تفتر وتصوم ولا تفطر؟ قال ومن يستطيع ذلك؟ قال ابوهريرة ان فرس المجاهد ليستن فى طوله فيكتب حسنات"

(صحیح بخاری، جلد 2، پارہ 11، کتاب الجہاد والسیر، صفحہ 63)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھ کو ایسا کام بتائیں جو ثواب میں جہاد کے برابر ہو۔؟" آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "میں ایسا کوئی کام نہیں پاتا۔" پھر فرمایا: "کیا تو یہ کر سکتا ہے کہ جب مجاہد جہاد کے لیے نکلے تو تُو مسجد میں جائے، برابر نماز پڑھتا رہے، ذرا دم نہ لے، برابر روزے رکھے، افطار نہ کرے۔؟" اس سوال کرنے والے

نے عرض کیا: "بھلا ایسا کون کر سکتا ہے۔؟ (یعنی ایسا کرنے کی کوئی بھی طاقت نہیں رکھتا)" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "مجاہد کا گھوڑا جو رسی میں بندھا ہوا زغن مارتا ہے تو مجاہد کے لیے نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔"

7: "ان اباسعيد الخدرى رضى الله تعالىٰ عنه حدثه قال قيل يارسول الله صلى الله عليه وعلىٰ آله وصحبه وسلم اىّ الناس افضل؟ قال رسول الله صلى الله عليه وعلىٰ آله وصحبه وسلم مومن يجاهد فى سبيل الله بنفسه وماله"

(صحیح بخاری، جلد 2، پارہ 11، باب الجہاد والسیر، صفحہ 64)

"حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم سے پوچھا گیا: "کون سا آدمی سب لوگوں سے افضل ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "وہ مسلمان جو اللہ کی راہ میں جان اور مال سے جہاد کرے۔"

8: "انا اباهريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وعلىٰ آله وصحبه وسلم يقول مثل المجاهد فى سبيل الله والله اعلم بمن يجاهد فى سبيله كمثل الصائم القائم وتوكل الله للمجاهد فى سبيله بان يتوفاه ان يدخله الجنة ويرجعه سالما مع اجر وغنيمة"

(صحیح بخاری، جلد 2، پارہ 11، کتاب الجہاد والسیر، صفحہ 64)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم فرما رہے تھے: "جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے اور اللہ جانتا ہے اسے جو اس کی راہ میں جہاد کرتا ہے۔ اس (مجاہد) کی مثال

ایسی ہے جیسے کوئی دن کو روزہ رکھے، رات کو نماز پڑھے۔ اللہ نے مجاہد فی سبیل اللہ کے لیے ذمہ لیا ہے کہ اگر اسے موت عطا کرے گا تو حساب و کتاب کے بغیر جنت میں داخل فرمائے گا ورنہ سلامتی کے ساتھ ثواب دے کر اور مال دلا کر اس کو گھر لوٹائے گا۔"

9: حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جو مسلمان اللہ کے راستے میں ایک گھڑی بھر بھی جہاد کرے تو وہ جنت کا مستحق ہے۔"

(سنن ترمذی، جلد 1، صفحہ 294)

10: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم سے کسی شخص نے سوال کیا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم! کون سا شخص زیادہ بہتر ہے؟"

حضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جو شخص اپنے مال و جان کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے۔"

(صحیح بخاری، جلد 2، پارہ 11، کتاب الجہاد والسیر، صفحہ 64)

11: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جہاد فی سبیل اللہ کرنے والا اللہ کا مہمان ہے۔ اسکی ہر دعا قبول کی جاتی ہے۔"

(سنن ابن ماجہ)

12: حضرت عبدالرحمٰن بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جو پاؤں خدا کے راستے (جہاد) میں گرد آلود ہوئے تو ان کو جہنم کی آگ چھو نہیں سکتی۔"

(صحیح بخاری، جلد 2، پارہ 11، کتاب الجہاد والسیر، صفحہ 74)

13: حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جس کا چہرہ اللہ کی راہ (جہاد) میں گرد آلود ہو تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم کی آگ سے بے خوف (آزاد اور بری) کر دے گا۔"

14: حضرت فضالہ بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جو شخص اللہ اور اسکے رسولوں پر ایمان لایا اور اس نے خدا کی راہ میں جہاد کیا تو میں اس کو ایک مکان جنت کے نیچے کے حصے میں، ایک مکان وسطِ جنت میں اور ایک مکان جنت کے اعلیٰ درجوں میں دلانے کا ضامن ہوں۔"

(النسائی فی السنن) (ابن ماجہ)

15: حضرت سیرہ بن خاکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"شیطان انسان کو جہاد کرنے سے روکتا ہے اور کہتا ہے: "اگر تو جہاد میں گیا اور مارا گیا تو تیری جان ناحق جائے گی، مال و دولت تقسیم ہو کر دوسروں کے حصے میں چلا جائے گا اور تیری بیوی بھی کسی اور شخص سے نکاح کر لے گی۔" جو شخص شیطان کے اس بہکاوے میں نہیں آتا اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جل جلالہ اس شخص کو جنت میں داخل کرنے کا ضامن ہے۔ وہ شخص خواہ کسی طرح مرے، اگرچہ پانی میں غرق ہو کر اس کی موت واقع ہو یا گھوڑے سے گر کر یا پھر اپنے بستر پر ہی مرے ہر حالت میں جنت کا مستحق ہے۔" (سنن ابن ماجہ)

16: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ایک تیر کی وجہ سے تین آدمی جنت میں جائیں گے۔ ایک تو وہ جس نے ثواب کی نیت سے تیر بنایا، دوسرا جس نے تیراندازی کی مشق کے لیے تیر چلایا اور تیسرا وہ جس نے اس کو اٹھا کر دیا۔"

(رواہ ابوداود فی السنن)

☆☆☆

سبتہ کا چاند

شہزادی فلورانڈا کی قسم

حاکم سبتہ ''کاؤنٹ جولین'' کی بیٹی ''فلورنڈا'' حُسن و جمال میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی۔ سارے ملک میں اس کے حسن کے چرچے تھے اور وہ ہر نوجوان دل کی دھڑکن بن چکی تھی۔ لوگ اسے ایک نظر دیکھنے کے لیے بے قرار رہتے تھے اور اسے ''سبتہ کا چاند'' کہہ کر پکارتے تھے۔

فلورنڈا آج بے پناہ خوش تھی، اس لیے کہ آج دوسری مرتبہ والیِ افریقہ موسیٰ بن نُصیر اور ان کے نائب طارق بن زیاد نے سبتہ پر حملہ کر کے ہزیمت اٹھائی تھی۔ ''فلورنڈا'' اپنے شاہی محل کے دریچے سے اپنے باپ ''کاؤنٹ جولین'' کے جلوس کو دیکھ رہی تھی، جو بڑی شان و شوکت سے اپنی فوج کے درمیان اپنی سنہری سواری پر سوار فتح یاب لوٹ رہا تھا۔ ''فلورنڈا'' اپنی بے شمار کنیزوں کے ساتھ منوں گلاب کے پھول لیے اس وقع کی منتظر تھی کہ کب اس کا فاتح باپ اپنی بہادر فوج کے ساتھ محل کے نیچے سے گزرے اور وہ اوپر سے پھولوں کی بارش کرے۔ اسے اپنے بہادر باپ پر فخر تھا کہ جس نے دوسری مرتبہ اسلامی فوج کو شکست دی تھی۔

اس نے منت مانی تھی کہ فتح کے بعد وہ دریا پار کے پرانے گرجے میں ''مریم ماں'' کے سر پر سونے کا تاج پہنائے گی۔ اسے ''ماں مریم'' پر اتنا اعتقاد تھا کہ اس نے پہلے ہی

سے سونے کا تاج تیار کروالیا تھا، جس میں ہیرے کے موتی جڑے ہوئے تھے۔ ویسے بھی ''فلورنڈا'' شروع سے ہی بڑی کٹر مذہب پرست تھی۔

جونہی فوجی جلوس بینڈ پر فتح کا ترانہ بجاتا اور دھن سناتا محل کے نیچے سے گزرا تو شہزادی ''فلورنڈا'' اور اس کی کنیزوں نے فاتحین پر پھولوں کی بارش کردی۔ زرالفت کی وادیوں میں ملبوس بہادر، سروں پر زرہ بکتر اور خول پہنے، ہاتھوں میں چمکتی ہوئی انیاں والے لمبے نیزے اور ڈھالیں لیے مختلف رنگوں کے گھوڑوں پر بیٹھے کتنے بھلے معلوم ہو رہے تھے۔

پھر جونہی ''فلورنڈا'' کے باپ ''کاؤنٹ جولین'' کی سواری محل کے دروازے پر رُکی اور وہ فوجی لباس پہنے محل میں داخل ہوا تو ''فلورنڈا'' بھاگ کر اپنے باپ سے لپٹ گئی۔ باپ نے بھی محبت سے اس کی پیشانی کو چوما اور سنگِ موسیٰ کے فرش پر اپنے بھاری جوتوں سے آواز پیدا کرتا ہوا اپنی ملکہ کے کمرے کی طرف چلا گیا۔

آسمان پر سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے۔ کہیں کہیں بجلی بھی وقفے وقفے سے چمک رہی تھی۔ نیز بڑی تیز اور عفریتوں کی ہوائیں چل رہی تھیں۔ موسم کے آثار کسی آنے والے طوفان کا پتہ دے رہے تھے۔ شاہی محل کی سیڑھیوں کو چومتا ہوا دریا آج ساکت نہیں تھا، بلکہ اضطرابی کیفیت میں مبتلا تھا اور اس کی موجیں تاحد نگاہ سانپوں کی طرح بل کھاتی اور مچھلیوں کی طرح اُچھلتی دکھائی دے رہی تھی۔

سنگِ مرمر کی سیڑھیوں کے پاس کھڑا سجا ہوا شاہی بیڑا لہروں کے تھپیڑوں سے جھول رہا تھا۔ جس پر پچاس کے قریب سیاہ فام حبشی غلام ''ملاح'' کے طور پر اپنی پتواریں اور ''چپو'' سنبھالے حکم کے منتظر تھے۔ اس بیڑے پر شہزادی ''فلورنڈا'' اپنی منت اتارنے کے لیے دریا پار پرانے کلیسا میں جانے والی تھی۔ جونہی ''فلورنڈا'' سفید لباس اور پھولوں کا گہنا پہنے آسمانی حور کی طرح محل کی سیڑھیوں سے اتر کر نیچے آئی تو اس نے اپنے ماں باپ کے پاس ''فادر پیٹر'' کو بھی دیکھا جو شہر کے کلیسا کا بڑا پادری تھا۔

''اکاؤنٹ جولین'' نے بیٹی کو دیکھ کر تشویش ناک حالت سے کہا:

''فلورنڈا! میری بیٹی! کیا یہ مناسب نہیں کہ تم منت اتارنے کل چلی جاؤ......؟ رات کے وقت اس طوفانی موسم میں دریا پار کر کے جانا خطرناک بھی ہو سکتا ہے......؟''

شہزادی ''فلورنڈا'' نے محبت سے باپ کی طرف دیکھ کر جواب دیا:

''نہیں ڈیڈ! میں ''ماں مریم'' کی ناراضگی مول نہیں لے سکتی۔ آپ بھول رہے ہیں کہ ہم نے ''ماں مریم'' کی ہی دعاؤں سے مسلمانوں کو دوبارہ شکست دی ہے۔ اول تو موسم اتنا زیادہ خراب نہیں، اگر واقعی طوفان آ بھی گیا تو ''ماں مریم'' میری خود حفاظت کریں گی۔''

''کاؤنٹ جولین'' نے بیٹی کے چہرے سے نظریں ہٹا کر سوالیہ انداز میں پاس ہی بیٹھے ''فادر پیٹر'' کی جانب دیکھا تو فادر نے جواب دیا:

''کاؤنٹ! شہزادی ٹھیک کہتی ہے۔ اگر منت وقت پر پوری نہ کی گئی تو یہ ایک بُرا شگون ہوگا۔''

''فادر پیٹر'' کا یہ جواب سن کر ''کاؤنٹ جولین'' نے کہا:

''فادر! اگر آپ کی بھی یہی رائے ہے تو پھر میری طرف سے اجازت ہے۔ جاؤ بیٹی! ''یسوع مسیح'' تمہاری حفاظت کریں۔''

شہزادی ''فلورنڈا'' باپ اور فادر کی اجازت سے خوش ہو کر جلدی جلدی بہت بڑے شاہی بیڑے میں سوار ہو گئی جو کہ شہزادی کا انتظار کر رہا تھا۔ شہزادی ''فلورنڈا'' کے سوار ہوتے ہی شاہی بیڑا دوسرے کنارے کی طرف جانے کے لیے حرکت میں آ گیا۔ دریا کا پاٹ بہت بڑا تھا۔ تھوڑی دور جانے کے بعد بارش بھی شروع ہو گئی۔ بادلوں کی گرج اور بجلی کی چمک میں اضافہ ہونے لگا، لیکن بیڑے پر موجود کنیزیں اور ملاح حالات سے بے خبر ''یسوع مسیح'' کی حمد و ثناء کرتے تیزی سے بیڑے کو لے کر دریا کے درمیان پہنچ گئے۔ جلد ہی ان کو احساس ہو گیا کہ پہاڑوں پر بارش کی وجہ سے پانی جمع ہو گیا ہے اور اس پانی سے دریا میں طوفان کے آثار پیدا ہو گئے ہیں۔ اب......

"جائے رفتن نہ پائے ماندن"

والی مثال صادق فی الواقعہ آ رہی تھی۔ نہ تو وہ بیڑے کو پار لے جاسکتے تھے اور نہ ہی صحیح سلامت واپس لوٹ جانے کی کوئی امید تھی۔ اس کے علاوہ موسلا دھار بارش، بادل کی گرج اور بجلی کی کڑک نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔ دریا کے اندر پانی میں بڑے بڑے بھنور بننے لگے اور پھر لاکھ کوشش کے باوجود شاہی بیڑا ایک بھنور کی زد میں آ گیا۔ شاہی بیڑا اس بھنور میں اس طرح پھنس چکا تھا کہ نکلنے کی کوئی امید نہ تھی۔ بازوؤں میں ہاتھیوں کا زور رکھنے والے یہ حبشی غلام جن کی تعداد پچاس کے قریب تھی، اپنی پوری طاقت صرف کرنے کے باوجود بیڑے کو بھنور سے نکالنے میں ناکام ہو گئے۔

بیڑا ہچکولے کھانے لگا۔ حمد و ثناء والی آوازیں اب چیخوں میں تبدیل ہو چکی تھیں۔ بیڑے پر افراتفری کا سماں پیدا ہو چکا تھا۔ موجیں بیڑے کو اس طرح اُچھال رہی تھیں گویا کہ وہ کوئی چھوٹا سا کھلونا ہے۔ دریا کی روانی میں اس قدر شدت آ گئی تھی کہ بیڑا بھنور میں پھنسا ہوا دریا کی روانی کے ساتھ پار جانے کی بجائے کسی نامعلوم سمت روانہ ہو گیا۔ اس بدلے ہوئے حالات اور خطرے کے اثرات کو سب سے زیادہ "فلورنڈا" نے قبول کیا تھا۔ کیونکہ اس نے ہی ضد کے ساتھ اس خراب موسم میں دریا پار جانے کا ارادہ کیا تھا۔

شہزادی "فلورنڈا" کی سیاہ زلفیں اس کے حسین چہرے کے گرد تیز اور طوفانی ہواؤں سے اس طرح پریشان ہو گئیں تھیں کہ محسوس ہوتا تھا جیسے..........

"چاند گہنا گیا ہو۔"

ملاحوں کے بازو زور لگا لگا کر شل ہو چکے تھے۔ کئی ایک کے ہاتھوں میں چپو ٹوٹ گئے تھے۔ بیڑا بھنور میں کسی لٹو کی طرح گھومتا ہوا بھنور کے اندر دریا کی روانی کے ساتھ چلا جا رہا تھا۔ ہر طرف موجوں کا شور، بادل کی چمک اور بجلی کی کڑک کے ساتھ ساتھ بیڑے میں موجود کنیزوں کی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔ یہ کنیزیں ہچکولوں کے سبب ایک دوسرے کے اُوپر گری پڑی تھیں۔

طوفان اور بھنور کے باوجود کسی حد تک شہزادی "فلورنڈا" کو یقین تھا کہ "ماں مریم" خود اس کی حفاظت کریں گی۔ زندہ رہنے کی امید ابھی تک باقی تھی، لیکن پھر جلد ہی شور اٹھا۔ "فلورنڈا" نے بھاگ کر کیبن کی کھڑکی سے دیکھا کہ بھنور بیڑے کو چٹانوں کے درمیان لے گیا ہے جہاں شاید مگرمچھوں کا مسکن تھا اور مگرمچھوں نے چاروں طرف سے بیڑے پر حملہ کر کے کئی ملاحوں کو خوراک بنا لیا تھا۔ اب جان بچانے کے لیے ملاح بھی پتواریں پھینک کر اندر کی طرف بھاگ رہے تھے۔

سب کو اپنی اپنی جان کے لالے پڑے تھے۔ پھر ایک دھماکہ ہوا اور شہزادی "فلورنڈا" اک دل خراش چیخ کے ساتھ کیبن کی چھت سے ٹکرا کر زمین پر گری اور سر پھٹ جانے کی وجہ سے بیہوش ہو گئی۔ پھر چیخیں ہی چیخیں اور دھماکے ہی دھماکے سنائی دینے لگے۔ بیڑا چٹانوں سے ٹکرا ٹکرا کر ٹوٹ رہا تھا۔ کئی ملاحوں نے جان بچانے کے لیے دریا میں چھلانگیں لگا دیں لیکن وہاں مگرمچھ منہ کھولے ان کے "سواگت" کے لیے موجود تھیں۔ اس کے بعد ایک زوردار دھماکے کے ساتھ بیڑا ایک چٹان سے ٹکرا کر اُلٹ گیا۔

☆☆☆

ریاست اُندلس اور یہودی

اُندلس ایک خوبصورت ریاست تھی۔ جس میں ہر طرح کی اشیاء پائی جاتی تھی۔ یہاں کے لوگ ہر کام میں مہارت رکھتے تھے۔ مسلمانوں نے اُندلس میں رہ کر اسے چار چاند لگا دیئے تھے اور اس کو ایک قیمتی ریاست بنا دیا تھا۔ یہ ملک بہت زرخیز اور قیمتی تھا۔

1: بڑے بڑے اور پرانے سائنسدان اسی ریاست کے رہنے والے تھے۔ یعنی آپ کہہ سکتے ہیں کہ سائنس کی ابتدا اُندلس سے ہوئی، یہاں کے ہی لوگ پہلے سائنس دان تھے اور انہوں نے ہی سائنس کو فروغ دیا۔

2: اُندلس دیدہ زیب اور نفیس و بہترین صنعت میں اس قدر مشہور و معروف تھا کہ اس کے بیان کی ضرورت ہی نہیں۔

3: اُندلس میں سولہ ہزار کارخانے بہترین کپڑا تیار کرتے تھے جن میں ایک لاکھ تیس ہزار ماہرینِ فن کپڑا بننے والے اور مزدور کام کرتے تھے۔ اُندلس ہی کے بعض شہر "مربہ" وغیرہ میں چھ ہزار کارخانے ریشمی کپڑے اُطلس دبانات وغیرہ بنتے تھے اور آٹھ سو کارخانے صرف کشیدہ کاری اور چادروں کے حواشی پر بیل بوٹے نکالنے کا کام کرتے تھے۔

4: اُندلس کے شہر "مالقہ" میں خوبصورت اور نفیس برتن تیار ہوتے تھے جو یہاں سے ہی دنیا بھر میں جاتے تھے۔ اسی وجہ سے آج بلادِ عرب میں عمدہ پلیٹوں اور برتنوں کو "مالقی" کہتے ہیں۔ ان کا پہلا موجد عباس بن فرماس حکیمِ اُندلس تھا۔

5: کاغذ کی صنعت کو اوجِ کمال تک پہنچانے والے اہلِ "شاطبہ" تھے۔ شاطبہ اُندلس کا ایک شہر تھا۔

6: چھپائی کی مشین اور مطابع کی ایجاد اُندلس کے مسلمانوں نے ہی کی تھی۔

7: اُندلس میں فرش کے لیے منقش پتھروں کی صنعتیں بھی تھیں اور یہ عجیب و غریب پتھر فرش پر لگ کر اسے خوبصورت کر دیتا تھا۔ ایک یورپین مؤرخ لکھتا ہے:

"اُندلس میں فرش پر لگانے والے خوبصورت پتھروں کی صنعت عجیب و غریب ہے۔"

8: ہیئت و ریاضی میں بھی اُندلس کے مسلمانوں کو کمال حاصل تھا۔ یہ اس فن میں دنیائے مسلمہ کے استاد ہی نہیں بلکہ اس کو فروغ دینے والے بھی تھے۔

انسان کے ہوا میں پرواز کرنے کا سب سے پہلا موجد حکیمِ اُندلس ہے۔ اس نے ایسے پَر ایجاد کیے تھے کہ اگر انسان ان کو اپنے بازوؤں میں لگائے تو اطمینان کے ساتھ پرواز کر سکتا تھا۔

10: فنِ زراعت و آبپاشی کو اُندلس کے لوگوں نے ہی اوجِ تکمیل تک پہنچایا تھا۔ آج کی متمدن دنیا اس کی نظیر لانے سے قاصر ہے۔ اُندلس کے تمام بلاد میں آبپاشی کا وہ انتظام کیا گیا تھا کہ بارانی اور نہری زمینیں یکساں کام دیتی تھیں اور بجائے دو فصل کے سال میں تین فصلیں پیدا کرتی تھیں۔

11: لوہے، چاندی، سونے اور دوسری دھاتوں کا جڑاؤ اور اس پر ملمع سازی اور پالش کرنا بھی اُندلس کے مسلمانوں کا کام ہے اور یہ صنعت انہی کے نام سے منسوب ہے۔

12: چمڑے کی رنگائی اور اس سے طرح طرح کے استعمال کی چیزوں کی ساخت اندلس کے مسلمانوں کے ہاتھوں کا ہی جوہر ہے۔ یہاں چمڑے کی چیزیں اتنی مشہور تھیں کہ دنیا بھر میں تحفہ بن کر پہنچتی تھیں۔

13: لوہے، پیتل، کانچ کے آلات اور برتن اُندلس کے لوگوں کی ہی کارفرمائی ہے۔ یہاں ایسی چیزیں نہایت مضبوط، خوشنما اور اتنی انواع و اصناف کی بنتی تھیں کہ احاطہ نہیں کیا

جا سکتا۔

14: مختلف قسم کے گہرے اور ہلکے، نفیس و حسین رنگوں کی ایجاد بھی اُندلس کے مسلمانوں کی رہینِ منت ہے۔ یہیں سے تمام ممالک خصوصاً عرب و عجم اور عموماً مشرق و مغرب میں ان کی مصنوعات تجارتی جہازوں کے ذریعے جاتی تھیں۔

15: اُندلس کے تجارتی جہازوں میں ایک خاص نظام تھا اور ساحل پر پہنچنے اور ٹھہرنے کے اوقات مقرر تھے، جن کے ذریعے وہ اپنا مال دوسرے ممالک کو دیتے اور وہاں کی مخصوص چیزیں اپنے ملک لے جاتے تھے۔

16: حکیمِ اُندلس عباس بن فرناس نے ایک بے نظیر (گھڑی نما) گھنٹہ ایجاد کیا تھا جو آج کل کے عام گھنٹوں کی طرح لٹکن سے چلتا تھا اور صحیح وقت بتانے میں بے مثل مانا جاتا تھا۔

17: شہر میں داخل ہونے والے مسافروں کے لیے روشنی کا انتظام، سڑکوں اور بلدیہ صفائی کا اعلیٰ انتظام کرنے میں بھی اہلِ اُندلس کمال رکھتے تھے۔ عام سڑکوں کی درستگی اور ان کو خوبصورت و مضبوط بنانے کا انتظام سب سے پہلے "اہلِ قرطبہ" (جو اُندلس کا شہر تھا) نے کیا۔

18: اس کے علاوہ شہروں میں روشنی کا اعلیٰ انتظام عرب اُندلس کی ہی یادگار ہے۔ اُندلس کے شہروں کی روشنی کا یہ عالم تھا کہ شہروں کے تقریباً آٹھ، نو میل تک چلنے والوں کو روشنی کی حاجت نہ تھی۔

19: اہلِ اُندلس بارود کی تحقیق اور اس سے کام لینے میں سب سے پہلے موجد تھے۔ انہوں نے جس بارود اور آلات سے "غرناطہ" کے قلعوں سے مدافعت کا کام لیا۔ وہ آج تک "ہسپانیہ" کے عجائب خانوں میں محفوظ ہیں۔

اس کے علاوہ اور کئی کاموں میں اہلِ اُندلس کمال مہارت رکھتے تھے لیکن ان میں سے اکثر چیزیں اور ایجادات اسلامی حکومت قائم ہونے کے بعد ظہور پذیر ہوئیں۔ مسلمانوں

نے اُندلس پر کئی مرتبہ حملے کیے۔ یہ حملے محض اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے کیے گئے تھے۔ ان حملوں سے نہ تو کشور کشائی اور ملک حاصل کرنے مقصود تھے اور نہ ہی مالِ غنیمت درکار تھا۔ اسی لیے اس علاقے میں مسلمانوں کا پائیدار اثر قائم نہ رہ سکا۔

اُندلس کی سرزمین پر مسلمانوں کا پہلا حملہ خلیفۃ الرسول امیر المومنین حضرت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں سنہ 27 ہجری کو ہوا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبداللہ بن نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا:

"قسطنطنیہ اُندلس کی راہ سے آسانی سے فتح ہو سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے قسطنطنیہ فتح کرنے والوں کے لیے جنت کی بشارت دی تھی۔ تم لوگ اس سعادت کو حاصل کر کے یہ اجرِ عظیم پا سکتے ہو۔"

لہٰذا دربارِ خلافت کے حکم پر حضرت عبداللہ بن نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بحری راستے سے اُندلس پر حملہ آور ہوئے۔ ان کے ہمراہ بہادر مسلمان بربری جانثاروں کا لشکر تھا۔ جنہوں نے ساحل پر اترتے ہی اپنی خارشگاف تلواروں سے دشمن کے دانت کھٹے کر دیئے اور اس کے بعض شہروں پر قبضہ کر لیا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو افریقہ کے بربریوں سے ہر قسم کی مدد ملی تھی۔

اُندلس پر مسلمانوں کا دوسرا حملہ امیر المومنین حضرت سیدنا امیر معاویہ بن ابو سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دورِ حکومت میں اس وقت کیا گیا جب معاویہ بن خدیج افریقہ کے حاکم تھے۔ اس کے بعد حضرت عقبہ بن نافع فتح کرتے ہوئے طنجہ تک جا پہنچے۔ اس علاقے میں عیسائی فرمانروا "جولین" نے حضرت عقبہ بن نافع کی اطاعت قبول کر لی۔

اُندلس پر کئی بار حملے کر کے اسلام کی نشر و اشاعت کی گئی۔ اس علاقے میں مسلمانوں کا پائیدار اثر قائم نہ رہ سکا۔ اسی لیے اُندلس پر حقیقی اسلامی حملہ اس فوج کشی کو قرار دیا جا سکتا ہے جو اس علاقے کو فتح کرنے کی نیت سے کی گئی ہو اور یہ حملے مشہور اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے دورِ حکومت میں طارق بن زیاد کی سرگرمیوں میں کیے گئے۔

یہ عجیب اتفاق تھا، مسلمان جہاں اور جس طرف بھی بڑھے وہاں حالات نے کچھ ایسا پلٹا کھایا کہ خود بخود ان کیلئے فضا صاف ہوگئی۔ ابھی تک اندلس پر انہوں نے دھاوا نہیں کیا تھا، لیکن وہاں کے حالات اُن کے حملہ کیلئے روز بروز سازگار ہوتے چلے جا رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سرزمینِ اُندلس بیتاب ہے کہ کب مسلمان آئیں اور اسلام سے آشنا کریں۔

اُندلس کی آبادی کا ایک معقول حصہ یہودیوں پر مشتمل تھا۔ یہ یہودی دولت مند تھے، تعلیم یافتہ تھے، تجارت ان کے ہاتھ میں تھی اور یہ وسیع کاروبار کے مالک تھے لیکن ان تمام خصوصیتوں کے باوجود یہ بدقسمت بھی تھے۔ عیسائی ہاتھ دھو کے ان کے پیچھے پڑ گئے تھے۔ وہ انہیں کتے کی طرح ذلیل سمجھتے تھے۔ ان کی دولت چھین لیتے تھے۔ ان کی لڑکیوں اور عورتوں پر قبضہ کر لیتے تھے۔ انہیں غلام بنا لیتے تھے۔ انہیں عیسائی بننے پر مجبور کرتے تھے۔ کلیسا کی طرف سے ہر روز ان پر نت نئے مظالم ہوتے تھے۔ بادشاہ بھی کلیسا کے اقتدار کے سامنے لرزتا تھا۔ پادری یہودیوں کے بارے میں جو حکم دیتے تھے بادشاہ بے چوں و چرا تعمیل کرتا تھا۔ اگر نہ کرتا تو پھر اس کی دولت کا سرچشمہ بند ہو جاتا تھا اور اس کی عیاشیوں اور سرمستیوں کے پُر بہار باغ میں خزاں آجاتی۔

یہودی بڑی سخت جان قوم ہے۔ تاریخ کے دور میں اس پر بے پناہ مظالم ہوئے ہیں اور ایسا معلوم ہوا ہے کہ اب یہ ختم ہوئی اور صفحۂ ہستی سے مٹی لیکن یہ لوٹ پوٹ کر پھر زندہ ہوگئی۔ اس کی دولت لوٹی گئی تو اس نے دوسرے ذرائع عمل میں لا کر پہلے سے زیادہ دولت پیدا کر لی۔ عورتیں اور لڑکیاں چھن گئیں تو اس نے آنسو بہانے اور رونے کے بعد پہلے سے زیادہ اولاد پیدا کر ڈالی۔ اسے شکنجہ میں کسا گیا اور عیسائی بننے پر یا اُندلس کی سرزمین چھوڑ کر کہیں باہر چلے جانے پر مجبور کیا گیا تو اس نے بظاہر عیسائی مذہب بھی بڑی تعداد میں قبول کر لیا، لیکن صرف ظاہری اور نمائشی حد تک۔ گھر میں یہ لوگ یہودی تھے اور باہر عیسائی۔ اپنے خفیہ قومی اجتماعات میں یہ عیسائیوں کو گالیاں دیتے، ان کے لئے ہاتھ اٹھا کر خدا سے بددعا

کرتے اور گرجا میں عیسائیوں کو دکھانے کے لیے یہ مریم اور عیسیٰ کے بتوں کو سجدہ بھی کرتے تھے۔ لیکن انہیں امید تھی کہ یہ دن ہمیشہ نہیں رہیں گے۔ آج مایوسی کا اندھیرا ہے تو کل اُمید کا سورج ضرور چمکے گا۔ آج مصیبت کی تاریکی ہے تو کل راحت کی روشنی جگمگ جگمگ کرے گی۔ یہ بادل چھٹ جائیں گے اور اسرائیل (یہودی) پھر سر بلند ہوں گے۔

دنیا میں سب سے زیادہ حسین و جمیل قوم یہودی ہے اور دنیا کے یہودیوں میں سب سے زیادہ خوب رو، خوش اندام، سورج سے آنکھ لڑانے والا اور چاند کو منہ چڑانے والا حسن و جمال اُندلس کے یہودیوں کا تھا۔ آج بھی دنیا میں یہودیوں سے زیادہ حسین کوئی نہیں اور آج بھی اُندلس کے یہودیوں کا مقابلہ حسن و جمال، رعنائی و دل ربائی، خوب روئی اور خوش اندامی میں کسی حصۂ دنیا کے یہودی نہیں کر سکتے۔

''یہودا'' ایک بہت بڑا اور مال دار یہودی تھا۔ اس کی کئی تجارتی کوٹھیاں تھیں۔ بہت سی دوکانیں تھیں۔ درجنوں باغات تھے۔ نہ جانے کتنی خوشنما عمارتیں تھیں۔ نقد روپے کا تو کوئی حساب ہی نہیں تھا۔ ایک مرتبہ اُس نے اپنے ایک عیسائی ملازم کی توہین کر دی۔ بس پھر کیا تھا قیامت آگئی۔ اُس نے دہائی مچا کر بہت سے عیسائیوں کو جمع کر لیا۔ انہوں نے یہودا کے گھر میں آگ لگا دی اور اُس کے باغات کو پامال کر دیا۔ اُس کا مال و اسباب لوٹ لیا۔ یہ حال دیکھ کر بیچارے یہودا کے ہاتھ پاؤں پھول گئے، لیکن اس کی بیوی بڑی ہوشیار تھی۔ اُس نے شوہر کا اور اپنی خوب صورت اور اکلوتی لڑکی کا ہاتھ پکڑا، کچھ زیورات اور روپیہ لیا اور چور دروازے سے رات کی تاریکی اور ہنگامہ کے شور و شر میں چوروں کی طرح بے پاؤں بھاگ گئی۔

اتنے عرصہ میں پولیس آگئی لیکن وہ دور کھڑی چپ چاپ یہ تماشہ دیکھتی رہی۔ جب یہودا کا قیمتی سامان لوٹا جا چکا تو خود پولیس کے سپاہی بھی برابر کے شریک ہوگئے۔ یہودیوں پر کوئی بھی ظلم کیا جائے، حکومت اس میں دخل نہیں دیتی تھی اور سرکاری ملازم جی کھول کر لوٹ مار میں حصہ لیتے تھے۔

یہودا کے گھر کے پاس ''اسقفِ اعظم'' رہتے تھے۔ یہ ''طلیطلہ'' کے سب سے بڑے کلیسا کے پیشوا تھے۔ بہت جلد موقعۂ واردات پر پہنچ گئے اور پہنچتے ہی سوال کیا۔ قبل اس کے کہ کوئی جواب دے، یہودا کا عیسائی ملازم آگے بڑھا۔ اس نے ادب و عقیدت کی کیفیت اپنے اوپر طاری کر کے کہا:

''فادر! اس کافر نے صرف میری ہی نہیں بلکہ ہمارے مقدس نبی یسوع (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی بھی توہین کی ہے۔''

اسقفِ اعظم چلایا:

''توہین کی تھی۔؟''

یہودا کے ملازم ''جارج'' نے کہا:

''جی ہاں! میں ضبط نہ کر سکا، میں نے فریاد کی اور میری قوم کے لوگ جمع ہو گئے۔ انہوں نے اس مال دار کافر کو ایسا سبق دیا ہے کہ اب عمر بھر اُسے فراموش نہیں کر سکے گا۔''

لیکن اسقفِ اعظم کا غصہ فرد نہ ہوا، اُس نے گرجتی ہوئی آواز میں پوچھا:

''وہ ہے کہاں۔؟''

جارج نے کہا:

''بھاگ گیا۔''

اسقفِ اعظم گویا ہوا:

''تم نے اُسے زندہ نکل جانے دیا۔؟''

عیسائی ملازم خاموش ہو گیا اور اسقفِ اعظم ایک مرتبہ پھر چیخا:

''کم بختو! تم نے دنیا کا مال لوٹ لیا اور اس بد بخت روح کو یہاں سے نکل جانے دیا کہ وہ کہیں پناہ لے کر کچھ اور گل کھلائے۔؟''

جارج نے رکتے رکتے کہا:

''غلطی ہو گئی فادر!''

اسقفِ اعظم نے کہا:

''اُس گھر کی عورتیں کہاں ہیں۔؟ یہودا کی پری پیکر بیوی کہاں ہے اور اس کی خوبصورت لڑکی مارٹین کہاں ہے۔؟''

جارج اب خاموش کھڑا تھا اور اسقفِ اعظم کا غصہ تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ اُس نے اس کا گریبان پکڑ لیا اور کہا:

''جواب کیوں نہیں دیتے۔؟ بتاؤ!''

جارج نے کہا:

''وہ بھی......''

اسقفِ اعظم نے کہا:

''وہ بھی بھاگ گئیں۔؟''

جارج نے کہا:

''جی! وہ بھی بھاگ گئیں۔''

اسقفِ اعظم سر پیٹنے لگا:

''آہ! کتنی بڑی غلطی ہوئی۔ یہودا کو تم مار ڈالتے، لیکن اس کی بیوی اور لڑکی تو کلیسا کی امانت تھیں۔ مقدس ماں مریم کے بت کے سامنے ان کے سر جھکنے چاہیے تھے۔ انہیں تو نئی زندگی اختیار کرنی تھی۔''

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ پولیس کا افسر آ گیا۔ اُس نے اسقفِ اعظم کو یوں دل گرفتہ اور مضمحل دیکھ کر بڑے ادب سے کہا:

''آپ پریشان کیوں ہیں۔؟''

اسقفِ اعظم بولا:

''اس لیے کہ پریشان کیا گیا ہوں۔ کلیسا کی امانت چھین لی گئی اور میں کچھ نہ کر سکا۔!''

افسر نے حیرت سے کہا:

”کلیسا کی امانت۔؟“

اسقفِ اعظم نے روتے ہوئے کہا:

”ہاں! مارٹین یہودا کی لڑکی......وہ کلیسا کی مقدس امانت تھی۔ اس سے کلیسا کیلئے بڑے اچھے کام لیے جا سکتے تھے۔ وہ عیسائیت پر مائل تھی اور مجھے ”مقدس باپ!“ کہا کرتی تھی۔ وہ حکومت بہت جلد مٹ جائے گی جہاں ایسی سعید روحوں کے ساتھ ایسا برا سلوک کیا جاتا ہو۔ میں ابھی وزیر اعظم اور بادشاہ کے پاس جا رہا ہوں......!“

قبل اس کے کہ اسقفِ اعظم آگے بڑھتا افسرِ اعلیٰ نے جھک کر اس کے پاؤں کو بوسہ دیا اور کہا:

”آپ ذرا بھی فکر نہ کریں۔ وہ لوگ بھاگ کر جا کہاں سکتے ہیں۔؟ گرفتار ہوں گے اور حضور کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔ پھر آپ جو سلوک چاہیں ان کے ساتھ کریں۔ ہمیں تھوڑا سا وقت تو دیجئے۔!“

اسقفِ اعظم نے کہا:

”کتنا وقت چاہتے ہو۔؟“

افسر نے جواب دیا:

”صرف آج کی رات اور کل کا دن۔“

پھر افسر نے اپنے سپاہیوں کے ایک منتخب دستے کو بلا کر حکم دیتے ہوئے کہا:

”سارے شہر کا ایک ایک کونہ اور ایک ایک چپہ چھان ڈالو۔ ہر یہودی کے گھر کی تلاشی لو۔ ہر یہودی معبد میں ڈھونڈھو۔ جہاں کہیں یہودا اور اس کی لڑکی مارٹین ملے پکڑ لاؤ اور جن لوگوں نے انہیں پناہ دی ہے انہیں بھی لوٹ لو، برباد کر دو اور گرفتار کر لاؤ تا کہ انہیں سزا دی جائے۔ یاد رکھو! میں مقدس فادر سے وعدہ کر چکا ہوں۔ اگر یہ وعدہ اپنے وقت پر پورا نہ ہوا تو یسوع مسیح کا غضب تم سب پر نازل ہوگا اور ہم میں سے کسی کی خیر نہ ہوگی۔“

سپاہی اپنے افسر کا حکم سن کر گھوڑوں پر بیٹھے اور تیزی کے ساتھ ادھر اُدھر روانہ ہو گئے۔

یہودا کا وہ عیسائی ملازم جو اس تمام فتنے کا بانی تھا۔ خوش خوش اپنے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ آج اس کے کوٹ کی تمام جیبیں بہت بوجھل تھیں۔ ان میں سونے کے سکے ہی سکے بھرے ہوئے تھے۔ عمر بھر کی ملازمت میں بھی اتنا نہیں کما سکتا تھا جتنا آج اس نے کما لیا۔ یہ اس کی کئی پشتوں کے لیے کافی تھا۔ اس کے پیچھے پیچھے ایک چھکڑا چلا آ رہا تھا جس میں قیمتی ظروف، اعلیٰ درجہ کے قالین اور دوسرا بہت سا مالِ غنیمت تھا۔ سچ ہے کوئی بگڑتا ہے......کوئی بنتا ہے......کسی کو موت ملتی ہے......اور کسی کو زندگی۔!!!

☆☆☆

طارق بن زیاد اور فلورنڈا

طارق بن زیاد موسیٰ بن نصیر سے ملاقات کرنے کے بعد واپس گھر جا رہے تھے کہ شیر کی دھاڑ سن لی۔ باوجود موسلا دھار بارش اور طوفان کے اپنا گھوڑا شیر کی گرجدار آواز کی سمت موڑ لیا۔ انہوں نے اپنے نیزے پر اپنی گرفت مضبوط کی اور تیزی سے آواز کی سمت گھوڑے کو چلانے لگے۔ تربیت یافتہ گھوڑا آندھی اور طوفان کی طرح جنگل کے درختوں کے درمیان کسی سانپ کی طرح بل کھاتا تیزی سے بڑھتا جا رہا تھا۔ پھر زور سے بجلی چمکی اور سارا جنگل روشن ہو گیا۔

طارق بن زیاد نے دیکھا کہ ایک شیر تھوڑے ہی فاصلے پر دریا کے کنارے اُبھری ہوئی چٹان پر کھڑا دھاڑ رہا ہے۔ شاید گھوڑے کی ٹاپوں نے اسے ناراض کر دیا تھا، لیکن جونہی اس نے چمکتے ہوئے نیزے کی اَنی اپنی طرف بڑھتی ہوئی دیکھی تو پہلے زور سے دھاڑا، لیکن بیشتر اس کہ نیزے کی اَنی اس کی پسلیاں توڑ کر نکل جائے، اس نے دریا کی طوفانی موجوں میں چھلانگ لگا دی اور طوفانی موجوں کی روانی کی مخالف سمت دریا کو پار کرنے لگا۔

یہ شیر کی فطرت کے عین مطابق تھا۔ شیر ہمیشہ روانی کی مخالف سمت اپنی طاقت کے بل بوتے پر دریا پار کرتا ہے۔ کنارے پر کھڑے طارق بن زیاد کو اس کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ انہوں نے بھی گھوڑے کی پیٹھ سے دریا میں چھلانگ لگا دی، لیکن باوجود طاقت صرف

کرنے کے وہ روانی کی مخالف سمت دریا پار کرنے کی بجائے موجوں کی روانی کے ساتھ بہنے لگے۔ آپ نوجوان اور بہادر آدمی تھے۔ کافی دیر اپنی طاقت کے ساتھ دریا کی موجوں سے جنگ کرتے رہے لیکن پانی کا بہاؤ اتنا تیز تھا کہ وہ آپ کو بہا کر بہت دور لے گیا اور بلا آخر آپ ایک مقام پر کنارے جا لگے۔

موسم میں بدستور طوفانی حالت تھی، موسلا دھار بارش ہو رہی تھی اور طارق بن زیاد دریا کے کنارے پر پڑے بارش میں بھیگتے ہوئے سانس کے تیز چلنے کی وجہ سے ہانپ رہے تھے اور اپنی سانس درست کر رہے تھے کہ اچانک ان کی نگاہ ایک چٹان پر پڑی۔ انہیں ایسا لگا جیسے چاند زمین پر اتر آیا ہو یا کوئی جنت کی حور طوفان کا نظارہ کرنے آسمان سے اتری ہو اور دریا میں اُبھری ہوئی چٹان پر لیٹی ہو یا پھر کسی پری زاد نے یہاں بسیرا کر لیا ہو۔ سیاہ رنگ کی چٹان پر عظیم موہنی صورت والی لڑکی اور سنگِ مرمر سے تراشی ہوئی کوئی مورت موجود تھی۔

طارق بن زیاد ابھی محوِ نظارہ ہی تھے کہ اچانک ایک بجلی سی اُن کے خیالات پر آ گری اور ان کے دل کو جلا کر چلی گئی۔ پانی سے ایک بہت بڑی مگرمچھ نے سر اُبھار کر اس چٹان پر چڑھنا شروع کر دیا تھا جس پر وہ عظیم موہنی صورت والی پری موجود تھی۔

پھر کیا تھا۔ ایک دفعہ پھر طارق بن زیاد نے دریا میں چھلانگ لگائی اور قوت آزمائی کرتے ہوئے چٹان پر جا پہنچے۔ اس سے بیشتر کہ مگرمچھ اپنے غار نما منہ کو کھول کر اس خوبصورت لڑکی کو نگل جائے، طارق بن زیاد نے اپنی پیٹھ سے خنجر نکال کر اس پر حملہ کر دیا۔ پھر کیا ہونا تھا کہ مگرمچھ نے اب اپنا رُخ طارق بن زیاد کی طرف موڑ لیا۔

زوروں سے بجلی کڑکی اور دہشت کے ساتھ ہی شہزادی ''فلورنڈا'' کی غشی کی کیفیت ٹوٹ گئی اور اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا کہ جس چٹان پر وہ ابھی ابھی بیہوش پڑی تھی، اسی چٹان پر ایک مگرمچھ اور ایک انسان میں زبردست جنگ ہو رہی ہے۔ اس کے سر سے بہتا ہوا خون بند ہونے کا نام ہی نہیں لیتا تھا اور سر پھوڑے کی طرح دُکھ رہا تھا۔

طارق بن زیاد مگرمچھ پر متواتر وار کر رہے تھے لیکن مگرمچھ کی کھال پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔

جب کہ جواب میں مگرمچھ نے کئی مرتبہ طارق بن زیاد پر دھاوا بولا اور اپنی دم سے ان کو ہلاک کرنے کی کوشش کی۔ مگرمچھ کی پوری کوشش تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح طارق بن زیاد کو پانی کے اندر لے جائے۔ لیکن اس بات کا بخوبی اندازہ طارق بن زیاد کو بھی تھا کہ اگر وہ پانی کے اندر اتر گئے تو پھر مگرمچھ سے مقابلہ ناممکن ہوگا۔ ان کو معلوم تھا کہ.........

"پانی میں رہ کر مگرمچھ سے بیر عقل مندی نہیں۔"

شہزادی "فلورنڈا" زندگی اور موت کی اس جنگ کو دیکھ رہی تھی اور اسے نوجوان کی جوانی پر رحم آ رہا تھا۔ پھر ایک دم اس کے حلق سے چیخ نکلی۔ ایسے لگتا تھا جیسے اس کی جان نکل گئی ہو یا روح پرواز کر گئی ہو۔ مگرمچھ نے اپنی دم سے ضرب لگا کر طارق بن زیاد کو دریا میں پھینک دیا تھا اور پھر خود بھی چٹان سے دریا میں کود گئی تھی۔

شہزادی "فلورنڈا" نے مایوسی اور افسوس سے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور پانی میں دیکھا کہ ایک طوفان برپا تھا اور اندر سے خون نکل کر پانی کی سطح پر پھیل گیا تھا۔ اس کے بعد فوراً ہی مگرمچھ نے پانی کے اندر سے اپنی گردن نکالی۔

"فلورنڈا" کا دل ڈھل گیا اور وہ سمجھ گئی تھی کہ مگرمچھ نے پانی کے اندر اس نوجوان کو قتل کر دیا ہے اور یہ جو خون پانی کی سطح پر پھیلا ہوا ہے یہ اسی نوجوان کا ہے۔ "فلورنڈا" نے دیکھا کہ اچانک مگرمچھ نے پانی میں غوطہ لگایا اور اس مرتبہ وہی نوجوان پانی کے اندر سے اُبھر کر باہر آ گیا اور تیر کر چٹان پر جا پہنچا۔

"فلورندا" نے لب کشائی کرتے ہوئے کہا:

"اُف میرے خدا! تم زندہ ہو۔؟ تم ٹھیک تو ہو۔؟"

طارق بن زیاد نے سانس کے تیز چلنے کی وجہ سے باریک سی آواز میں جواب دیا:

"ٹھیک بھی ہوں اور زندہ بھی۔ موت تو اس مگرمچھ کی ہوئی ہے جو تمہیں بیہوشی کی حالت میں موت کے منہ میں لے جا رہی تھی۔ یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ میری

نظر پڑ گئی، ورنہ.....!

"ورنہ کیا.....؟"

"فلورنڈا" نے مسکراتے ہوئے کہا:

طارق بن زیاد نے جواب دیا:

"ورنہ! اب تک وہ تمہیں کھا کر اپنے پیٹ پر ہاتھ مل رہی ہوتی۔ اب ہمیں یہاں ایک پل بھی نہیں رکنا چاہیے، میرا اندازہ ہے کہ یہاں کے قرب و جوار میں انسان کو نوالہ بنانے والی مگرمچھوں کی کافی تعداد موجود ہے، جو ہمیں شکار کرنے کے لیے دریا سے نکل سکتی ہیں اور پھر ہم ان کا مقابلہ کرنے سے بھی تو قاصر ہیں۔ اٹھو.....جلدی اٹھو.....!"

طارق بن زیاد کی پکار....."چلو اٹھو:.....چلو....." سن کر شہزادی "فلورنڈا" نے اُٹھنے کی بہت کوشش کی، لیکن اسے اب محسوس ہو رہا تھا کہ سر کے علاوہ بھی اسے کئی ایک چوٹیں ایسی آئی ہیں جن کی وجہ سے وہ اپنے پاؤں پر کھڑی بھی نہیں ہو سکتی۔ اس نے بے بسی سے طارق بن زیاد کی طرف دیکھتے ہوئے بانسی آواز میں کہا:

"میں شاید اپنے پیروں پر کھڑی نہیں ہو سکتی۔ شاید.....اپنی منزل تک بھی اپنے آپ نہیں پہنچ سکتی۔"

طارق بن زیاد نے جواب دیا:

"محترمہ! آپ کے لیے اس موسم میں ڈولی کا بندوبست نہیں ہو سکتا اور نہ ہی میرا گھوڑا موجود ہے جس پر لاد کر میں آپ کو لے جاؤں۔"

یہ سن کر موت کے منہ میں ہونے کے باوجود شہزادی "فلورنڈا" کے ہونٹوں پر کچھ وافر ہی مقدار میں ہنسی آ گئی اور اس نے قدرے شرارت سے جواب دیا:

"گھوڑا نہیں تو کیا ہوا.....گدھا تو موجود ہے.....!"

طارق بن زیاد نے حیرت اور بناوٹی غصے سے جواب دیا:

"جی.....؟؟؟.....گدھا.....؟ آپ کا مطلب ہے کہ میں گدھا ہوں.....؟"

''فلورنڈا'' نے بے بسی کے عالم میں جواب دیتے ہوئے کہا:

''دراصل ابھی تک مجھے اپنے جسم پر لگنے والی چوٹوں کا اندازہ ہی نہیں ہے۔ اگر میں اپنے آپ اُٹھ کر چل سکتی تو آپ کا احسان لینے کی کیا ضرورت تھی......؟؟؟''

''ہُوں......!!!''

طارق بن زیاد نے لفظِ ''ہُوں'' کو ذرا لمبا کیا:

''تم نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ تمہیں لاد کر لے جانے کے لیے ایک گدھے کی ضرورت ہے......اور وہ گدھا......''

طارق بن زیاد نے رُک کر ''فلورنڈا'' کی آنکھوں میں اس طرح جھانکا تو ایک نقلی قہقہہ شہزادی ''فلورنڈا'' کے ہونٹوں سے پھوٹ پڑا اور اس نے کہا:

''نہیں......نہیں......! آپ گدھے تھوڑی ہو......آپ تو ایک انسان ہو......بہادر اور عظیم انسان......!''

طارق بن زیاد نے بات کاٹتے ہوئے کہا:

''بس بس!......میں سمجھ گیا۔!''

''فلورنڈا'' نے تعجبانہ انداز میں سوال کیا:

''کیا سمجھ گئے۔؟''

طارق بن زیاد نے جواب دیتے ہوئے کہا:

''یہی کہ اب مجھے ہی گدھا بن کر تمہیں لاد کر لے جانا پڑے گا۔''

شہزادی ''فلورنڈا'' نے بڑے اصلاحی انداز میں کہا:

''ایک مذاق پر آپ برا مان گئے ہو، حالانکہ مصیبت میں کسی کے کام آنا بہت بڑی عبادت ہے۔؟''

طارق بن زیاد نے جواباً کہا:

''اوہو......میں تو بھول ہی گیا تھا......؟ ٹھیک ہے اگر عبادت کے لیے گدھا بننا پڑے

بن جانا چاہیے......آیئے! یہ گدھا حاضر ہے۔''

یہ کہہ کر طارق بن زیاد نے شہزادی ''فلورنڈا'' کو کندھوں پر لاد لیا۔ ہڈیوں پر لگنے والی چوٹوں سے شہزادی ''فلورنڈا'' کا جسم کافی زخمی تھا۔ اس لیے جوں ہی طارق بن زیاد نے اسے اٹھایا تو درد کی وجہ سے اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔

طارق بن زیاد نے طنزیہ انداز میں کہا:

''کمال ہے......؟ چیخ تو ایسے رہی ہو جیسے عمر بھر شاہی بستروں اور عربی نسل گھوڑوں پر سواری کی ہو۔؟ جیسے شہزادی صاحبہ کے لیے مخمل اور اطلس کے گدوں والی پالکی موجود ہی ہو۔ ہُوں......رہنا جھونپڑوں میں اور خواب دیکھنے محلوں کے......محترمہ! کبھی سواری کے لیے گدھا بھی نصیب نہ ہوگا۔''

شہزادی ''فلورنڈا'' نے پیارے، دلکش اور جان لیوا انداز میں ہنسی کو ضبط کرتے ہوئے کہا:

''آج تو ہو گیا ہے۔''

طارق بن زیاد نے ڈرانے کے لیے پھول کی طرح نرم و نازک ''فلورنڈا'' کو کندھے سے اتار کر بازوؤں میں لے کر کہا:

''کیا کہا؟ یعنی پھر میں ہی گدھا......؟ پھینک دوں تمہیں کندھے سے اتار کر دریا میں۔؟''

شہزادی ''فلورنڈا'' نے چیختے ہوئے کہا:

''نہیں بابا......نہیں......! میری توبہ تم گدھے تھوڑی ہو......؟ تم تو نیک دل انسان ہو۔''

طارق بن زیاد شہزادی ''فلورنڈا'' کو اٹھائے کنارے پر پہنچے تو مسلسل بھیگنے کی وجہ سے سردی لگ رہی تھی۔ شہزادی ''فلورنڈا'' اس سردی کی وجہ سے کانپ رہی تھی۔ بارش ابھی تک موسلادھار ہو رہی تھی۔ طارق بن زیاد نے گرد و نواح پر نظر ڈالی۔ اُن کو محسوس ہو رہا تھا کہ

اگر جلدی ہی اس لڑکی کو سردی سے نہ بچایا گیا تو اس کی جان کو خطرہ ہو سکتا ہے۔ ا
قریب ہی ایک پہاڑ میں ان کو ایک غار نظر آئی۔ وہ بارش سے بچنے کے
شہزادی ''فلورنڈا'' کو لے کر اس غار کے اندر جا پہنچے۔

طارق بن زیاد نے سردی سے بچانے کے لیے کانپتی ہوئی شہزادی ''فلورنڈا'' کو
قدرے صاف پتھر پر بٹھاتے ہوئے کہا:

''تم! یہاں بیٹھو میں کہیں سے گھاس پھوس اکٹھی کر کے لاتا ہوں۔؟ جس سے آ
روشن کر کے تم کو سردی سے نجات دلائی جا سکے۔''

شہزادی ''فلورنڈا'' نے کانپتے ہوئے کہا:

''مجھے تنہا چھوڑ کر مت جاؤ۔ اکیلے ڈر لگے گا۔''

طارق بن زیاد نے قدرے تعجبانہ انداز میں جواب دیتے ہوئے کہا:

''اب تم کوئی دودھ پیتی بچی تو ہو نہیں...... ڈر لگتا ہے......؟ ایسا ہی ڈر تھا تو کس ۔
تمہیں گھر سے نکلنے کا مشورہ دیا تھا......؟ خدا کی پناہ ان عورتوں سے...... طوفان میں تو در
میں اتریں گی اپنی مرضی اور اپنی خواہش کے لیے...... لیکن......''

شہزادی ''فلورنڈا'' نے طارق بن زیاد کی بات کو کاٹتے ہوئے قدرے ناراضگی سے
جواب دیا:

''دیکھو اجنبی! اپنے احسان اور مہربانی کو اپنی زبان کے زہر سے ضائع نہ
کرو۔ میرے کردار پر کسی قسم کا طنز کرنے سے پہلے یہ یقین کرو کہ آج تک اس قسم کے تلخ
الفاظ ہماری سماعت سے نہیں گزرے۔''

طارق بن زیاد نے طنزیہ انداز میں جواب دیا:

''بہت خوب! گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے جیسے کسی شاہی خاندان سے تعلق ہو......؟ معافی
چاہتا ہوں شہزادی صاحبہ کیا کروں......؟ اپنے آپ کو برا کہنے کو دل کرتا ہے کہ جس نے خواہ
مخواہ اوکھلی میں سر دیا ہے...... اچھا بھلا جا رہا تھا شیر کی ادا اچھی لگی اس کی طرح

میں کود پڑا، کیا علم تھا شیر کی بجائے گیدڑ بننا پڑے گا......؟''

شہزادی ''فلورنڈا'' نے شرارتی انداز میں قہقہہ لگاتے ہوئے کہا:

''تم اور شیر......؟''

طارق بن زیاد نے ''فلورنڈا'' کو جواب دیتے ہوئے کہا:

''دیکھو لڑکی! میں ایک سپاہی ہوں اور اپنی شان کے خلاف کوئی بات برداشت نہ
کروں گا۔!''

شہزادی ''فلورنڈا'' نے کہا:

''واہ...... میں نے تمہاری شان کے خلاف کیا بات کی ہے......؟ میرا مطلب تو یہ
کہ شیر اور دُم کے بغیر......؟ جس شیر کی بات تم کر رہے ہو وہ بھی دُم کے بغیر ہی
؟''

طارق بن زیاد نے غار کے اندھیرے میں گم ہوتے ہوئے کہا:

''نہیں...... اس کی ایک چھوٹی سی تھی......!''

طوفان کی شدت میں تا حال کوئی کمی نہ آئی تھی۔ غار کے اندر ہی طارق بن زیاد کو چند
ھی ہوئی بیلیں اور خشک گھاس وغیرہ مل گئی تھی، جس سے انہوں نے آگ روشن کر کے
دی کی شدت کو ختم کر دیا۔ شہزادی ''فلورنڈا'' اور طارق بن زیاد کے درمیان آگ کا الاؤ
ن تھا۔ طارق بن زیاد نے اپنا جبہ بھی اتار کر شہزادی ''فلورنڈا'' کو دے دیا تھا تا کہ اس کی
ے شہزادی ''فلورنڈا'' سردی سے بچ سکے۔

اس جبہ سے شہزادی ''فلورنڈا'' کو بہت سکون ملا تھا۔ اب وہ اُونگھنے لگی تھی۔ باہر رات
پاؤں گزر رہی تھی۔ آہستہ آہستہ طوفان کا زور بھی ختم ہو گیا تھا۔ طارق بن زیاد جاگ
تھے۔ ان کو جاگ کر اس لڑکی کی حفاظت کرنی تھی، ان درندوں سے جو ایسے موسم
پناہ لینے کے لیے غاروں میں چلے آتے ہیں۔

طارق بن زیاد ایک انجانی لڑکی کے حسن سے بری طرح متاثر ہو گئے تھے۔ زندگی

میں پہلی بار انہوں نے کسی عورت کی طرف محبت کی نظر سے دیکھا تھا۔ ان کے دل نے
مرتبہ ان کو بتایا تھا کہ سپاہی تلوار کی بجائے کسی عورت سے بھی محبت کر سکتا ہے۔ وہ ''طنجہ
حاکم تھے اور اپنے آقا اور والیٔ افریقہ موسیٰ بن نصیر سے جنگی معاملات میں مشورہ کر کے لو
رہے تھے کہ راستے میں اس طوفان نے آلیا۔ آپ نے اپنے دل ہی دل میں کہا:

''یہ آنچ دیتی ہوئی برسات کی رات ابن زیاد کو زندگی بھر یاد رہے گی جو اس نے آ
آسمانی حور کے قریب رہ کر گزاری اور پھر بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے را
پر قائم رہا۔''

اُدھر اطلس کے نرم و نازک اور خوبصورت گدوں پر سونے والی شہزادی کو بھلا پتھر
کے بستر پر کیسے نیند آسکتی تھی۔ شہزادی ''فلورنڈا'' کروٹیں بدل رہی تھی، لیکن آخر مش
مشہور......

''نیند تو سولی پر بھی آجاتی ہے۔''

کے مصداق کے مطابق شہزادی ''فلورنڈا'' کو بھی ان پتھروں کے بستر پر نیند آ ہی
اور اس کی حفاظت کے خیال سے طارق بن زیاد رات بھر جاگتے رہے۔

☆☆☆

یہودا اپنے یہودی دوست کے پاس

یہودا اپنا گھر اور ساری پونجی چھوڑ کر بھاگا۔ وہ بھاگتا ہی چلا گیا۔ شہر سے باہر ایک اور دولت مند یہودی ''قیصر'' رہتا تھا۔ یہ اس کا بڑا دوست تھا۔ وہ سیدھا وہیں پہنچا۔ اُس نے اس حالِ زار میں جو یہودا کو دیکھا تو پہلے بڑے تپاک اور اخلاق سے ملا، پھر حیرت اور استعجاب کے ساتھ پوچھا:

''یہودا یہ کیا حال ہے۔؟''

یہودا رونے لگا۔ اس کی پری پیکر بیوی ''روکسین'' کی آنکھوں سے موتی برسنے لگے اور مارٹین......؟ وہ خاموش تھی۔ جیسے ایک نہایت حسین و جمیل تصویر......!

قیصر نے پھر پوچھا:

''یہودا بتاؤ کیا ماجرا ہے۔؟''

یہودا نے روتی ہوئی آواز میں سارا ماجرا سنا ڈالا اور کہا:

''کیا تم پناہ دے سکو گے ہمیں۔؟''

قیصر کے چہرے پر خشکی و اضطراب کے آثار طاری ہو گئے۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

روکسین بولی:

''تم ہمارے ہم مذہب ہو تمہارے سوا اور ہم کہاں جا سکتے تھے۔؟ کون ہمیں سہارا

دے گا۔؟"

قیصر اب بھی خاموش تھا:

مارٹین نے نفرت بھری نگاہوں سے قیصر کو دیکھا اور کہا:

"ہاں! زندگی اتنی قیمتی تو نہیں ہوتی کہ اس کے لئے ذلت سہی جائے۔ چلو! ہم اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دیں۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا نا کہ ہم مار ڈالے جائیں گے۔ سو اس زندگی سے موت کئی ہزار درجے اچھی ہے۔"

لیکن یہودا گرفتار ہونے اور مرنے کیلئے تیار نہیں تھا۔ اس نے کہا:

"نہیں نہیں بیٹی! تو ہر جگہ بھڑک اٹھتی ہے۔ موقع محل دیکھ کر بات کیا کر۔! یہ ہمارے دوست ہیں۔ یہ ہمیں گرفتار نہیں ہونے دیں گے...... یہ ہمیں مرتا نہیں دیکھ سکتے۔ یہ پناہ دیں گے ہمیں۔!"

قیصر اب تک خاموش تھا:

یہودا نے بڑی بے بسی کے ساتھ اپنے دوست کے شانے جھنجوڑ ڈالے اور کہا:

"قیصر! تم خاموش کیوں ہو۔؟"

اب اُس کا قفل سکوت ٹوٹا۔ اُس نے کہا:

"میں خاموش کیوں ہوں۔ تم نہیں جانتے۔؟"

یہودا نے کہا:

"بالکل نہیں۔"

قیصر زہر میں بجھی ہوئی ہنسی ہنسا اور اُس نے بڑی ملائمت سے کہا:

"میں تمہیں بچانا چاہتا ہوں لیکن سوچ رہا ہوں کہ کیوں کر بچاؤں۔ عیسائی اپنا شکار آسانی سے نہیں چھوڑتے۔ تمہاری تلاش میں پولیس گھوم رہی ہوگی اور وہ یہاں کسی یہودی گھر کو نہیں چھوڑے گی۔ آج ہر یہودی کے گھر میں تم کو ڈھونڈا جائے گا اور جہاں تم مل جاؤ گے پکڑ لیے جاؤ گے۔ پھر نہ تمہاری خیر ہے اور نہ تمہارے بچانے والے کی۔!"

یہودا کی آنکھوں سے پھر آنسو جاری ہو گئے۔ اُس نے بڑی بیتابی سے قیصر کے ہاتھ لیے پھر اس کے پاؤں چھوتے ہوئے کہا:

"کیا تم مجھے پناہ نہ دو گے۔؟"

قیصر نے کہا:

"بتاؤ......! کس طرح......؟ کیوں کر......؟"

یہودا نے کہا:

"اچھا! میں بھاگ جاتا ہوں۔ شاید کہیں اور پناہ مل جائے۔ نہ ملی تو مجھے گرفتار ہونے اور سزا پانے میں بھی عذر نہیں۔ مگر کم از کم اتنا تو کرو کہ میری بیوی اور میری بچی کو اپنے ہاں رکھ لو۔"

قیصر کچھ سوچنے لگا۔ یہودا زور سے چیخا:

"کیا ایک یہودی ایک یہودی کے ساتھ اتنا بھی نہیں کر سکتا۔؟ پھر تم حکومت کی نظر میں بھی معتوب نہیں ہو، بلکہ میں جانتا ہوں وزیر اعظم یہودی دشمن ہونے کے باوجود تم پر کافی بھروسہ کرتے ہیں۔!"

قیصر نے کہا:

"ہاں! تم ٹھیک کہتے ہو۔ وزیر اعظم مجھ پر کافی بھروسہ کرتے ہیں۔ لیکن جانتے ہو کیوں۔؟"

یہودا نے جواب دیا:

"نہیں! بتاؤ!"

قیصر ہنسا اور اُس کی ہنسی کتنی زہر میں بجھی ہوئی تھی۔ پھر گویا ہوا:

"اس لیے کہ میں نے بہت سے یہودیوں کی نشان دہی کرا کر انہیں قتل کرایا ہے۔"

یہودا نے حیران ہو کر پوچھا:

"تم نے۔؟"

قیصر نے کہا:

''میں نے بہت سی خوب رو اور عشوہ طراز یہودی لڑکیوں کو وزیرِاعظم اور با
سلامت کے محل میں پہنچا کر بے عصمت اور بے آبرو کرایا ہے۔''

یہودا چیخ پڑا:

''قیصر! تم نے۔؟''

قیصر نے کہا:

''میں نے بڑے بڑے یہودیوں کی تجوریوں اور خزانوں کی کنجیاں لے جا کر وزیر
اور بادشاہ سلامت کے سامنے ڈال دی ہیں اور ان مالدار اور دولت مند یہودیوں کو بھیک
دیا ہے۔''

یہودا پر بے ہوشی کی سی کیفیت طاری ہونے لگی، سر چکرانے لگا اور آنکھوں تلے ا
آنے لگا۔ اگر اس کی بیوی روکسین اور اس کی بیٹی مارٹین اُسے سہارا نہ دیتیں تو
پڑتا۔ بڑی مشکل سے وہ آہ کر کے وہیں فرش پر بیٹھ گیا اور اس نے کانپتی ہوئی آواز میں

''لیکن قیصر! میں تو تمہیں بہت دنوں سے جانتا ہوں۔ تم تو میرے بہت پ
دوست ہو۔ ہم روزانہ ایک دوسرے کے پاس بیٹھا کرتے تھے۔؟''

قیصر کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ وہ بگڑ کر بولا:

''تو اس سے کیا ہوتا ہے۔؟ کیا تم مجھے جھوٹا سمجھتے ہو۔؟''

یہودا نے سسکتے ہوئے کہا:

''نہیں میرے دوست۔!''

قیصر نے کہا:

''میں جھوٹ نہیں بولتا۔ سچ کہتا ہوں۔ میں نے وہ سب کچھ کیا ہے۔ جو تم سے
کہہ چکا ہوں اور صرف اسی طرح میں اپنی دولت، عزت اور اپنی لڑکیوں کی ناموس ب
ہوں۔ ورنہ! میں بھی آج اسی طرح کہیں پناہ مانگ رہا ہوتا جس طرح تم۔!''

یہودا نے کہا:

''کوئی حرج نہیں میرے دوست! تم نے جو کچھ کیا اچھا کیا۔ میں تم پر اعتراض نہیں
کرتا۔ میں تو تمہاری شخصیت سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں۔ جب تم اتنے بڑے کارنامے سر
انجام دے چکے ہو تو پھر ہم تباہ حالوں کو ضرور بچا سکتے ہو۔''

قیصر نے کہا:

''ہرگز نہیں۔''

اب یہودا کی بیوی روکسین سے ضبط نہ ہو سکا۔ وہ بلکتی ہوئی بولی:

''لیکن کیوں۔؟''

قیصر نے کہا:

''اس لیے کہ تمہیں پناہ دے کر میں اپنا بھرم کھو دوں گا۔ میری وقعت ختم ہو جائے گی۔
تمہاری طرح میں بھی پکڑ لیا جاؤں گا اور میرا بھی وہی حشر ہو گا جو تمہارا ہونے والا ہے۔''

روکسین بیچاری کیا کہتی لیکن یہودا نے ایک مرتبہ پھر ہمت کی اور کہا:

''میرے دوست! کیا تم میری سفارش بھی نہیں کر سکتے۔؟''

قیصر نے کہا:

''افسوس کہ نہیں......''

یہودا نے لرزتی ہوئی آواز سے کہا:

''میں اپنا مکان نہیں چاہتا۔ دولت نہیں چاہتا۔ باغات نہیں چاہتا۔ ساز و سامان بھی
نہیں چاہتا۔ یہ سب چیزیں تم لے لو اور اپنے وزیرِاعظم اور بادشاہ سلامت کی خدمت میں
ایک حقیر تحفہ کے طور پر پیش کر دو۔ اس کے بدلے میں صرف اتنا کرو کہ چند روز کیلئے ہمیں
پناہ دے دو۔''

قیصر نے پوچھا:

''چند روز کے بعد تم کیا کرو گئے۔؟''

یہودا نے بے بسی کے ساتھ کہا:

"یہ دیس چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں گے۔"

قیصر کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر اُس نے کہا:

"لیکن تم نہیں جاسکتے کہیں بھی۔"

یہودا نے کہا:

"کیا مطلب۔؟"

قیصر نے کہا:

"تمہیں نہیں جانے دیا جائے گا۔"

یہودا بولا:

"کیوں آخر۔؟"

قیصر نے کہا:

"تم اپنے ساتھ بہت بڑی دولت لیے جا رہے ہو اور حکومت اسے گوارا نہیں کر سکتی۔"

یہودا نے عاجزی کے ساتھ کہا:

"قیصر! میں جانتا ہوں تم بڑے مسخرت ہو لیکن یہ وقت مذاق کا نہیں۔"

قیصر نے سنجیدگی کے ساتھ کہا:

"مذاق نہیں کرتا۔ سچ کہتا ہوں۔ روکسین تمہاری بیوی اور مارٹین تمہاری بیٹی بہت بڑی دولت ہیں۔ پولیس افسر کے گھر سے لے کر بادشاہ کے محل تک ان کی اچھی سے اچھی قیمت لگے گی۔ انہیں ساتھ لے جانے کی کوشش کرو گے تو خود بھی نہ جا سکو گے۔!"

یہودا نے گلوگیر آواز میں کہا:

"قیصر! خدا سے ڈرو۔! کیا تمہاری کوئی لڑکی نہیں ہے۔؟"

قیصر نے جواب دیا:

"کیوں نہیں۔؟ میں تین لڑکیوں کا باپ ہوں۔"

یہودا نے کہا:

"کیا تم سمجھتے ہو وہ بچ جائیں گی۔؟"

قیصر نے جواب دیا:

"انہیں کے بچانے کیلئے تو یہ سب پاپڑ بیلنا پڑ رہے ہیں۔"

یہودا حیرت سے قیصر کی طرف دیکھنے لگا۔ قیصر نے کہا:

"اگر میں یہودیوں کو بچاؤں تو خود کو نہیں بچا سکتا۔ اگر میں اپنی ہم مذہب عورتوں اور لڑکیوں کی آبرو اور عصمت کی حفاظت کروں تو اپنی لڑکیوں کی آبرو اور عصمت کی حفاظت نہیں کر سکتا اور یہ انسان کی فطرت ہے کہ پہلے وہ اپنا بھلا دیکھتا ہے پھر کسی دوسرے کا۔ میں ہر قیمت پہلے اپنے آپ کو بچاؤں گا پھر کسی دوسرے کے بارے میں سوچوں گا۔"

اب پھر مارٹین سے ضبط نہ ہو سکا۔ وہ اپنے باپ سے مخاطب ہو کر بولی:

"آپ بہت اچھی جگہ آئے اور واقعی یہ بہت سچے یہودی ہیں۔"

وہ کچھ اور کہنا چاہتی تھی کہ قیصر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا:

"بیٹی! تم اس سے زیادہ کڑوے طعنے مجھے دے سکتی ہو اور خاموشی کے ساتھ میں انہیں سن لوں گا۔ ان باتوں کا اب مجھ پر ذرا بھی اثر نہیں پڑتا۔ لیکن کروں گا وہی جو کہہ رہا ہوں۔ بہر حال مجھے اپنی جان یہودا سے اور اپنی بچیوں کی آبرو تم سے زیادہ عزیز ہے۔"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ قیصر کا ایک ملازم آیا اور ادب سے سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

قیصر نے پوچھا:

"کیا ہے۔؟"

اُس نے جواب دیا:

"پولیس نے سارے گھر کا محاصرہ کر لیا ہے اور افسرِ اعلیٰ صاحب۔"

قیصر نے جملہ پورا کیا:

"تشریف لا رہے ہیں۔؟ یہی نا۔؟"

ملازم نے کہا:

"جی۔!"

قیصر نے کہا:

"تو انہیں آنے دو! بلکہ جاؤ! ادب اور احترام کے ساتھ لے آؤ۔!"

ملازم چلا گیا۔ یہودا، روکسین اور مارٹین کے چہرے سفید پڑ گئے۔ معلوم ہوتا تھا کسی نے ان سب کا سارا خون سونت لیا ہے۔ اتنے میں پولیس کے افسرِ اعلیٰ صاحب نمودار ہوئے۔ ہاتھ میں طمنچہ، پیچھے کئی مسلح سپاہی اور ساتھ ساتھ وہ عیسائی ملازم۔ جارج نے یہودا ، روکسین اور مارٹین کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"یہ ہیں کلیسا کہ مجرم۔"

یہودا آگے بڑھا اور اس نے کہا:

"میرے نمک حلال دوست! تم سچ کہتے ہو۔ ہم مجرم ہیں اور حاضر ہیں۔!"

پولیس افسر نے قیصر سے کہا:

"آپ نے کلیسا کے مجرم کو پناہ دی۔؟"

قیصر ہنسا اور اس نے کہا:

"یہ غلطی مجھ سے آج تک نہیں ہوئی اور نہ آئندہ کبھی ہوگی۔ یہ میرے پاس پناہ لینے آئے اور میں نے انکار کر دیا۔"

پولیس افسر نے قیصر کی پیٹھ ٹھونکی اور کہا:

"آپ سے یہی اُمید تھی۔"

قیصر نے کہا:

"لیکن ان لوگوں کو مجھ سے یہ اُمید نہ تھی۔"

پولیس افسر کے ساتھ سب لوگ زور زور سے ہنسنے لگے۔

قیصر نے کہا:

"اب آپ آئے ہیں تو ذرا اوپر تشریف رکھیے۔ مجھے کچھ خاطر تواضع کی عزت تو بخشیے۔"

پولیس افسر نے کہا:

"آپ کی خاطر تواضع ہمارے لیے کوئی نئی چیز نہیں۔ اس وقت نہیں تو پھر سہی۔ مقدس ار منتظر ہوں گے۔ اب اجازت دیجئے۔"

قیصر خاموش ہو گیا اور پولیس ان مجرموں کو گرفتار کر کے کلیسا کی طرف روانہ ہو گئی۔

☆☆☆

اسقفِ اعظم اور مجرمین کلیسا

اندلس کے سب سے بڑے کلیسا کا پیشوا اسقفِ اعظم کلیسا کے صحن میں غصہ اضطراب کے ساتھ ٹہل رہا تھا۔ بار بار اس کی نظر سامنے سڑک پر کسی کی تلاش میں جاتی اور ناکام و نامراد واپس آتی تھیں۔ اس کے دو تین شاگرد دست بستہ کھڑے تھے۔ گرج چند ننیں بھی کچھ سہمی ہوئی اور کچھ دہشت زدہ سی موجود تھیں۔

ننیں یہ وہ عورتیں تھیں جنھوں نے زندگی بھر شادی نہ کرنے یعنی حضرت مریم (السلام) کی طرح ''کنواری'' اور سراپا عصمت زندگی بسر کرنے کا عہد کیا تھا۔ ان کی زندگ مقصد صرف یہ تھا کہ عبادت و ریاضت کریں، انہیں دنیا سے اور دنیا والوں سے کوئی وا نہیں تھا۔ اچھا کھانا پینا اور اچھے کپڑے پہننا ان ننوں پر حرام تھا۔ مردوں سے میل جول اختلاط بھی ان کے نزدیک بہت بڑی لعنت تھی۔ ان کے دل میں کوئی ایسی خواہش پر نہیں چڑھ سکتی جو جوانی کے زمانہ میں دل میں پیدا ہوا کرتی ہے۔ اس کے باوجود ایک آ چھوڑ کر تقریباً سب کی زندگی طوائف سے بھی زیادہ مصروفیت اور عیاشی میں بسر ہوتی ۔ خواہ جبر سے خواہ مرضی سے۔

یہ ان ننوں کا حال تھا جو اس وقت اسقفِ اعظم کے سامنے مؤدب کھڑی انتظا اضطراب میں برابر کی شریک تھیں۔ ان میں سے ایک کا نام ''لیزنا'' تھا۔ اس کی عمر مش سے ''18'' سال کی ہوگی۔ اس کی رعنائی اور خوب صورتی بیان نہیں کی جا سکتی۔ پھولو

صورتی اور رعنائی اس کے آگے ہیچ تھی۔ اس میں وہ صباحت تھی جو صبح کے خنک اور ٹھنڈے منظر میں ہوتی ہے۔ ستاروں نے روشنی اس کی آنکھوں سے چرائی تھی۔ چاند کی جھلک دمک اس کے چہرۂ روشن کا عکس تھی۔ سورج کا وقار، اس کے وقار اور جلال کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا رہتا تھا۔ یہ سب سے الگ اور خاموش کھڑی تھی اور اسقفِ اعظم کی طرح بار بار سڑک کا جائزہ لے رہی تھی۔ اب اسقفِ اعظم کے صبر کا پیمانہ چھلک رہا تھا۔ اس نے ٹہلتے ہوئے کہا:

''اب تک نہیں آئے کمبخت۔!''

ایک نن بولی:

''نہ جانے کہاں چھپ گئے ہوں گے جا کر۔''

دوسری نے کہا:

''ہمارے ملک میں اور اس شہر میں یہودیوں کی کمی تو نہیں۔ کسی نہ کسی نے پناہ دے دی ہو گی۔''

اسقفِ اعظم یہ سن کر تڑپ ہی تو گیا۔ اس نے کہا:

''اگر یہودا کی بیٹی مارٹین نہ ملی تو سارے یہودیوں کو پھانسی کے تختے پر لٹکنا ہوگا۔ ان کی ساری دولت چھین لی جائے گی۔ ان کی تمام جائیدادیں ضبط کر لی جائیں گی۔''

پہلی نن نے کہا:

''مارٹین میں ایسی کیا بات ہے فادر!''

اسقفِ اعظم نے کہا:

''وہ کلیسا کی امانت ہے۔ اس شہر میں اس سے زیادہ حسین و جمیل کوئی نہیں۔ وہ اس دنیا کی نہیں آسمان کی مخلوق ہے۔ یہ کلیسا اس کے بغیر سنسان ہے۔''

وہ نن مسکرائی۔ اُس نے کہا:

''کیا ہماری لیزنا کے سامنے وہ ٹھہر سکے گی۔؟''

لیز نا کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔ اسقفِ اعظم بھی سٹ پٹا گئے۔ کچھ جواب د۔
نہ بن پڑی۔ وہ کسی درجہ میں لیز نا کی توہین کرنا نہیں چاہتے تھے۔ جھلا گئے اور کہا:

''تم بے وقوف ہو۔؟''

بھولے پن سے وہ پوچھنے لگی:

''کیوں۔؟ فادر!''

اسقفِ اعظم نے کہا:

''میں یہودیوں کا ذکر کر رہا ہوں یا عیسائیوں کا۔؟ مارٹین عیسائی نہیں یہودی ۔
لیز نا یہودی نہیں عیسائی ہے۔ لیز نا کا مقابلہ کون کر سکتا ہے۔؟''

لیز نا نے زخمی سانپ کی طرح بل کھاتے ہوئے پہلی نن سے کہا:

''میرا ذکر کیوں چل پڑا۔؟ میں یہ بالکل پسند نہیں کرتی۔''

وہ ابھی کچھ جواب نہ دے پائی تھی کہ سامنے سے گرد اُڑتی دکھائی دی اور اسقفِ اع
نے بے ساختہ کہا:

''وہ لوگ آ گئے۔''

ایک نن نے لقمہ دیا:

''اور مارٹین بھی۔''

اسقفِ اعظم نے کہا:

''ہاں! مارٹین بھی۔ میں نے حکم دیا تھا کہ بغیر مارٹین کے اِدھر کا رخ نہ کرنا۔ میں ۔
انہیں یہ بھی بتا دیا تھا کہ اگر وہ ناکام آئے تو میں براہِ راست بادشاہ سے شکایت کر دوں گا ا
پھر صرف نوکری ہی کی نہیں بلکہ ان کی جان کی بھی خیر نہ ہو گی۔!''

نن نے کہا:

''مجھے یقین ہے یہودا کی بیوی روکسین بھی ان کے ساتھ ہے۔''

اتنے میں مطلع صاف ہوا۔ پولیس گھوڑوں پر سوار گرجا کے صحن میں داخل ہو

پولیس افسر نے یہودا، روکسین اور مارٹین کو مجرموں کی طرح اسقفِ اعظم کے سامنے پیش
کیا۔

اسقفِ اعظم نے ایک نظر ان مجرموں پر ڈالی اور یہودا سے کہا:

''تم بھاگ گئے تھے۔؟ تم نے یہ نہ سوچا کہ یہ ہمارا ملک ہے۔ تمہیں کہیں پناہ نہیں مل
سکتی۔؟''

یہودا نے لرزتے ہوئے کہا:

''فادر!''

یہودا کے عیسائی ملازم نے ٹوکتے ہوئے کہا:

''تم اپنے ناپاک منہ سے ''فادر'' کا پاک جملہ ادا نہیں کر سکتے۔ حضور
کہو! حضور......!''

یہودا پھر گویا ہوا:

''حضور! میں مجرم نہیں۔ میں نے کوئی خطا نہیں کی۔ یہ میرا ملازم جارج نمک حرام
ہے۔ اس نے خواہ مخواہ مجھے برباد کرنے کی ٹھانی ہے۔''

اسقفِ اعظم کو غصہ آ گیا اس نے کہا:

''تم میرے سامنے ایک عیسائی کو نمک حرام کہتے ہو۔ یہ جرأت۔؟''

یہودا سہم گیا اور اس نے کہا:

''میں نے غلط کہا حضور! یہ میرے دوست ہیں۔!''

''دوست۔؟''

اسقفِ اعظم نے کہا۔

یہودا نے پھر بات بدلی:

''نہیں حضور! دوست نہیں! آقا۔! یہ میرے آقا ہیں۔! میں ان کا غلام ہوں لیکن
انہیں اپنے خادم کے بارے میں کچھ غلط فہمی ہو گئی ہے۔!!!''

اسقفِ اعظم کو ہنسی آ گئی۔ یہودا کی بیٹی مارٹین غصہ سے کانپ رہی تھی۔ اُس کی آواز فضا میں گونجی۔ اُس نے اپنی انگشت حنائی سے ایک انگوٹھی اُتاری اور باپ یہودا کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی:

"اس میں ہیرا ہے اور یہ فوراً آپ کی زندگی کا خاتمہ کر سکتا ہے۔!"

یہودا حیرت سے بیٹی کی طرف دیکھنے لگا۔

مارٹین نے کہا:

"آپ مجھے حیرت سے کیوں دیکھ رہے ہیں۔؟ کیا ایسی ذلت کی زندگی سے آپ موت کو ہزار درجہ بہتر نہیں سمجھتے۔؟ اب آپ کو مر جانا چاہیے۔ بزدلوں کو خدا بھی معاف نہیں کرتا۔"

اسقفِ اعظم نے انگشتری مارٹین کے ہاتھ سے جھپٹ لی اور ملائمت کے لہجہ میں کہا:

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ خداوند یسوع کی حکومت یہاں بھی ہے اور وہاں بھی۔ اس دنیا میں بھی اور اُس دنیا میں بھی۔ کوئی گنہگار خودکشی کر کے اپنے جرم کی سزا سے نہیں بچ سکتا۔"

مارٹین نے انگوٹھی واپس لے کر اپنی انگلی پر پہنتے ہوئے ایک نفرت کی نگاہ اسقفِ اعظم پر ڈالی اور کہا:

"میں آپ کے خداوند یسوع کو نہیں جانتی اور نہ میں آپ کے خدا کی قائل ہوں۔"

اسقفِ اعظم تھرّا گیا اور اس نے کہا:

"لڑکی! تو کیا کہہ رہی ہے۔ دیوانی ہوئی ہے۔؟"

وہ بولی:

"یہی سمجھ لیجئے! میں اس خدا کے آگے سر نہیں جھکا سکتی جو ظالموں کا ساتھ دیتا ہو اور مظلوموں کی مدد نہ کرتا ہو۔ جس کے دربار میں سچی بات نہ سنی جاتی ہو اور جھوٹ کی قدر کی جاتی ہو۔"

اسقفِ اعظم کو جلال آ گیا اور وہ گویا ہوا:

"یہ کفر ہے۔!"

وہ بے نیازی کے ساتھ بولی:

"ہاں! میں کافرہ ہوں۔ آپ جو سزا دے سکتے ہوں دے دیجئے۔!"

اسقفِ اعظم نے پیار کے انداز میں کہا:

"کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ تم اپنے گناہوں سے توبہ کر لو اور......!"

مارٹین نے آگے اسقفِ اعظم کو کچھ نہ کہنے دیا اور خود یوں گویا ہوئی:

"گناہ۔؟ گنہگار ہیں آپ! کہ مدد کے بجائے ہم پر ظلم کر رہے ہیں۔ یہ پولیس کے سپاہی گنہگار ہیں جنہوں نے ہم بے گناہوں کو گرفتار کیا۔ یہ افسرِ اعلیٰ گنہگار ہیں جو راستے بھر میری چٹکیاں لیتے آئے ہیں۔ آپ کے وزیرِ اعظم صاحب بھی گنہگار ہیں جو یہودیوں کے ساتھ وہ سلوک کرتے ہیں جو کتا شکار کے ساتھ کرتا ہے۔ آپ کے بادشاہ سلامت گنہگار ہیں جو انصاف کو کند چھری سے روز ذبح کیا کرتے ہیں۔ میں کیوں گنہگار ہوئی۔؟ اور ہاں یہ نمک حرام جارج بھی گنہگار ہے جو ہمارے ٹکڑوں پر پلا، لیکن مجھے مجرمانہ نظروں سے گھورا کرتا تھا اور جب میری شکایت پر میرے ماں باپ نے اسے ڈانٹا تو اُس نے غل مچا دیا اور یہودی عیسائی سوال پیدا کر کے ہمارا گھر لوٹ لیا۔ اُس میں آگ لگا دی۔"

اسقفِ اعظم مارٹین کے ایک ایک لفظ پر تلملا رہے تھے۔ وہ ابھی کچھ کہنے نہ پائے تھے کہ یہودا کا ملازم جارج چیخا:

"جھوٹ! بالکل جھوٹ! میں نے کوئی بات بھی نہیں کی۔ سارے الزامات غلط ہیں۔ یہ لڑکی خود مجھے گھورا کرتی تھی۔ یہ مجھ پر فریفتہ تھی۔ میرے گلے میں بانہیں ڈال کر معاشقہ کیا کرتی تھی۔ میں نے صرف یہ شرط رکھی تھی کہ عیسائیت قبول کر لے اس پر اس نے اپنے باپ سے شکایت کر کے میری نہیں یسوع مسیح کی توہین کرائی۔"

مارٹین نے ڈانٹتے ہوئے کہا:

"چپ! او نمک حرام انسان! نہیں! میں نے غلط کہا تو انسان نہیں "کتا" ہے۔ پھر میں نے غلطی کی، تو کتا بھی نہیں بلکہ کتا بھی تجھ سے اچھا ہوتا ہے۔ وہ اپنے مالک کا وفادار رہتا ہے، اس پر جان نثار کرتا ہے اور یہ تو نے کیا کہا۔؟ میں تجھ پر عاشق تھی۔؟ تو تو کیا ہے تیرے بادشاہ سلامت اگر جوتیاں چٹخاتے میرے پیچھے پھریں تو میں ان پر بھی نہ تھوکوں۔!"

جارج سے تو کچھ جواب نہ بن آیا لیکن اسقف اعظم نے غصہ کے عالم میں کہا:

"مارٹین! تم بہت بڑھ رہی ہو۔!"

مارٹین نے کہا:

"کیا مطلب۔؟"

اسقف اعظم نے کہا:

"تم نے صرف اسی کی توہین نہیں کی بلکہ میری بھی، کلیسا کی بھی اور بادشاہ سلامت کی بھی توہین کی ہے۔ یہ جرم ہرگز معاف نہیں ہوسکتا۔"

استغنا کے ساتھ مارٹین نے جواب دیا:

"تو معافی طلب کون کر رہا ہے۔؟ یہ مغالطہ آپ کو کیوں ہوا۔؟"

اسقف اعظم نے کہا:

"تم سزا کے لئے تیار ہو جاؤ۔!"

"بڑے شوق سے۔"

مارٹین گویا ہوئی۔

"لیکن سزا پانے کے بعد تمہارا یہ جوش قائم نہ رہے گا۔"

اسقف اعظم نے کہا۔

وہ بولی:

"سزا دے کر دیکھ لیجئے۔!"

اسقف اعظم نے تالی بجائی۔ فوراً چار غلام حاضر ہوئے۔ اُس نے مارٹین کی طرف

دیکھ کر کہا:

"اسے قید کر دو۔!"

ان چاروں نے مارٹین کو پکڑا اور گھسیٹتے ہوئے لے چلے۔ اب مارٹین کی والدہ سے ضبط نہ ہوسکا۔ وہ اپنی اکلوتی بچی کی یہ حالت نہ دیکھ سکی۔ تڑپ گئی۔ اس نے اسقف اعظم کے پاؤں پر سر رکھ دیا اور کہا:

"اسے معاف کر دیجئے۔! یہ بچی ہے۔ کچھ نہیں جانتی۔ کچھ نہیں سمجھتی۔!"

لیکن اسقف اعظم کو بھرپور غصہ آچکا تھا۔ اس نے کہا:

"یہ نہیں ہوسکتا۔"

یہودا نے گڑگڑاتے ہوئے کہا:

"رحم! رحم!!"

اسقف اعظم نے کہا:

"اس کا وقت نکل گیا۔"

مارٹین نے جاتے جاتے اسقف اعظم کے منہ پر تھوکا اور کہا:

"میں رحم کا نہیں سزا کا مطالبہ کرتی ہوں۔ دنیا کے کتوں سے رحم کی بھیک مانگنا انسانیت کی سب سے بڑی توہین ہے۔"

غصہ کے باعث اسقف اعظم کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ اُس نے دانت پیستے ہوئے کہا:

"دیکھا جائے گا۔ لے جاؤ اس گنہگار کو۔ دور کر دو میری آنکھوں کے سامنے سے۔!"

روکسین بے تابی کے ساتھ آگے بڑھی اور اسقف اعظم کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوئی بولی:

"مجھے بھی۔ میں اپنی بچی سے الگ نہیں رہ سکتی۔!"

اسقف اعظم نے ایک نظر اس پر ڈالی اور غلاموں سے کہا:

"اسے بھی لے جاؤ! اسے بھی قید کر دو! جہاں یہ چھوکری قید ہوگی۔!"

غلاموں نے ادب کے ساتھ سر جھکا کر اُس کے حکم کی تعمیل کی اور وہ مارٹین کے سا
اس کی والدہ روکسین کو بھی لے گئے۔ اسقفِ اعظم اس وقت بہت غصہ میں تھا۔ اس
پاؤں کانپ رہے تھے۔ تینوں سہمی ہوئی چُپ چاپ کھڑی تھیں لیکن لیزنا مسکرا
تھی۔ اسقفِ اعظم اس کی مسکراہٹ دیکھ کر جل ہی تو گیا لیکن اس وقت خاموشی کے سوا کو
اور چارہ بھی نہ تھا۔ پھر وہ یہودا سے مخاطب ہو کر بولا:

"ہاں! تو آپ تشریف لے آئے۔؟"

اُس نے ہاتھ باندھ کر کہا:

"جی حضور۔!"

اسقفِ اعظم نے پوچھا:

"تم کس قسم کی سزا چاہتے ہو۔؟"

یہودا نے کہا:

"جو حضور پسند کریں۔!"

اسقفِ اعظم مسکرایا اور اس نے کہا:

"شاباش! بڑے سعادت مند ہو۔! تمہاری اس عاجزی سے ہم خوش ہوئے۔
تمہیں کوئی بڑی سزا نہیں ملے گی۔ آج سے تمہاری شہریت کے حقوق چھین لیے گئے اور تم
غلام بنا دیے گئے۔!!!"

پھر اسقفِ اعظم نے یہودا کے ملازم جارج سے کہا:

"اس غلام کی تمہیں ضرورت ہے۔؟"

جارج نے کہا:

"فادر کا ہر حکم سر آنکھوں پر۔"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"تو لے جاؤ اسے۔!"

اب یہودا اپنے عیسائی ملازم جارج کے پیچھے پیچھے ایک غلام کی طرح اُس کے گھر جا رہا تھا۔!

سچ ہے کہ کسی کو عزت ملتی ہے اور کسی کو ذلت! کوئی بنتا ہے تو کوئی اجڑتا ہے۔!

☆☆☆

شہزادی فلورنڈا کی واپسی

صبح مطلع صاف ہو چکا تھا۔ طوفان اور بارش کا نام و نشان بھی باقی نہ تھا۔ سورج نے اپنی سنہری کرنیں ہر طرف پھیلا دیں۔ پرندے اپنے آشیانوں سے خوراک کے حصول کے لیے نکل پڑے۔ پہاڑ کی دراڑوں سے پیلی پیلی کرنیں چھن چھن کر غار کے اندر آ رہی تھیں اور وہ کرنیں شہزادی ''فلورنڈا'' کے پھولوں کے گہنوں پر پڑ رہی تھیں، جس سے پھولوں کی مہک سارے غار میں پھیل گئی تھی۔ اچانک گھوڑے کے زور سے ہنہنانے کی آواز سن کر شہزادی ''فلورنڈا'' کی آنکھ کھل گئی۔ تلوار تڑپ کر نیام سے نکل پڑی اور طارق بن زیاد نے غار سے باہر نکلنے کا رُخ کیا۔ خوف و ہراس کی ایک لہر شہزادی ''فلورنڈا'' کے جسم میں پھیل گئی اور وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا:

''آنے والے لمحات خدا جانے کیا گل کھلائیں گے۔؟''

آہستہ آہستہ گھوڑے کی ٹاپوں کی آوازیں قریب سے قریب تر ہوتی جا رہی تھیں اور وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے غار کے منہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ پھر اچانک ہی اس کے چہرے پر پائے جانے والے خوف و ہراس کے نشانات میں تبدیلی آ گئی۔ وحشت کی بجائے اس کا پھول سا چہرہ کھل اٹھا۔ گھوڑے کی لگام پکڑے خود طارق بن زیاد غار کے اندر داخل ہو رہے تھے۔ ان کے ہاتھ میں ایک شمشیرِ برہنہ بھی موجود تھی۔ شہزادی ''فلورنڈا'' نے سوالیہ انداز میں طارق بن زیاد کی طرف دیکھا تو طارق بن زیاد نے مسکراتے ہوئے جواب دیا:

''یہ میرا گھوڑا ہے، جسے میں نے دریا پار چھوڑ کر خود دریا میں چھلانگ لگا دی تھی۔ طوفان تھم جانے کے بعد یہ میری تلاش کرتے ہوئے یہاں چلا آیا ہے۔ انسان سے تو جانور ہی بہتر ہے جو اپنے مالک کا وفادار تو ہے......''

یہ کہہ کر طارق بن زیاد بیٹھ گئے۔ بیٹھتے ہی شہزادی ''فلورنڈا'' نے پوچھا:

''تم نے اپنے متعلق کچھ بتایا ہی نہیں......؟ صرف اتنا معلوم ہوا ہے کہ تم سپاہی ہو اس سے زیادہ......؟''

طارق بن زیاد نے جواب دیا:

''اس سے زیادہ جان کر تم نے کیا کرنا ہے۔؟ بس سپاہی ہوں اور سپاہی سپاہی ہوتا ہے۔ اگر مناسب سمجھو تو کچھ اپنے متعلق بتا دو۔''

شہزادی ''فلورنڈا'' نے اسی انداز میں قدرے شرارت کے ساتھ جواب دیا:

''بس شاہی محل کی کنیز ہوں......اور کنیز تو کنیز ہوتی ہے......!''

طارق بن زیاد نے اس کا یہ جواب سن کر مسکراتے ہوئے سوال کیا:

''میرا مقصد یہ تھا کہ اب تمہیں کہاں پہنچایا جائے۔؟ اس سے زیادہ وقت تو غار میں گزارا نہیں جا سکتا۔ آخر مجھے بھی تو اپنے مالک کے سامنے جواب دہ ہونا ہے۔؟ سپاہی کی شان وفاداری میں ہی ہے اور میں وفاداری کو سب کاموں سے زیادہ اہمیت دیتا ہوں۔''

شہزادی ''فلورنڈا'' نے کہا:

''ہاں......! وفا کے بغیر انسان اس پھول کی مانند ہوتا ہے جس میں رنگ روپ ہو لیکن خوشبو نہ ہو......صبح کی قسم! وفا ہی انسانی زندگی کی معراج ہے۔!''

''صبح کی قسم!'' کے الفاظ کچھ عجیب و غریب تھے......اس لیے طارق بن زیاد سوالیہ انداز میں استفسار کرتے ہوئے بولے:

''تو تم عیسائی مذہب سے تعلق رکھتی ہو۔؟''

شہزادی ''فلورنڈا'' نے جواب دیا:

"ہاں! میں عیسائی ہوں اور تم۔؟"

طارق بن زیاد نے جواب دیا:

"میں مسلمان ہوں۔"

پھر اٹھتے ہوئے کہا:

"اب چلنے کے لیے تیار ہو جاؤ! اب تو سواری کے لیے گھوڑا بھی موجود ہے۔ گدھے کو تکلیف نہیں کرنی پڑے گی۔"

شہزادی "فلورنڈا" نے سنجیدگی سے کہا:

"دیکھو سپاہی! وہ ایک مذاق تھا۔ اب دل دکھانے والی بات نہ کرو۔ اب تو ہم را اور دن کی طرح مل کر بچھڑ رہے ہیں۔ سوچتی ہوں تمہارے احسانوں کا بدلہ کیسے چکاؤ گ کاش! تم عیسائی ہوتے۔!"

"تو کیا ہوتا۔؟"

طارق بن زیاد نے سوال کیا۔

شہزادی "فلورنڈا" نے جواب دیا:

"اگر تم عیسائی ہوتے تو میں تمہیں اپنے بادشاہ "کاؤنٹ جولین" کی فوج میں ملاز کروا دیتی۔ لیکن تم مسلمان ہو اور مسلمانوں نے دو مرتبہ "سبتہ" پر فوج کشی کر کے بادشاہ اپنا دشمن بنا لیا ہے۔ وہ مسلمانوں پر بھروسہ نہیں کرتا۔ سپاہی! کیا تم اپنا مذہب تبدیل نہیں کر سکتے۔؟"

طارق بن زیاد نے قہقہہ لگاتے ہوئے جواب دیا:

"دیوانی ہوئی ہے لڑکی......؟ میں اسلام کو سب سے بلند اور سچا مذہب سمجھتا ہوں۔ پھر مجھے اپنے مالک کے پاس کیا تکلیف ہے جو اس کی وفاداری سے منہ موڑ کر تمہارے بادشاہ کے پاس چلا جاؤں۔؟ چلو! اٹھو! میں تمہیں "سبتہ" کی سرحد پر پہنچا کر چلا آؤں گا۔"

"فلورنڈا" گھوڑے پر بیٹھ گئی اور طارق بن زیاد گھوڑے کو لے کر غار سے باہر نکلے

اس کے بعد گھوڑا دوڑتا رہا، صرف گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز آ رہی تھی۔ ایسے لگتا تھا جیسے دنیا کی ساری چیزیں خاموش ہوں سوائے اس گھوڑے کے، جس پر وہ بیٹھ کر سفر طے کر رہے تھے۔ سارا سماں خاموش تھا۔ طارق بن زیاد بھی کچھ نہ بول رہے تھے۔ ایک طویل خاموشی کے بعد آخر شہزادی "فلورنڈا" نے ہی سکوت کو توڑتے ہوئے اپنے ہاتھوں سے انگوٹھی اتاری اور طارق بن زیاد کی طرف بڑھائی اور کہنے لگی:

"سپاہی! یہ انگوٹھی ہمیں شہزادی نے دی تھی، اسے اپنے پاس رکھ لو! اس میں قیمتی ہیرا جڑا ہوا ہے۔"

طارق بن زیاد نے مسکرا کر جواب دیا:

"تم احسان کی قیمت ادا کرنا چاہتی ہو اور ہم احسان کر کے بیچا نہیں کرتے اور پھر مسلمانوں کی نظر میں سونے اور ہیرے کی قیمت حسنِ اخلاق سے زیادہ نہیں ہے۔ تلوار چلانے والے ہاتھوں میں ہیرے کی انگوٹھی بھلی نہیں لگتی۔"

"فلورنڈا" اپنی انگوٹھی طارق بن زیاد کی طرف بڑھا کر کہنے لگی:

"سپاہی! تمہیں اس کی ضرورت نہ سہی لیکن عورت کو زیور پہننے کا شوق ہوتا ہے۔ یہ انگوٹھی اپنی بیوی کو دے دینا۔"

طارق بن زیاد نے جواب دیا:

"ابھی میں نے شادی نہیں کی۔"

یہ سن کر شہزادی "فلورنڈا" کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ شاید! وہ اس بہانے یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ "سپاہی" کی شادی تو نہیں ہوئی۔ شاید وہ اس "سپاہی" کو اپنے دل کے آئینے میں سجا چکی تھی۔ تھوڑی دیر رک کر شہزادی "فلورنڈا" نے کہا:

"کاش! تمہارے اور میرے درمیان یہ مذہب کی دیوار نہ ہوتی۔"

گھوڑا تیز رفتاری کے ساتھ اس سڑک پر دوڑتا چلا جا رہا تھا جو پہاڑوں کے درمیان بل کھاتی "سبتہ" کی ریاست کی طرف جا رہی تھی۔ درخت اور ٹیلے پیچھے کی طرف بھاگتے

نظر آرہے تھے۔ بارش کی وجہ سے سبزہ دُھل کر نکھرا نکھرا نظر آرہا تھا۔ نیلے آسمان پر سور
چمک رہا تھا اور سڑک پر گرد و غبار کا نشان تک نہ تھا۔ ایک دفعہ پھر شہزادی "فلورنڈا" نے ا
فولاد کے جذبات رکھنے والے "سپاہی" کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"میں اس واقعے کو زندگی بھر یاد رکھوں گی۔ سپاہی! اگر زندگی میں تلوار چلانے سے
فرصت ملی تو کیا مجھے یاد کرو گے۔؟ میرا نام "چاند" ہے......!!!"

طارق بن زیاد نے بات کاٹتے ہوئے کہا:

"یہ نام مجھے اس لیے بھی پسند ہے کہ جب بھی چاند پر نگاہ پڑے گی تم یاد آؤ گی۔ پھر
ہو بھی تو چاند کی طرح حسین و جمیل۔ تمہاری صورت کا تصور کرتے ہی دل میں چاندنی سی
پھیل جاتی ہے۔"

چلتے چلتے اچانک طارق بن زیاد نے گھوڑا روک لیا تو شہزادی "فلورنڈا" نے سوال
کیا:

"رُک کیوں گئے ہو سپاہی......؟"

طارق بن زیاد نے جواب دیا:

"یہ دریا سبتہ کی سرحد ہے۔ اُس پار عیسائیوں کی ریاست ہے۔ اب ہم دریا کے
کناروں کی طرح کبھی نہ مل سکیں گے۔"

سبتہ کے چاند شہزادی "فلورنڈا" نے کہا:

"ایسا نہ کہو سپاہی! بلکہ اس دریا نے تو ہمیں ملایا ہے۔"

طارق بن زیاد نے جواب دینے کی بجائے گھوڑے کو دریا میں اتار لیا۔ وہ جانتے تھے
کہ یہاں دریا کا پاٹ بھی بہت کم چوڑا ہے اور گہرائی بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔ گھوڑا مالک
کے اشارے پر پانی کے چھینٹے اڑاتا ہوا دوسرے کنارے کی طرف چل دیا۔ آخر تھوڑی
دیر کے بعد گھوڑا دوسرے کنارے پر پہنچ گیا۔ دریا کی دوسری جانب پہاڑیوں کے درمیان
چھوٹے چھوٹے کئی میدان پھیلے ہوئے تھے۔ یہ علاقہ ریاست سبتہ کا تھا۔ آخر طارق بن

یاد نے گھوڑے کو روک لیا اور کہا:

"چاند! یہ تمہارے شہر کی سرحد ہے۔ میرا گھوڑا لے جاؤ اور منزل پر پہنچنے کے بعد اسے
چھوڑ دینا۔ میں یہاں اس کی واپسی تک انتظار کروں گا۔"

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ فضا خاموش تھی۔ شہزادی "فلورنڈا" طارق
بن زیاد کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ آخر شہزادی "فلورنڈا" نے ہی کہا:

"بچھڑتے ہوئے کچھ نہیں کہو گے سپاہی۔؟"

طارق بن زیاد نے مسکراتے ہوئے جواب دیا:

"میں نے دل کی ترجمان "زبان" کی بات کو آنکھوں میں رکھ دیا ہے اور تم
اشاروں کی زبان سمجھ رہی ہو۔!"

☆☆☆

آقا غلام......غلام آقا

یہودا اب جارج کا غلام تھا۔ یہ جارج بہت رذیل فطرت انسان تھا۔ وہ ایک غریب گھر میں پیدا ہوا تھا۔ بڑی مشکل سے اُس نے تھوڑی بہت تعلیم حاصل کی۔ باپ مر چکا تھا، ماں بیمار تھی۔ کئی بہنیں تھیں۔ کئی بھائی تھے۔ ان سب کا بار اس کے سر تھا۔ ایک روز ٹھوکریں کھاتا یہودا کی محلِ سرا میں پہنچا۔ یہودا کو ایک محنتی اور کارگزار آدمی کی ضرورت تھی۔ خاص طور پر عیسائی کی تاکہ اُس کے کاروبار میں رخنہ نہ پڑے اور عیسائی تاجروں سے معاملات اس کے ذریعہ خوش اسلوبی کے ساتھ انجام پاتے رہیں۔

کچھ ہی روز میں جارج نے اپنی ذہانت کا سکہ بٹھالیا۔ یہودا اس سے بہت خوش ہوا۔ اس کی تنخواہ بھی بڑھا دی اور منصب بھی۔ اب وہ اس کی کوٹھی کا ایک معمولی کلرک نہیں بلکہ اس کے وسیع کاروبار کا منیجر تھا۔ اس کے دل میں یہودا کی بیٹی مارٹین بسی تھی۔ وہ اسے دیکھتا تو کانپنے لگتا۔ دل زور زور سے دھڑکنے لگتا اور عجیب سی تمنائیں اس کے دل میں اُمنڈنے لگتیں۔ لیکن وہ ایک نوکر تھا اور اپنی آقازادی سے نہ اظہارِ عشق کر سکتا تھا اور نہ ہی اس کے فراق کی گھڑیاں جھیل سکتا تھا۔ مجبوراً آنکھوں سے کام لینے لگا یعنی ٹکٹکی لگا کر وہ اسے گھورنے لگا۔ مارٹین سے آنکھ چار ہو جاتی تو آنکھیں نیچی کر کے پھر کام کرنے لگتا اور تھوڑی دیر کے بعد پھر اسے تکنے لگتا۔ نہ جانے کیوں اُسے اپنے حسنِ مردانہ اور جمالِ ترکانہ پر بہت ناز تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ دنیا کی ہر عورت اس کے لیے پیدا ہوئی ہے۔

مارٹین اپنی افتادِ مزاج کے اعتبار سے کچھ عجیب و غریب سی لڑکی تھی۔ وہ نوجوانی کی دہلیز پر قدم رکھ چکی تھی، لیکن اس کے دل نے اب تک دھڑکنا نہیں سیکھا تھا۔ وہ وقار اور جلال کا پیکر تھی اور تو اور گھر والے بھی اس سے ڈرے ڈرے سے رہتے تھے۔ یہودا اور روکسین تو لیر ماں اور باپ تھے۔ یہ تو جتنا بھی چاہتے کم تھا۔ گھر کے دوسرے لوگ بھی اُس کی یکتائی کے قائل تھے اور یہ جارج تو اُسے دیکھ کر اس طرح تھرتھرانے لگتا جیسے شیر کے سامنے بکری لیکن اس وہشت زدگی کے باوجود اسے تاکنے اور گھورنے سے باز نہیں آتا تھا۔

دو ایک مرتبہ تو مارٹین نے اس کی گستاخ نگاہی کو کوئی اہمیت نہیں دی، محض اتفاق پر محمول کرتی رہی، لیکن جب بار بار یہی حرکت دیکھی تو ایک روز خود بھی ڈانٹا اور باپ سے بھی جا کر شکایت کر دی۔ ویسے جارج اگر لاکھوں روپے کا نقصان بھی کر دیتا تو شاید یہودا خاموش رہتا لیکن مارٹین کی توہین پر اس کیلئے خاموش رہنا ناممکن تھا۔ اس نے جارج کو بلایا اور بہت سختی سے باز پُرس کی۔ جب وہ کوئی معقول جواب نہیں دے سکا تو بوڑھے یہودا کی رگوں میں جوان خون گردش کرنے لگا۔ اس نے جارج کو ڈانٹا بھی اور گالیاں بھی دیں۔ اور گالیاں سنتے ہی جارج نے وہ دہائی مچائی اور ایسا ہنگامہ کھڑا کیا کہ بیچارے یہودا کو لینے کے دینے پڑ گئے۔

اور آج۔؟

آج قسمت اپنا فیصلہ کر چکی تھی۔

اب جارج آقا تھا اور یہودا غلام۔!

دونوں ساتھ ساتھ جا رہے تھے۔ جارج آگے آگے اور یہودا گردن جھکائے پیچھے پیچھے۔ جارج کے قبضہ میں یہودا کی دولت تھی اور خود یہودا بھی۔ اور یہودا کی جھولی میں آنسوؤں اور آہوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس کے علاوہ اس کے پاس جو کچھ بھی تھا وہ چھن چکا تھا حتیٰ کہ اس کی محبوب بیوی روکسین اور چہیتی بیٹی مارٹین بھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور وہ آستین سے انہیں پونچھ رہا تھا۔

جارج نے اُسے روتا دیکھ کر کہا:

''آپ تو مجھ سے کہا کرتے تھے کہ زمانے کے مصائب سے دل برداشت نہ ہو
چاہیے بلکہ مردانہ وار انکا مقابلہ کرنا چاہیے۔؟''

یہودا نے کہا:

''ہاں! کہا کرتا تھا لیکن......اب پڑی تو عمل نہیں کرسکتا۔''

جارج نے سوال کیا:

''کیوں نہیں کرسکتے۔؟''

یہودا نے جواب دیا:

''تم اسے میری کمزوری کہہ سکتے ہو۔''

کچھ دیر جارج خاموش رہا۔ پھر اُس نے کہا:

''واقعی عورت فساد کی جڑ ہے۔''

یہودا نے کوئی جواب نہ دیا۔

جارج نے کہا:

''اگر آپ میرے اور اپنی بیٹی مارٹین کے معاملہ میں دخل دیتے تو یہ دن آپ کو نہ دیکھنا
پڑتا۔ یوں آپ تباہ نہ ہوتے۔''

یہودا نے ایک آہ سرد بھر کر کہا:

''لیکن قسمت کے لکھے کو کون مٹا سکتا ہے، جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔''

جارج نے تسلی اور دلدہی کے لہجہ میں کہا:

''قسمت کا لکھا اب بھی مٹ سکتا ہے، جو کچھ ہو چکا آپ بدل سکتے ہیں۔''

یہودا نے کہا:

''وہ کیسے۔؟''

جارج نے بے تامل جواب دیا:

''مارٹین کی شادی میرے ساتھ کر دیجئے۔!''

یہودا نے بےبسی کے عالم میں کہا:

''لیکن مارٹین سے اب میرا تعلق کیا رہ گیا۔؟ میں تمہارا غلام ہوں اور وہ فادر کی
کنیز۔''

جارج نے خوداعتمادی سے کہا:

''فادر کو عورتوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ خواہ وہ کتنی ہی حسین وجمیل کیوں نہ ہوں۔
عورتیں تو ہم دنیاداروں کے کام آتی ہیں۔''

یہودا راہ چلتا رہا کچھ نہ بولا۔

جارج نے کہا:

''آپ جواب کیوں نہیں دیتے۔؟''

ایک ٹھنڈی آہ بھر کر یہودا نے کہا:

''کیا جواب دوں۔؟ میرے اختیار میں کیا ہے۔؟''

جارج ملائمت کے لہجہ میں گویا ہوا:

''سب کچھ۔''

یہودا نے افسردگی کے ساتھ کہا:

''میں بالکل بے بس ہوں۔ کچھ بھی نہیں کرسکتا۔''

جارج نے کہا:

''آپ صرف ہاں کر دیجئے، پھر میں سارے کام خود کرلوں گا۔''

یہودا نے کہا:

''لیکن میرے اکیلے کے ہاں کرنے سے کیا ہوتا ہے۔؟ مارٹین بھی تو مانے......؟''

جارج نے کہا:

''اب وہ بھی مان جائے گی۔''

یہودا نے پوچھا:

"تمہیں یقین ہے۔؟"

جارج نے کہا:

"ہاں! پختہ یقین ہے۔!"

یہودا بولا:

"نہیں! وہ بڑی ضدی لڑکی ہے۔"

جارج نے جواب دیا:

"جانتا ہوں لیکن ایک بات اور بھی جانتا ہوں جسے شاید آپ مجھ سے کم جانتے ہیں"

یہودا نے کہا:

"وہ کیا۔؟"

جارج بولا:

"یہ کہ مارٹین دنیا میں آپ سے زیادہ کسی کو نہیں چاہتی۔ وہ آپ کی بربادی پر اپنی کو قربان کر دے گی۔ اچھے دنوں میں وہ آپ کا کہنا ہرگز نہ مانتی، لیکن بُرے دنوں میں آپ کی بات قیامت تک نہیں ٹالے گی۔"

یہودا پھر خاموش ہو گیا اور جارج نے بڑے نرم لہجہ میں کہا:

"آپ اگر ہاں کہہ دیں تو جانتے ہیں آپ کو کیا فائدے ہوں گے۔؟"

بے دلی کے ساتھ یہودا نے کہا:

"نہیں۔!!"

جوش کے ساتھ جارج بولا:

"آپ کی بیٹی مارٹین مل جائے گی۔! روکسین مل جائے گی۔! مال و دولت کا جو حصہ محفوظ رہ گیا ہے وہ مل جائے گا۔! کوٹھیاں باغات، کھیت، کھلیان، دوکانیں، کارخانے سامانِ تجارت اور ہر چیز واپس مل جائے گی۔!!!"

یہودا کے منہ سے رال ٹپکنے لگی۔ اُس نے اشتیاق اور بے تابی کے ساتھ پوچھا:

"واقعی۔؟"

جارج نے تسلی آمیز لہجہ میں کہا:

"ہاں سچ! ایک ایک چیز لے لیجئے اور اس جلے ہوئے مکان کے کھنڈر پر پھر ایک محل! ایک نیا محل تعمیر کر لیجئے۔"

یہودا نے کہا:

"تو پھر میں 'ہاں' کہتا ہوں۔"

جارج جوشِ مسرت سے بے قابو ہو گیا۔ اُس نے اپنے غلام یہودا کا منہ چوم لیا اور کہا:

"آپ ہاں کہتے ہیں۔؟"

یہودا نے کہا:

"ہاں جارج!"

اُسے پھر یقین نہ آیا اور اس نے کہا:

"آپ مارٹین کو مجھے دیتے ہیں۔؟"

یہودا نے اُٹھ کر کہا:

"ہاں بھئی ہاں! آخر کتنی مرتبہ کہوں لیکن ایک شرط ہے۔"

اب جارج کا گھر آ چکا تھا۔ اُس نے ایک سجے ہوئے کمرے میں جس کا سارا ساز و سامان یہودا ہی کا تھا۔ اُسے عزت اور احترام کے ساتھ بٹھایا۔ پھر پوچھا:

"کہیے! وہ شرط کیا ہے۔؟"

یہودا نے کہا:

"بہت معمولی لیکن بہت اہم۔"

جارج نے کہا:

"فرمائیے تو۔؟"

یہودا نے جواب دیتے ہوئے کہا:

"شرط یہ ہے کہ مارٹین میری بیٹی کو کوئی اعتراض نہ ہو۔ میں اس پر جبر نہیں کر سکتا۔"

جارج ہنس کر بولا:

"آپ بھی کیسی باتیں کرتے ہیں۔؟"

یہودا نے سنجیدگی سے سوال کیا:

"کیوں۔؟ کیا ہوا۔؟"

جارج کو اور زور سے ہنسی آ گئی اور اس نے کہا:

"میں نے کہا نا کہ میں آپ کی بیٹی مارٹین کو راضی کر لوں گا۔ میں ذمہ لیتا ہوں انکار نہیں کرے گی۔"

یہودا نے کہا:

"ٹھیک ہے! تو پھر جاؤ! دیکھو! فادر کیا کہتے ہیں۔؟ میری بیٹی مارٹین کیا جواب دیتی ہے۔؟ دیر کیوں کرتے ہو۔؟"

جارج نے مسکرا کر کہا:

"جاؤں گا۔ جاتا ہوں۔ آپ تو مجھ سے زیادہ بے تاب ہیں۔"

یہودا نے کہا:

"مجھ سے مارٹین کی جدائی نہیں برداشت ہوگی۔ بغیر اس کے میں زندہ نہیں رہ سکتا۔"

یہ کہتے کہتے یہودا کی آنکھیں بھر آئیں اور وہ رونے لگا۔

جارج نے اسے تسلی دی اور کہا:

"بالکل پریشان نہ ہوئیے! مارٹین آپ کی بیٹی آئے گی۔ آپ اس سے ملیں گے میں، وہ اور پھر ہم دونوں کے بچے، ساری زندگی آپ ہی کے قدموں میں گزاریں گے۔ لیکن ذرا صبر سے کام لیجئے۔!"

یہودا تلملا گیا اور اس نے کہا:

"آخر کیوں۔؟"

جارج نے سکون کے ساتھ کہا:

"آپ فادر کو نہیں جانتے۔ میں جانتا ہوں۔"

یہودا نے کہا:

"میں بھی جانتا ہوں، وہ میرے پڑوسی تھے۔ اکثر میرے ہاں آیا کرتے تھے۔ انہیں روپے کی جب ضرورت ہوتی میں نے کبھی انکار نہیں کیا۔"

جارج نے کہا:

"مجھے معلوم ہے لیکن وہ دنیا ترک کر چکے ہیں۔ انہیں اپنے لئے کبھی روپے کی ضرورت نہیں ہوتی اور کلیسا کیلئے وہ یہودیوں سے روپیہ چھیننا کار ثواب سمجھتے ہیں۔ آپ خوش قسمت ہیں کہ آپ پر انہوں نے کبھی سختی نہیں کی۔"

یہودا سے خاموش نہ رہا گیا اور اس نے کہا:

"لیکن ایک ہی دفعہ میں ساری کسر نکال دی۔ یہ تو مانو گے۔؟"

جارج زور زور سے ہنسنے لگا۔ آج یہودا کو اندازہ ہوا کہ اُس کے قہقہے کتنے تکڑے ہوتے ہیں۔ اس سے پہلے جارج نے کبھی اس کے سامنے زور سے ہنسنے کی جرأت نہیں کی تھی۔ ہنستے ہنستے وہ بولا:

"چھوڑیئے! ان باتوں کو بھول جائیے۔ میں فادر کے پاس کل جاؤں گا۔"

یہودا نے کہا:

"کل کیوں۔؟"

جارج نے کہا:

"آج وہ بہت برہم ہیں۔"

یہودا مطمئن نہ ہوا اس نے کہا:

"تو اس سے کیا ہوتا ہے۔؟"

جارج نے کہا:

"آج وہ کسی کی نہیں سنیں گے، بلکہ شاید ملنا بھی پسند نہ کریں۔کل جاؤں گا اور انہیں شیشہ میں اتارلوں گا۔کیا آپ ایک دن بھی صبر نہیں کر سکتے۔؟"

یہودا نے کہا:

"ایک دن نہیں، ایک مہینہ صبر کرلوں گا، لیکن کامیابی کی اُمید کم ہے۔"

جارج نے اطمینان دلایا اور کہا:

"آپ نے فادر کا صرف ایک رخ دیکھا ہے، یہ کہ وہ یہودی کے ساتھ کیسے ہیں، دوسرا رخ نہیں دیکھا۔"

یہودا نے کروٹ بدلتے ہوئے کہا:

"یعنی وہ عیسائیوں کے ساتھ کیسے ہیں۔؟"

"جی ہاں! میرا مطلب یہی ہے۔"

جارج نے کہا۔

یہودا نے بہت دھیمی آواز میں کہا:

"اچھا بھئی! وہ بھی دیکھ لوں گا۔ بلکہ اور بھی جو کچھ دیکھنا پڑے گا تو وہ بھی دیکھوں گا۔"

جارج نے کوئی جواب نہ دیا۔مسکراتا ہوا گھر کے اندر گیا۔تھوڑی دیر کے بعد کئی قسم کے اچھے اچھے کھانے لے کر آیا اور کہا:

"بھوک تو لگی ہوگی۔؟ کھانا کھا لیجیے۔!"

یہودا سے کہا:

"بھوکا تو ہوں لیکن کھایا نہ جائے گا۔!"

جارج نے حیرت سے یہودا کی طرف دیکھا اور کہا:

"آخر کیوں۔؟"

یہودا نے کہا:

"اتنے بڑے غم کا بوجھ جو مجھ پر پڑا ہے، ابھی میں اس کا عادی نہیں ہو سکا ذرا عادی ہولوں تب کھاؤں گا اور کھاؤں گا کیوں نہیں۔؟ زندگی کسے عزیز نہیں ہوتی؟ لیکن آنسو خشک ہو لینے دو جارج!"

یہودا کی ان باتوں سے جارج بھی متاثر ہوا۔اسے بڑے زور کی بھوک لگ رہی تھی، لیکن اُس کی آنکھوں کے سامنے مارٹین کی حسین اور معصوم تصویر پھرنے لگی۔وہ سوچنے لگا۔نہ جانے مارٹین نے بھی کھانا کھایا ہوگا یا نہیں۔

جارج نے کہا:

"نہیں۔! میں بھی نہیں کھاتا۔مجھ سے بھی نہ کھایا جائے گا۔"

وہ کھانا لے کر واپس جانے لگا تو یہودا نے کہا:

"تم تو کھالو۔؟"

جارج نے جاتے جاتے کہا:

"اب کل ہی کھائیں گے، ہم، آپ، روکسین اور مارٹین سب ساتھ ساتھ۔"

☆☆☆

کاؤنٹ جولین اور طارق بن زیاد

طارق بن زیاد اور سبتہ کے چاند شہزادی ''فلورنڈا'' کے درمیان جدائی ہونے والی تھی کہ اس وادی میں دو گھوڑوں والا شاہی تانگہ بل کھاتا بڑی تیزی سے چلا آ رہا تھا۔ اس تانگے کے گھوڑے بدک کر اور بدحواس ہو کر بھاگ رہے تھے۔ یہاں تک کہ یہ اپنی لگامیں بھی تڑا چکے تھے جو سوار کے ہاتھ میں موجود تھیں۔ ان گھوڑوں پر ببر شیر کے جوڑے نے حملہ کر دیا تھا۔ شیروں کی دھاڑ، گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور تانگے کے پہیوں کی گڑگڑاہٹ سے وادی میں ایک کہرام سا مچا ہوا تھا۔

شیروں کی دھاڑ سے یہاں آباد چرند پرند تک خوف زدہ ہو کر ٹولیوں کی صورت میں بھاگے پھر رہے تھے۔ شاہی تانگے پر سوار آدمی کے جسم پر سنہری زرہ بکتر چمک رہی تھی لیکن لگتا تھا کہ اس کا ''لاکٹ'' شیروں کی مداخلت کی وجہ سے کہیں گر گیا ہے۔

گھوڑوں کے جسم دوڑ دوڑ کر ٹوٹ چکے تھے لیکن وہ شیروں سے بچنے کے لیے اس قدر رفتار سے بدحواس ہو کر بھاگ رہے تھے کہ سوار کود کر اپنی جان بھی نہیں بچا سکتا تھا۔ شیروں کی جوڑی مسلسل تعاقب میں تھی۔ اس سے پہلے کہ اس ہنگامے سے طارق بن زیاد کا گھوڑا بدک جائے جس پر شہزادی ''فلورنڈا'' سوار تھی، طارق بن زیاد نے اسے پکڑ لیا۔ دونوں نے گھبرا کر سامنے دیکھا جہاں شاہی تانگہ ایک پتھر سے ٹکرا کر اُلٹ گیا تھا اور اس کا سوار ایک طرف زمین پر گر پڑا تھا۔ دونوں گھوڑوں پر شیروں کی جوڑی نے اپنے دانت گاڑ دیے۔ ادھر سبتہ کے

چاند شہزادی ''فلورنڈا'' کی چیخ نکل گئی۔

طارق بن زیاد نے پوچھا:

''چاند! کیا ہوا ہے۔؟ تمہارے منہ سے یہ چیخ کیوں نکلی۔؟''

شہزادی ''فلورنڈا'' نے کہا:

''اُف خدایا! یہ...... یہ تو شاہی تانگہ ہے......''کاؤنٹ جولین'' والیِ سبتہ کا تانگہ...... سپاہی! خدا کے لیے اس سوار کی مدد کرو...... ورنہ! گھوڑوں کے بعد شیر اُس پر حملہ کر دیں گے۔''

طارق بن زیاد نے جواب دیا:

''تم نے ٹھیک کہا ہے۔ گو کہ والیِ سبتہ مسلمانوں کا دشمن ہے لیکن انسان ہونے کی حیثیت سے ہمارا مذہب یہی سکھاتا ہے کہ مصیبت میں خواہ دشمن ہی کیوں نہ ہو اس کی بھی مدد کرنی چاہیے۔''

یہ کہہ کر طارق بن زیاد نے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں اپنا خنجر تھام لیا اور پھر شیروں کی طرف دوڑ لگا دی۔ سب سے پہلے طارق بن زیاد نے سوار کو جا کر دیکھا اور پہچان بھی لیا۔ یہ والیِ سبتہ'' کاؤنٹ جولین'' تھا۔ مسلمان جس سے دو دفعہ شکست کھا چکے تھے۔ ''کاؤنٹ جولین'' ہوش میں تھا اور زخمی بھی۔ اس نے طارق بن زیاد کو پہچان لیا تھا۔ طارق بن زیاد نے اسے سہارا دیتے ہوئے کہا:

''والیِ سبتہ'' کاؤنٹ جولین! آپ زخمی ہیں، وہ سامنے تمہاری ایک کنیز میرے گھوڑے پر موجود ہے تم وہاں پہنچ جاؤ! ان شیروں سے میں نمٹ لیتا ہوں۔''

''کاؤنٹ جولین'' نے جواباً کہا:

''والیِ طنجہ'' طارق! دو شیروں سے تم تنہا مقابلہ کرو گے۔؟ کیوں میرے لیے خودکشی کرنا چاہتے ہو۔؟''

طارق بن زیاد نے وہ الفاظ کہہ ڈالے جو تاریخ میں سنہری حروف سے لکھے گئے۔

آپ نے کہا:

''کاؤنٹ جولین! میں تیرے لیے نہیں لڑنا چاہتا بلکہ اپنی روایت اور اپنے مذہبی اخلاق کے لیے لڑنا چاہتا ہوں۔ وقت بہت کم ہے جلدی سے چلے جاؤ۔''

''کاؤنٹ جولین'' نے طارق بن زیاد کی طرف احسان مندی کی نظروں سے دیکھا اور پھر وہاں سے سامنے گھوڑے کی طرف چل دیا کیونکہ اس نے حیرت اور خوشی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ اپنی بیٹی شہزادی ''فلورنڈا'' کو زندہ دیکھ لیا تھا، اسی کی تلاش میں تو وہ یہاں آیا تھا۔ طارق بن زیاد کو دیکھ کر وقتی طور پر شیران پر جھپٹنے کے لیے تیار ہو گئے۔ ان شیروں میں سے ایک مادہ تھی اور دوسرا نر۔ یہ شیروں کا جوڑا گھوڑوں کا کام تمام کر کے طارق بن زیاد کی طرف متوجہ ہوا۔

شہزادی ''فلورنڈا'' نے اپنے باپ ''کاؤنٹ جولین'' کو دیکھا تو اسکی طرف بھاگی اور اس سے لپٹ کر رونے لگی۔ باپ نے بھی اسے سینے سے لگا کر اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔ کچھ سننے کہنے کا وقت ہی نہ تھا۔ ان سے تھوڑے ہی فاصلے پر زندگی اور موت کی جنگ شروع ہو چکی تھی۔ نر شیر نے دھاڑتے ہوئے طارق بن زیاد پر چھلانگ لگائی۔ طارق بن زیاد جلدی سے نیچے بیٹھ گئے اور پھرتی سے تلوار کی نوک اوپر کو اٹھا دی۔ جونہی شیر اُن کے اوپر سے گزرا تو انہوں نے تلوار کی نوک اس کے سینے میں اتار دی۔ شیر اپنے ہی زور میں نوکِ شمشیر سے اپنا پیٹ چاک کرتے ہوئے تھوڑے سے فاصلے پر جا گرا۔ تلوار پوری کی پوری اس کے پیٹ میں دھنس چکی تھی جس سے اس کا پیٹ پھٹ گیا تھا۔ اس کے پیٹ سے آنتیں باہر گر پڑیں اور وہ تڑپنے لگا۔

اپنے نر کو دم توڑتے دیکھ کر شیرنی انتقام لینے پر اتر آئی۔ اس نے طارق بن زیاد کے سر پر زوردار پنجے کا وار کیا۔ اگر طارق بن زیاد عین وقت بیٹھ نہ جاتے تو اس پنجے کی وجہ سے ان کا سر تن سے جدا ہو کر دور جا گرتا۔ شیرنی کا وار خالی گیا تو وہ اور غضبناک ہو گئی۔ اس نے تابڑ توڑ اور پے در پے حملے شروع کر دیئے۔ اپنے آپ کو بچاتے ہوئے طارق بن زیاد کو

کاری زخم لگے۔ شیرنی بے حواس ہو چکی تھی اور اسی بے حواسی میں زبردست اور طاقتور حملے کر رہی تھی۔

اس دوران سبتہ کا چاند شہزادی ''فلورنڈا'' اپنے باپ ''کاؤنٹ جولین'' کو سب کچھ بتا چکی تھی اور اس وقت بے حد پریشان ہو کر رونے لگی۔ یہ وہ خود نہیں رو رہی تھی بلکہ اس کا چھپا ہوا عشق رو رہا تھا اور ساتھ میں اسے بھی رولا رہا تھا۔

باپ نے کہا:

''بیٹی! کاش! میری حالت اس قابل ہوتی کہ میں اس بہادر کی جان بچا سکتا تو میں ضرور ہر ممکن کوشش کر کے اس کی جان بچاتا جس نے ہم باپ بیٹی کی موت کو بار بار گلے لگایا ہے۔''

دوسری طرف طارق بن زیاد کے جسم پر شیرنی کئی ایک گہرے زخم لگا چکی تھی اور اب وہ فیصلہ کن حملے کے لیے ان کے سامنے کھڑی تھی۔ جونہی شیرنی نے حملہ کرنا چاہا تو طارق بن زیاد نے اپنا خنجر نکال کر پوری قوت سے اسکی طرف پھینکا جو سیدھا جا کر اسکی دائیں آنکھ کے ڈیلے میں اُتر گیا۔ اس کی آنکھ اندھی ہو گئی اور اس سے خون کا فوارہ پھوٹ پڑا۔ شیرنی اس غیر متوقع حملے سے بوکھلا گئی۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ دوبارہ حملہ کرے طارق بن زیاد نے اسے مہلت ہی نہ دی اور پھرتی سے آگے بڑھ کر اپنی تلوار اسکے سینے میں دستے تک اتار دی۔ شیرنی پوری طاقت سے دھاڑی، پھر زور سے زمین پر گر گئی، تڑپنے لگی اور پھر تڑپتے تڑپتے ٹھنڈی ہو گئی۔

اُدھر سبتہ کے بادشاہ ''کاؤنٹ جولین'' اور اسکی بیٹی ''فلورنڈا'' نے بھاگ کر طارق بن زیاد کو تھام لیا جن کے جسم پر کئی زخم لگے ہوئے تھے اور ان زخموں سے خون بہہ رہا تھا۔

سبتہ کے بادشاہ ''کاؤنٹ جولین'' نے کہا:

''طارق بن زیاد! تم میرے دشمن نہیں محسن ہو۔ پہلے تم نے میری بیٹی ''فلورنڈا'' کی جان بچائی اور اب میری جان بچا کر مجھ پر وہ احسان کیا ہے جس کا بدلہ دینا مشکل ہی

نہیں ناممکن بھی ہے۔ آج کے بعد تم میرے دشمن نہیں دوست ہو۔ تم نے تلوار کے زور سے نہیں بلکہ پیار، اخلاق اور کردار سے ہمیں جیت لیا ہے۔ مسیح کی قسم! ہم فاتح ہوتے ہوئے بھی اپنی ریاست کا تاج وتخت تمہارے حوالے کرنے کو تیار ہیں۔ تم چاہو تو حاکمِ طنجہ کے ساتھ حاکمِ سبتہ بھی بن سکتے ہو۔"

طارق بن زیاد نے جواب دیا:

کاؤنٹ جولین! ہم دشمن کو پہلے انسان اور بعد میں دشمن سمجھتے ہیں۔ ہم دشمن کو اس لیے زندہ رکھتے ہیں کہ اگر دشمن نہ رہا تو دو دو ہاتھ کرنے کا مزہ ہی ختم ہو جائے گا۔ ہم ملکوں کے لیے نہیں اسلام کے لیے لڑتے ہیں۔ جب تک تم مسلمان نہیں ہوگے، ایک خدا کو نہیں مانو گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا نہیں چھوڑو گے اس وقت تک ہماری اور تمہاری لڑائی جاری رہے گی۔ اور رہی ملک کی بات تو تمہارا شکریہ! ہم بھیک میں تم سے سبتہ نہیں لیں گے بلکہ بزورِ شمشیر ہی حاصل کریں گے۔"

بھید کھل چکا تھا۔ طارق بن زیاد کو معلوم ہو چکا تھا کہ اپنے آپ کو کنیز کہنے والی "فلورنڈا" خود شہزادی ہے اور "فلورنڈا" کو بھی معلوم ہو چکا تھا کہ اپنے آپ کو ایک معمولی سپاہی ظاہر کرنے والا حاکمِ طنجہ مسلمانوں کا عظیم جرنیل طارق بن زیاد ہے۔

"کاؤنٹ جولین" نے کہا:

"طارق! آپ زخمی ہیں۔ میرے علاقے میں ہیں۔ کیا مجھے چند روز بھی مہمان نوازی کے لیے نہ بخشیں گے کہ ہم ان زخموں کا علاج کروا سکیں جو محض ہماری وجہ سے سردار کے جسم پر آئے ہیں۔؟"

طارق بن زیاد نے مسکراتے ہوئے کہا:

"شکریہ......! کاؤنٹ! ہم سپاہی ہیں اور باخدا جسم پر لگے ہوئے زخموں کو نعمتوں سے کم نہیں سمجھتے۔ یہ راہ ورسم اور شاہ بازی ہمیں ورثے میں ملی ہے۔ یہ تو لہو گرم کرنے کا ایک بہانہ ہے۔"

اس کے بعد طارق بن زیاد زقند لگا کر گھوڑے پر بیٹھ گئے اور مسکرا کر شہزادی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"اچھا......! خدا حافظ چاند!"

اس کے بعد آپ نے کاؤنٹ جولین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"اچھا دوست! اب میدانِ جنگ میں ملاقات ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ!"

دونوں باپ اور بیٹی اس فولاد کے جذبات رکھنے والے سپاہی کو دیکھ رہے تھے۔ جس کے جسم پر بے شمار گہرے زخم لگے ہوئے تھے اور ان سے خون بھی بہہ رہا تھا، لیکن وہ ان کی پرواہ کیے بغیر اپنے خدا پر بھروسہ کیے بڑی شان سے اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر واپس جا رہا تھا۔ نہ ہی اسے زخموں کی پرواہ تھی اور نہ ہی خون کے بہنے کی، نہ ہی اسے ملک کا تاج وتخت روک سکا اور نہ ہی "فلورنڈا" کی محبت۔ بس اس جانباز کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اسلام کا کام کرنا تھا، اسی لیے ہر چیز اس پر بے اثر تھی۔ اور وہ ان کی پرواہ کیے بغیر واپس اپنے ملک اور اپنے لشکر کی طرف لوٹ رہا تھا۔

☆☆☆

یہودا جارج شکنجہ کلیسا میں

دوسرے روز سویرے سویرے جارج تیار ہو کر کلیسا پہنچا تا کہ اسقفِ اعظم کے حضور میں اپنے دل کی تڑپ پیش کرے اور اُن سے مارٹین کو چھین لائے۔ اتفاق کی بات کہ انتظار کی زحمت بھی گوارا نہ کرنی پڑی۔ اسقفِ اعظم دروازے پر ٹہل رہا تھا۔ چہرہ اب تک شکن آلود تھا اور آنکھیں سرخ نظر آ رہی تھیں۔ شاید رات بھر جاگتا رہا تھا اور اطمینان و سکون کی دولت کوئی لوٹ چکا تھا۔ اسقفِ اعظم نے جب جارج کو دیکھا تو بولا:

"آؤ جارج! کہو خیریت تو ہے۔؟"

جارج نے ادب و عقیدت سے گردن جھکائی اور آہستہ سے کہا:

"فادر! آپ کی دعا ہے۔"

اسقفِ اعظم نے پوچھا:

بتاؤ! تمہارے شیطان صفت غلام یہودا کا کیا حال ہے۔؟"

جارج نے عرض کیا:

"بیٹی کے فراق میں جان دے رہا ہے۔ مجھ سے تو اس کی حالت نہیں دیکھی جاتی۔"

اسقفِ اعظم کو غصہ آ گیا۔ اس نے کہا:

"کیا کہا......؟ تجھے اس پر رحم آتا ہے......؟"

اسقفِ اعظم کے منہ سے جھاگ اُڑنے لگی اور اس نے کہا:

"تم کتے پر رحم کر سکتے ہو......! سور کو پناہ دے سکتے ہو......! سانپ اور بچھو کے ساتھ بھلائی کر سکتے ہو......! شیر اور بھیڑیئے کے ساتھ انسانیت کا برتاؤ کر سکتے ہو......! لیکن............!"

اسقفِ اعظم لیکن...... کہہ کر خاموش ہو گیا۔ پھر جلال کے عالم میں کہا:

"لیکن یاد رکھو......! کسی یہودی کے ساتھ نہیں......!"

جارج گردن جھکائے خاموش کھڑا رہا۔ اسقفِ اعظم بھی خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اُس نے کہا:

"اگر تم اتنے رحم دل تھے تو اسے اپنے ساتھ کیوں لے گئے۔؟ پھر تو اُسے یہیں چھوڑنا چاہیے تھا اور میں تم سے سچ کہتا ہوں۔ یہاں اُسے سب کچھ ملتا مگر رحم نہ ملتا۔"

جارج نے بات کا رخ بدلتے ہوئے کہا:

"اس وقت میں ایک دوسرے مقصد کے لئے حاضر ہوا تھا۔"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"وہ کیا۔؟ کہو!"

وہ بولا:

"میں چاہتا تھا کہ مارٹین اور روکسین کو بھی آپ میرے حوالے کر دیں۔"

اسقفِ اعظم چوکنا ہو گیا اور اس نے کہا:

"وہ کیوں۔؟ تم سے ایک مرد تو سنبھالا نہیں جاتا۔ ایک خوبصورت لڑکی اور ایک طرح دار عورت کو کیا رکھ سکو گے۔؟"

ایک دفعہ پھر ہنس کر اسقفِ اعظم نے کہا:

"میرا خیال ہے بالکل مسحور ہو جاؤ گے پھر تو!"

اسقفِ اعظم کے پے بہ پے قہقہوں سے جارج کی ہمت بندھی۔ اُس نے ذرا اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا:

"یہ بات تو نہیں ہے فادر! لیکن......"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"لیکن کیا۔؟ وہ بھی کہہ ڈالو۔!"

جارج نے سوچا دبے دبے الفاظ سے کام نہیں چلے گا یہی وقت ہے جو کچھ کہنا ہے کہہ ڈالو۔ چنانچہ اُس نے اپنے آپ میں ہمت پیدا کر کے کہا:

"بات یہ ہے کہ میں مارٹین سے محبت کرتا ہوں...... جان دیتا ہوں اس پر......!"

اسقفِ اعظم بدستور ٹہل رہا تھا۔ اُس نے ایک مرتبہ ذرا رُک کر اور جارج کی طرف دیکھ کر کہا:

"ہوں......!"

اور پھر ٹہلنے لگا۔ جارج نے کہا:

"فادر! میری یہ محبت بہت پرانی ہے۔ سچ پوچھیے تو میں نے یہودا کے ہاں نوکری اسی لیے کی تھی کہ مارٹین کو دیکھ چکا تھا۔"

اسقفِ اعظم اب بھی ٹہلے چلا جا رہا تھا۔ ایک مرتبہ پھر اُس نے ذرا رُکتے رُکتے۔

"ہوں......!"

کہا اور پھر تیزی کے ساتھ ٹہلنے لگا۔

جارج کے لیے یہ "ہوں......" ایک عجیب اور ناقابلِ فہم معمہ بن کر رہ گیا تھا۔ پھر بھی اُس نے کہا:

"مارٹین میری زندگی ہے فادر!"

اسقفِ اعظم نے ٹہلنا بند کر دیا۔ غور سے ایک مرتبہ جارج کے عشق زدہ چہرے کو دیکھا اور کہا:

"مارٹین تمہاری زندگی ہے۔؟"

جارج نے جلدی سے کہا:

"جی...... جی ہاں......!"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"خوب! بہت خوب!"

جارج نے کہا:

"میں نے یہودا کو راضی کر لیا ہے۔!"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"اور مارٹین کو۔؟"

جارج نے خود اعتمادی کے ساتھ کہا:

"اسے بھی کر لوں گا۔"

اسقفِ اعظم نے پوچھا:

"تم اس سے شادی کرنا چاہتے ہو۔؟"

ذرا شرما کر جارج نے سر جھکا لیا۔ اس نے اسقفِ اعظم کا اٹھا ہوا بلکہ اکڑا ہوا سر نہیں دیکھا۔ جس کی آنکھوں سے اس وقت انگارے برس رہے تھے۔ جس کا چہرہ اس وقت جلال کی تصویر بنا ہوا تھا اور جو اس وقت غصہ سے بے قابو ہوا جا رہا تھا۔ اسقفِ اعظم نے کڑک کر کہا:

"جارج......!"

جارج نے نگاہ اٹھائی تو سماں بدلا ہوا تھا۔ مقدس باپ خوفناک دیوتا بن چکا تھا۔

اسقفِ اعظم نے کہا:

"جارج! تم نے بہت بُرے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔؟"

جارج کانپنے لگا۔

اسقفِ اعظم نے کہا:

"مارٹین اور روکسین کلیسا کی امانت ہیں۔ تم نہیں جانتے۔؟"

وہ لرزتی ہوئی آواز سے بولا:

"جانتا ہوں فادر!"

اسقفِ اعظم غصہ سے بے قابو ہو چکا تھا۔ اس نے غصہ کے عالم میں کہا:

"پھر تم نے یہ جرأت کیسے کی۔؟ تمہاری گستاخ نگاہی اتنی بڑھ گئی ہے کہ تم کلیسا کی امانت پر نظر ڈالتے ہو۔؟ تم مارٹین سے شادی کرنا چاہتے ہو جو اس خانقاہ میں دنیا سے بے تعلق ہو کر زندگی بسر کر رہی ہے۔ بولو! بتاؤ؟"

جارج اس انکشاف پر حیرت زدہ ہو گیا۔ اُس نے کہا:

"لیکن...... مارٹین تو یہودی ہے......!"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"اُسے عیسائی بننا پڑے گا۔!"

بڑی مشکل سے جارج نے ہمت پیدا کر کے کہا:

"عیسائی بننے کے بعد بھی وہ دنیاوی زندگی بسر کر سکتی ہے۔"

اسقفِ اعظم نے جھنجلا کر کہا:

"کیوں......؟ کس طرح......؟ میاں صاحبزادے! تم مجھے بے وقوف بناتے ہو......؟ یہ نہیں جانتے میں گرگِ باراں دیدہ ہوں......؟ تمہاری عشق بازی کلیسا کو انمول رتن سے محروم نہیں کر سکتی...... مارٹین یہیں رہے گی...... اور ردکسین بھی...... اگر تم یہودا پر قناعت نہیں کر سکتے تو صاف کہہ دو تا کہ میں دوسرا بندوبست کروں......!"

جارج نے کہا:

یہودا پر قناعت کا سوال نہیں ہے۔ آپ نے ایک غلام کی حیثیت سے اسے میرے حوالے کیا ہے اور اسی طرح وہ میرے پاس رہے گا! لیکن......!!!"

اسقفِ اعظم نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا:

"ہاں! کہہ ڈالو...... لیکن کے آگے کیا کہنا چاہتے ہو۔؟"

جارج نے جواب دیا:

"لیکن مارٹین کا معاملہ دوسرا ہے۔ اس سے میں محبت کرتا ہوں۔ اس کے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ اسے میں رفیقۂ حیات بنا کر رکھنا چاہتا ہوں۔"

اسقفِ اعظم بہت خوشی سے جارج کی باتیں سنتا رہا۔ پھر اُس نے کہا:

"کچھ اور کہنا چاہتے ہو۔؟"

جارج نے جواب دیا:

"جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا۔"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"اب میں کہوں کچھ۔؟"

جارج نے چڑھی ہوئی تیوریوں کے ساتھ کہا:

"فرمایئے۔!"

اسقفِ اعظم نے فیصلہ کن انداز میں کہا:

"تم جو کچھ چاہتے ہو وہ نہیں ہو سکتا۔"

جارج نے حیرانگی سے کہا:

"یعنی مارٹین مجھے نہیں مل سکتی۔؟"

اسقفِ اعظم زور سے بولا:

"قطعاً نہیں!"

کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر جارج نے کہا:

"فادر! یہ ظلم ہے۔!"

اسقفِ اعظم نے ایک درندے کی طرح چیخ کر کہا:

"تم مجھے ظالم کہتے ہو۔؟"

جارج نے جرأت کے ساتھ کہا:

"ضرور کہتا ہوں اور میں آپ کو بتا دوں مارٹین میری بن کر رہے گی۔"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"کیوں کر۔؟ کیا تم چھین لو گے اُسے مجھ سے۔؟"

جارج نے کہا:

"ہاں! چھین لوں گا۔ میں وزیرِ اعظم کے پاس جاؤں گا اور اُن سے فریاد کر گا۔ میں بادشاہ کے دربار میں پہنچوں گا۔"

اسقفِ اعظم نے ایک قہقہہ لگایا اور کہنے لگا:

"پاگل ہوا ہے؟ چھوکرے! تیرا وزیرِ اعظم میرے سامنے اتنا ہی بے بس ہے جت خود۔ اور ہاں! تیرا بادشاہ سلامت سو وہ بھی میرا ایک مہرہ ہے۔ وہ مجھ سے سرتابی کر سکتا۔ یہ میرا کام ہے کہ حکمِ درباری کے فرمان کو منسوخ کر سکتا ہے، لیکن تمہارے باد سلامت میں یہ ہمت نہیں کہ کلیسا کے حکم پر چوں و چراں کر سکے۔ سمجھے۔؟!"

اب جارج کو یاد آیا کہ وہ کس سے باتیں کر رہا ہے۔ کس کے سامنے کھڑا ہے۔ ک اس سے مخاطب ہے۔ اس نے سوچا واقعی کلیسا کے سامنے بادشاہ اور وزیر کسی کو مجال دم زد نہیں۔ کلیسا کا اقتدار سب پر بالا ہے۔ بادشاہ کے فیصلہ کی اپیل ہو سکتی ہے لیکن کلیسا ناجائز سے ناجائز فیصلہ کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ بادشاہ اسی وقت تک بادشاہ ہے جب اُسے کلیسا کا اعتماد حاصل ہے اور وہ کلیسا کے احکام کی تعمیل کر رہا ہے۔ اس راستہ سے وہ ہٹا اور تختِ حکومت اس کے قدموں کے نیچے سے پھسلا۔

جارج سوچنے لگا:

"پھر اب......؟ کیا مارٹین ہاتھ سے گئی......؟ کیا عشق کی چنگاری قطرۂ اشک سے بجھ جائے گی......؟ کیا مارٹین سے میں دست بردار ہو جاؤں......؟"

وہ یہی سوچ رہا تھا کہ اسقفِ اعظم نے تالی بجائی اور کئی غلام جو زیادہ تر یہودی حاضر ہوئے اور مؤدب ہو کر سامنے کھڑے ہو گئے۔ اسقفِ اعظم نے اُن سے کہا:

"اسے گرفتار کر لو۔؟"

دو غلاموں نے بڑھ کر مشکیں کس لیں۔ جارج زور سے چیخا:

"فادر رحم۔!"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"اطمینان رکھو! تمہارے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا، جس کے تم مستحق ہو۔ یہاں کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں کی جاتی۔"

پھر اسقفِ اعظم نے غلاموں سے کہا:

"اسے لے چلو میں آتا ہوں۔"

جاتے جاتے جارج نے پھر آہ و زاری کی:

"فادر......!"

لیکن اب اُس کی آواز اسقفِ اعظم کے کانوں سے دور ہو چکی تھی۔

دو یہودی غلام سامنے کھڑے تھے۔ ان سے اسقفِ اعظم نے کہا:

"تم جارج کا گھر جانتے ہو۔؟"

انہوں نے اقرار میں گردن ہلائی۔

اسقفِ اعظم نے کہا:

"تو جاؤ! وہاں یہودا موجود ہو گا۔ اُسے پکڑ لاؤ۔ راستے بھر مارتے ہوئے لاؤ اور اس طرح کشاں کشاں لاؤ کہ لوگ اُسے دیکھیں اور اُس کے منہ پر تھوکیں۔"

غلام خاموشی کے ساتھ تعمیلِ حکم کیلئے باہر نکل گئے۔ غلاموں کے جانے کے بعد لیزنا ادھر سے گزری۔ اُسے دیکھ کر اسقفِ اعظم کا غصہ ختم ہو گیا۔ اس نے آواز دی:

"لیزنا!"

وہ آ کر سامنے کھڑی ہو گئی۔

اسقفِ اعظم پیار سے گویا ہوا:

''کہاں جارہی تھیں۔؟''

لیزنا نے مؤدبانہ انداز میں کہا:

''باغ میں۔''

اسقفِ اعظم نے کہا:

''پھول چننے۔؟''

لیزنا نے کہا:

''وہاں جا کر کیا کروں گی۔یہ فیصلہ میں نے ابھی نہیں کیا۔ممکن ہے پھول چنوں۔ممکن ہے کانٹے۔!''

لیزنا کے ان روکھے الفاظ سے بھی اسقفِ اعظم خفا نہ ہوا۔صاف معلوم ہو رہا تھا کہ اس کا جی چاہتا ہے کہ اس آسمانی مخلوق کو اٹھا کر دل میں رکھ لے۔اسقفِ اعظم سلسلۂ کلام دراز کرنا چاہتا تھا کہ لیزنا باغ کی طرف چلی گئی۔جب تک وہ چلی نہیں گئی اسقفِ اعظم اس کے نقشِ قدس کو ایک عاشقِ صادق کی طرح دیکھتا رہا اور جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی تو ایک عاشقِ صادق کی طرح ٹھنڈی آہ بھر کر خود بھی اُس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔

☆☆☆

موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد

صحرا میں تاحدِ نگاہ پھیلے ہوئے ریت کے ٹیلوں کے درمیان چند مسلح گھوڑ سوار افراد تیزی سے گھوڑے دوڑاتے چلے آرہے تھے۔دھوپ اور گرمی کی حرارت سے اُن کے چہرے سرخ اور پسینے سے شرابور ہو رہے تھے۔گھوڑوں کی رفتار سے پتہ چل رہا تھا کہ یہ چند گھوڑ سوار ایک لمبی مسافت طے کر کے اس سمت کھجوروں کے جھنڈ اور چھوٹے سے چشمے کو دیکھ کر ستانے کی غرض سے چلے آرہے ہیں۔

آخر درختوں کے جھنڈ میں داخل ہو کر اس مسلح گھوڑ سوار جماعت کے سردار نے گھوڑا روک لیا اور اپنی جیب سے رومال نکال کر اپنے چہرے کے پسینے کو صاف کرتے ہوئے پیچھے مڑ کر ایک آدمی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''صہیب! ملکِ قیدان تو بہت دور ہے۔گھوڑے بھی چلتے چلتے تھک گئے ہیں اور ہمارے بازو بھی تلواریں چلا چلا کر شل ہو چکے ہیں۔کم بخت! کتنی زیادہ سخت ہیں ان ...لی برابر ان باغیوں کی گردنیں کہ ان کو کاٹتے کاٹتے میری تلوار کی دھار میں دندانے پڑ گئے ہیں۔''

صہیب نے گھوڑے کو قریب لاتے ہوئے قدرے مؤدب انداز میں جواب دیا:

''سردار! آپ نے ٹھیک فرمایا۔ایسا لگتا ہے کہ ان کم بختوں کی گردنوں میں ہڈی کی جائے لوہے کا سریا ہے جس کی وجہ سے تلواروں میں دندانے پڑ گئے ہیں۔''

سردار نے گھوڑے سے اترتے ہوئے کہا:

''بہرحال ہم نے افریقہ کی نیم وحشی قوم کو کسی قدر اپنے ماتحت کر ہی لیا ہے۔ اب ہمارے زیرِ اثر ہیں اور اللہ جل جلالہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کے فضل و سے ان کے علاقوں میں اسلامی حکومت کی بنیاد بھی مضبوط ہو گئی ہے۔ ہاں! صرا چند علاقے اور چند قبائل باقی ہیں جنہیں زیرِ اثر کرنے کے بعد انشاء اللہ! پورے افر میں اسلامی پرچم لہرائے گا، پورا افریقہ اسلام کا قلعہ نظر آئیگا اور ہر طرف اسلام کی رو ہوگی۔ لوگ اللہ جل جلالہ اور رسول صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کی شان میں قصید پڑھتے نظر آئیں گے۔ غرضیکہ ہر طرف اسلام اور مسلمان ہی بستے ہوں کفر، شرک، بدمذہب اور ستارا پرستوں کا خاتمہ ہو جائے گا اور یہاں کوئی بھی اللہ تعالیٰ سوا کسی کو نہ پوجے گا۔ انشاء اللہ!''

سارے سوار سردار کی یہ گفتگو بڑے غور سے سن رہے تھے۔ جب بات مکمل ہو گئی تو سوار جن کی تعداد پندرہ افراد پر مشتمل تھی اپنے گھوڑوں سے اترے، ان کو درختوں باندھ کر میٹھے پانی کے چشمے کی طرف چلے گئے اور پانی سے اپنی پیاس بجھانے میں مصروف ہو گئے۔

ان سب کے سردار موسیٰ بن نصیر تھے۔ آپ تابعی تھے یعنی آپ نے صحابہ کرام رض اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی زیارت کی تھی۔ موسیٰ بن نصیر ایک عظیم سپہ سالار تھے اور اسلامی خلی عبدالملک کی طرف سے مشرقی ممالک کے والی (وزیر) بھی مقرر ہوئے تھے۔ جب مو بن نصیر پیاس بجھانے کے بعد ستانے کی غرض سے کھجور کے درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے تو ان کے نائب صہیب نے ایک دفعہ پھر نہایت ادب سے سوال کرتے ہوئے کہا:

''کیا سردار کا ارادہ کچھ دیر ٹھہرنے کا ہے۔؟''

موسیٰ بن نصیر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا:

''کیا حرج ہے اگر تھوڑی دیر آرام کر لیا جائے۔؟ اس دوران دھوپ کی تمازت و حرارت میں بھی کمی آ جائے گی۔''

پھر فرمایا:

''گھوڑوں سے زینیں اتار لو! تا کہ یہ بھی تازہ دم ہو جائیں۔''

یہ سن کر صہیب نے آسمان کی طرف دیکھا جہاں آہستہ آہستہ سورج کے سامنے گرد وغبار سا چھا رہا تھا۔ اس نے قدرے تشویش کے ساتھ کہا:

''آقا! میں اس علاقے کا رہنے والا ہوں، میں دیکھ رہا ہوں کہ یہاں جلد ہی صحرائی طوفان آنے والا ہے......!!!''

موسیٰ بن نصیر نے بات کاٹتے ہوئے کہا:

''یہ تو اور اچھی بات ہے کہ ہمیں پناہ کے لیے یہ چند درختوں کا جھنڈ نصیب ہو گیا۔ ورنہ! صحرا کی ریت ہمارے لیے مصیبت بن جاتی۔ ہماری سواریوں کو بھی بھگا دیتی اور ہمارا بھی برا حال کر دیتی۔ ویسے بھی ہم خواہ کتنا بھی تیز چلیں قیدان تک نہیں پہنچ سکتے۔''

صہیب نے اپنے ہتھیاروں کو اتار کر درخت کے ساتھ محفوظ جگہ رکھ کر عرض کیا:

''آقا! آپ نے درست فرمایا۔ واقعی طوفان سے محفوظ رہنے کے لیے یہ جگہ بہترین پناہ گاہ ہے۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ سردار نے بقایا فوجی دستے کو وہیں قیام کرنے کا حکم دیا ورنہ تعداد کی زیادتی کی وجہ سے یہ جگہ کافی نہ ہوتی۔''

اس کے بعد صہیب نے اپنے ساتھی سپاہیوں سے کہا کہ وہ بھی ہتھیار اتار کر آرام کر لیں، گھوڑوں کو بھی ستانے دیں اور ان سے کاٹھیاں اتار دیں۔ یہ حکم دے کر صہیب جب موسیٰ بن نصیر کے پاس آ گئے تو موسیٰ بن نصیر نے سوال کیا:

''صہیب! تم خود بھی بربر قبیلے سے تعلق رکھتے ہو، میرا خیال ہے تم باغی قبائل کے سرغنہ ''ابوزراعہ'' سے بھی ضرور واقف ہو گے۔؟ یہ واحد شخص ہے جو باغیوں کی پشت پناہی کر رہا ہے۔ لومڑی کی طرح مکاری سے حملہ کر کے اسلامی لشکر وسپاہ کو نقصان پہنچا رہا ہے۔ تم

اس کے متعلق جو کچھ جانتے ہو مجھے بتاؤ......!"

صہیب نے جواب دیا:

"سردار! ابوزراعہ کو صحرا والے "سیاہ سانپ" کے نام سے پکارتے ہیں۔ وہ جتنا مکار دغاباز، دھوکے باز اور کمینہ ہے اسی طرح انتہائی بہادر، صاحبِ تدبیر اور جنگی سیاست کا ماہر بھی ہے......!"

گھوڑوں کے ہنہنانے سے یہ گفتگو یہیں ختم ہوگئی۔ پھر اس سے پہلے کہ یہ مختصر سا لشکر (جو ایک باغی قبیلے کی سرکوبی کر کے اپنی بقایا فوج کو پیچھے چھوڑ کر یہاں پناہ لیے ہوئے تھا) ہتھیاروں کو اٹھاتا، اُن پر سیاہ پوشوں کے گروہ نے حملہ کر دیا۔ یہ سیاہ پوش اسی ابوزراعہ کے ساتھی تھے جس کے متعلق موسیٰ بن نصیر اور صہیب کے درمیان باتیں ہو رہی تھیں۔ بے سروسامانی کی حالت میں بھی مٹھی بھر اسلامی جماعت نے ان کا بڑی بہادری سے مقابلہ کیا، لیکن حملہ اتنا اچانک ہوا تھا کہ اسلامی لشکر کو ہتھیار اٹھانے کا بھی موقعہ نہ ملا۔

مختصر سی جنگ کے بعد اب نخلستان مسلمانوں کے خون سے سرخ ہو چکا تھا۔ ایک ایک کر کے سارے ہی سپاہی دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو چکے تھے لیکن ایک طرف صرف تنہا موسیٰ بن نصیر مزاحمت کر رہے تھے، دشمنوں کے سپاہیوں کی گردنیں اڑا رہے تھے اور اُن کو واصل جہنم کر رہے تھے۔ ان کے جسم پر کافی چوٹیں آ چکی تھی بلکہ جسم زخموں سے چور چور تھا۔ ان کے قدموں میں ان ہی کے جانثار ساتھی اور نائب صہیب کی لاش کے ساتھ ساتھ دیگر سپاہیانِ اسلام کی لاشیں خون سے رنگی پڑی تھیں۔

شجاعت کا یہ عالم تھا کہ گروہ سیاہ پوش کے ساتھ اکیلے لڑ رہے تھے، بعض سیاہ فام تو آپ کے قریب ہی نہ آتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اگر چلے گئے تو واپس نہ آسکیں گے۔ آخر کسی سیاہ فام نے ہمت کے ساتھ پیچھے سے اُن کے سر پر ضرب لگائی۔ یہ ضرب اتنی شدید تھی کہ موسیٰ بن نصیر چکرا کر گر گئے اور بے ہوش ہو گئے۔

ایک سیاہ پوش نے دوسرے سیاہ پوشوں کی طرف دیکھ کر ان سے سوال کرتے ہوئے

کہا:

"کیوں نہ اس کا سر کاٹ کر عظیم "ابوزراعہ" کے پاس لے چلیں۔؟ اس عظیم کارنامے کی وجہ سے وہ ہم سے بہت خوش ہو جائے گا۔ اس لیے کہ ہم نے اپنے ساتھیوں کے خون کا بدلہ لے لیا ہے......!!!"

دوسرے سیاہ پوش نے جواب دیتے ہوئے کہا:

"نہیں! یہ مناسب نہیں کہ ہم اپنے قائد کے حکم کے بغیر کوئی عمل کریں۔ بہتر ہے کہ مردہ جسموں کو جنگلی درندوں کی خوراک بننے کے لیے چھوڑ دیں اور اس سردار کو جو بیہوش ہے، یہاں سے تھوڑی دور واقع ایک مکان میں بند کر دیں، جو ہمارے ساتھیوں کی پناہ گاہ کے لیے خالی رکھا گیا ہے اور اس (موسیٰ بن نصیر کو پکڑنے اور ان کی فوج کے شہید ہونے) کی اطلاع قائد ابوزراعہ کو دیں۔ پھر جو وہ حکم دے گا اس پر عمل کیا جائے گا۔"

تیسرا سیاہ پوش اپنی رائے دیتے ہوئے کہنے لگا:

"ہم موسیٰ بن نصیر کی زندگی کے بدلے اپنے کئی قیدی ساتھی چھڑا سکتے ہیں۔"

پہلے سیاہ پوش نے جواب دیا:

"بالکل ٹھیک ہے! اس بات کا تو مجھے خیال ہی نہیں آیا تھا۔ چلو! اسے اٹھاؤ۔! طوفان آنے سے قبل ہی ہمیں اسے بند کر کے اپنے ٹھکانے پر پہنچنا ہے۔!"

صحرائی طوفان پورے شباب پر تھا۔ بڑے بڑے پہاڑ نما ریت کے ٹیلے ایک جگہ سے دوسری جگہ تبدیل ہو رہے تھے۔ فضائیں گرد و غبار کے علاوہ کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ سیاہ پوش اب موسیٰ بن نصیر کو ایک مکان کے کمرے میں بند کر کے کسی نامعلوم منزل کی طرف جا چکے تھے۔ کمرے کے اندر موسیٰ بن نصیر زخموں سے چور، ابھی تک بیہوشی کی حالت میں زمین پر پڑے ہوئے تھے۔ کافی مقدار میں خون بہہ جانے کی وجہ سے نقاہت پیدا ہو چکی تھی اور اس نقاہت کے سبب غشی طاری تھی۔ یہ مکان نما اس صحرا میں کھڑا تھا جسے باغی لوگوں نے اپنی پناہ گاہ کے طور پر تعمیر کر رکھا تھا اور یہ آبادی سے کافی فاصلے پر واقع تھا۔

باہر صحرا میں ریت کے بگولوں کا رقص جاری تھا۔ ہوا ریت کو ایک سے دوسری جگہ جارہی تھی۔ ہر طرف ریت ہی ریت تھی۔ ہوا گرد آلود تھی۔ کسی چیز کا اس کے سامنے ٹھہرنا حد مشکل تھا۔ ادھر بے چارے مسلمان شہیدوں کی لاشیں پڑی ہوئیں تھی۔ جو بے گور ریت میں دبی جارہی تھی اور اُدھر موسیٰ بن نصیر بیہوش اور زخموں سے چور جسم کے ساتھ کمرے میں موجود تھے۔

ہوائیں عفریتوں کی طرح چنگھاڑتی تھی۔ ان کی آوازیں اتنی خوف زدہ تھی کہ اُ سننے والا پناہ مانگتا تھا۔ یہ آوازیں اس مکان کے اندر بھی آرہی تھی لیکن موسیٰ بن نصیر کو ابھی ہوش نہیں آرہا تھا۔ گرد و غبار کے طوفان میں ایک اونٹنی بلبلاتی ہوئی بھاگی چلی آرہی تھی۔ کی کوہان پر کپڑے میں لپٹی ایک گٹھڑی رکھی ہوئی تھی اور اس اونٹنی کے دونوں جا کجاوے میں پانی سے بھرے ہوئے دو بڑے بڑے مٹکے لٹک رہے تھے۔ اس اونٹنی کا اسی مکان کی طرف تھا جس میں موسیٰ بن نصیر بے ہوش پڑے تھے۔

اچانک اس کمرے میں آواز گونجی:

"پانی......! پانی......!! پانی......!"

آہستہ آہستہ کمرے کے اندھیرے میں سرگوشیاں اُبھر رہی تھیں۔ کمرے میں تار چھا چکی تھی۔ موسیٰ بن نصیر کو ہوش آچکا تھا اور آپ پانی، پانی پکار رہے تھے۔ پیاس کی وجہ حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے جس کی وجہ سے حلق سے آواز بھی نہیں نکل رہی تھی۔ نقاہت وجہ سے اُٹھا بھی نہیں جارہا تھا۔ کمزوری کے سبب زمین سے اٹھنا مشکل تھا۔ وہ پیاسے یار و مددگار پانی کی ایک ایک بوند کے لیے ترس رہے تھے۔ انہوں نے زمین پر پڑے پڑ اس حالت میں بھی گرد و پیش کا جائزہ لے لیا۔ کمرے کے چاروں طرف تھ دیواریں تھیں۔ صرف ایک طرف لوہے کا دروازہ تھا جو باہر سے بند تھا۔ چھت کافی بلند اور چھت کے قریب ایک چھوٹا سا روشن دان بھی تھا جو شاید ہوا اور روشنی کے حصول خاطر رکھا گیا تھا۔ موسیٰ بن نصیر کی حالت اتنی خراب تھی کہ گویا انہیں موت کھڑی نظر آرہی

گو کہ ہاتھ، پاؤں اور جسم کے دوسرے حصے ہلنے سے معذور تھے لیکن اب ہوش و حواس انہوں نے قابو پالیا تھا۔ وہ حسرت و یاس سے اس روشندان کی طرف دیکھ رہے تھے جہاں تک ان کی رسائی ناممکن تھی۔ انہوں نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور سانس لیتے ہوئے کہا:

"کیا تلوار سے کھیلنے والے سپاہی کی موت میدانِ جنگ کی بجائے ایڑیاں رگڑتے ہوئے اس زندان و قید خانے میں ہوگی۔؟ نہیں نہیں نہیں!!! میں نے اپنی نوکِ شمشیر سے تاریخ عالم کے سینے پر فتوحات کی داستانیں رقم کرنی ہیں۔ کفار کو شکست دے کر اسلام کا بول بالا اور مسلمانوں کی مدد کرنی ہے۔ میں اکیلا نہیں خدا جل جلالہ اور مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم میرے ساتھ ہیں۔ ان کی نگاہِ کرم سے میں یہاں قید ہو کر نہیں مروں گا۔ ابھی میرا عہد نامکمل ہے کہ میں پورے افریقہ کو اسلامی پرچم تلے سرنگوں کروں گا۔ مجھے اس تاریکی میں اسلام کی شمعیں فروزاں کرنی ہیں...... یا اللہ! میری مدد کر......! یا خدا میری مدد کر......!"

ابھی یہ الفاظ ان کے منہ میں ہی تھے اور ان کی نگاہیں روشندان پر لگی تھی کہ انہوں نے دیکھا کہ ایک دُبلا پتلا انسانی سایہ روشندان پر نمودار ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ سانپ کی طرح بل کھاتا ہوا اس روشندان سے کمرے کے اندر داخل ہوا، اس کے بعد اس نے ریتلے فرش پر چھلانگ لگادی۔ تاریکی میں پھر ایک بار موسیٰ بن نصیر کی سرگوشی اُبھری اور آپ نے اس آنے والے سے پوچھا:

"کون ہو تم......؟"

ایک معصوم سی آواز تاریکی میں اُبھرتی ہوئی موسیٰ بن نصیر کے کانوں تک پہنچی۔ آنے والے نے کہا:

"زندگی ہوں موت نہیں......!"

یہ جواب دیتے ہی اس آنے والے کا سایہ موسیٰ بن نصیر کے اور زیادہ قریب

آ گیا۔اس نے چہرے سے کپڑا اٹھایا اور موسیٰ بن نصیر نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا کہ بیا
چھریرے بدن، اور سانولے رنگ کا ایک نو عمر لڑکا تھا جس کی عمر آٹھ یا دس سال کے قر
ہو گی۔اس لڑکے نے کمرے میں موجود شمع روشن کر دی۔وہ موسیٰ بن نصیر کے قر
آ گیا۔اس نے آپ کے جسم پر لگے زخموں کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔جائزہ لیتے لیتے
لگا:

"آپ تو بہت زخمی ہیں۔؟"

موسیٰ بن نصیر نے جواب دیا:

"ہاں! اپنے آپ زمین سے اٹھ بھی نہیں سکتا۔"

لڑکے نے مسکراتے ہوئے کہا:

"شاید نخلستان میں بکھری ہوئیں تمہارے ہی ساتھیوں کی لاشیں ہیں۔؟ میں گا
سے پانی لینے یہاں آیا تھا۔تمہارے گھوڑے صحرائی طوفان میں بھاگے پھر رہے تھے۔و
میں نے ایک کو قابو کر لیا ہے۔"

موسیٰ بن نصیر نے نحیف آواز میں جواب دیا:

"ہاں! ہم پر سیاہ پوش گروہ نے اچانک حملہ کر دیا تھا۔ہمیں ہتھیار اٹھانے کا موقعہ
نہ ملا ورنہ......!"

بچے نے مسکراتے ہوئے کہا:

"ورنہ کیا......؟"

آپ نے جواب دیا:

"ورنہ......! معاملہ اس کے برعکس ہوتا۔اگر ہمیں ہتھیار اٹھانے کا موقعہ مل جاتا تو
حال ہمارے ساتھیوں کے ساتھ ہوا ہے بالکل یہی حال سیاہ پوشوں کا ہوتا اور ہم سلام
ہوتے۔"

لڑکے نے کہا:

"میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ یہ "صحرائی گدھوں" کا کارنامہ ہے۔یہ لٹیرے اپنے
اور پرائے میں بھی تمیز نہیں کرتے۔اسی لیے یہاں کے لوگ انہیں "صحرائی گدھوں" اور ان
کے سردار "ابوزراعہ" کو "سیاہ سانپ" کے نام سے پکارتے ہیں......!"

موسیٰ بن نصیر نے سوال کرتے ہوئے کہا:

"کیا تم مجھے چند گھونٹ پانی پلا سکتے ہو......؟"

بچے نے جواباً کہا:

"کیوں نہیں......؟ جی بھر کر پیئو......! دو بڑے مٹکے پانی سے بھرے موجود ہیں۔"

موسیٰ بن نصیر نے مایوسی اور تعجبانہ انداز میں کہا:

"لیکن اب تم باہر کیسے جاؤ گے......؟ روشندان تو کافی بلند ہے اور دروازہ باہر سے
بند ہے۔کاش......! تم دروازہ کھول کر اندر آئے ہوتے......!"

لڑکے نے کہا:

"ہاں! یہ مجھ سے غلطی ضرور ہوئی ہے۔لیکن آپ فکر مت کریں میں کمند ڈال کر اسی
روشندان سے باہر جاؤں گا اور پھر دروازہ کھول کر ہی اندر آؤں گا۔"

پھر لڑکے نے جلدی سے اپنی کمر پر بندھی رسی اتار کر اس کی کمند روشندان کی طرف
پھینکی۔دو چار مرتبہ ناکامی کے بعد آخر وہ چڑھنے میں کامیاب ہو گیا اور پھر وہ کسی بازی گر کی
طرح روشندان تک جا پہنچا اور سانپ کی طرح رینگ کر اس سے باہر نکل گیا۔

زندہ رہنے کی امید ایک دفعہ پھر پیدا ہو گئی۔موسیٰ بن نصیر نے تشکر آمیز نگاہوں سے
چھت کی طرف دیکھا۔وہ خیالوں میں اپنے رب کی شکر گزاری کر رہے تھے کہ اس نے ایک
کمزور سہارے کو طاقت دے کر بھیج دیا ہے۔ایک بار پھر موسیٰ بن نصیر نے اپنی پوری قوت
کے ساتھ زمین سے اُٹھنے کی کوشش کی اور اس کوشش میں انہوں نے اپنی پوری قوت صرف
کر دی لیکن اُن کو احساس ہو گیا کہ وہ بغیر سہارے کے نہیں اٹھ سکتے۔

پیاس سے اُن کی زبان باہر نکلنے کو تھی کہ اچانک دروازے پر کچھ آوازیں آنے لگیں۔

موسیٰ بن نصیر سمجھ گئے کہ یہ وہی ننھا فرشتہ ہے جو تالے پر طاقت آ
کر رہا ہے۔ چند منٹوں کے بعد ایک گڑگڑاہٹ کی آواز کے ساتھ دروازہ کھل گیا لیکن یہ
کر موسیٰ بن نصیر کا دل ہل گیا کہ یہ ان کا ننھا دوست تو نہ تھا لیکن شمشیرِ برہنہ لیے ایک
ہیکل سیاہ فام ہانپتے ہوئے ان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

آنے والے کا جسم پسینے سے شرابور تھا۔ وہ سانس کے تیز چلنے کی وجہ سے
رہا تھا۔ اس نے اپنی سانس پر قابو پاتے ہوئے کہا:

''بڑی جلدی سے میں تجھ تک پہنچا ہوں۔ تو مجھے نہیں جانتا لیکن اے مسلمان س
میں تجھے جانتا ہوں۔ تیرے دامن پر میرے بیٹے کے خون کے چھینٹے ابھی تک خشک
ہوئے۔ حالیہ بغاوت میں جو لوگ مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے ان میں میرا بیٹا بھی
تمہاری تلوار سے قتل ہوا تھا۔ میں نے اس کی لاش پر قسم کھائی تھی کہ بدلہ لوں گا۔ تم
اسیری کے متعلق سیاہ پوشوں کی جماعت نے میری موجودگی میں اپنے سردار ''ابوز
کو بتایا۔ بس پھر کیا میں ان سے نظر بچا کر آندھی اور طوفان کی طرح ان سے پہلے تم
آ پہنچا ہوں۔ وقت بہت کم ہے مرنے کے لیے تیار ہو جا......!''

موسیٰ بن نصیر نے ایک بار پھر موت کو اس روپ میں اپنے سامنے دیکھا لیکن با
کوشش کے بھی اپنے آپ کو مزاحمت کے قابل نہ پایا۔ اس وحشی حبشی کی تلوار فضا بن
میں اٹھی اور پھر اس سے پہلے کہ اس کی دھار موسیٰ بن نصیر کی گردن کو تن سے جدا کر
موسیٰ بن نصیر نے ایک بجلی کوندتی محسوس کی۔ ایک کرب کے آثار اس وحشی کے چہر
نمودار ہوئے اور اسکے ہاتھ فضا میں بلند کے بلند ہی رہ گئے۔ پھر وہ جب چکرا کر
پر گرا تو موسیٰ بن نصیر نے حیرت سے دیکھا کہ اس کی پیٹھ میں دستے تک
خنجر اُتر چکا تھا۔ اس وحشی کے دم توڑتے ہی وہی ننھا فرشتہ دروازے سے داخل ہوا۔ اس
ہاتھ میں پانی سے بھرا مشکیزہ تھا۔ اس نے جلدی سے اُس کا منہ کھول کر موسیٰ بن نص
حوالے کر دیا موسیٰ بن نصیر نے پانی پیا۔ آپ نے اپنے معصوم محسن کو مشکور نگاہوں سے

کیا

''تمہارا کیا نام ہے......؟''

لڑکے نے جواب دیا:

''میں ایک غلام ہوں...... میرا مالک ''مغیرہ بن سلطان'' پاس کے قبیلے کا سردار ہے
غلام کا اپنا کوئی نام نہیں ہوتا...... جس نام سے بھی اس کا مالک پکارے وہی اسکا نام ہوتا
ہے!''

لڑکا تھوڑی دیر خاموش ہونے کے بعد پھر کہنے لگا:

''میں نے اس حبشی کو آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ سوچا مضبوط تالے کو توڑنے کا کام اسی
سے کیوں نہ کر دیا جائے۔ پھر جب اس وحشی نے تمہیں قتل کرنا چاہا تو میں نے خنجر پھینک
کر اس کا کام تمام کر دیا۔ تمہارا گھوڑا دروازے پر موجود ہے، وقت بہت کم ہے، اس سے
کہ صحرائی سیاہ پوش اپنے سردار کے حکم سے یہاں آ پہنچیں۔ تمہیں یہاں سے
جانا چاہیے۔ تمہاری منزل کون سی ہے......؟''

موسیٰ بن نصیر نے کہا:

''مجھے ''قیدان'' جانا ہے، لیکن میرا خیال ہے میں یہ سفر تنہا نہ کرسکوں گا، تمہیں میرے
ساتھ جانا ہوگا۔''

بچے نے جواب دیا:

''لیکن میں تو ایک غلام ہوں۔ اپنے آقا کے حکم کے بغیر اس طرح چلا گیا تو سزا
کا مستحق قرار دیا جاؤں گا۔ وہ میرے اس فعل کو فرار اور بغاوت سے بھی تعبیر کرسکتا ہے۔''

موسیٰ بن نصیر نے فرمایا:

''تم اپنی وفاداری تبدیل کرلو! تمہارے بدلے جتنی رقم بھی تمہارا مالک مانگے گا میں
ادا کروں گا۔''

آخر کافی پس و پیش اور پیچ و تاب کے بعد موسیٰ بن نصیر نے اس لڑکے کو راضی کر ہی لیا

اور پھر یہ کمزور سا لڑکا اُن کو سہارا دے کر گھوڑے تک لایا اور انہیں اپنے ساتھ بیٹھا ک
اور طوفان کی طرح وہاں سے روانہ ہوا اور پھر سورج نکلنے سے پہلے پہلے وہ "
میں داخل ہو گیا۔ یہاں آ کر اس غلام کو معلوم ہوا کہ جس زخمی کو وہ لاد کر لایا ہے ا
'القدر اسلامی سپہ سالار اور والی افریقہ ہے......!! موسیٰ بن نصیر نے اس لڑکے کے
کو بلا کر منہ مانگی قیمت پر اس غلام کو خرید لیا جس کا نام طارق بن زیاد تھا۔

☆☆☆

اسقفِ اعظم، شہزادی لیزنا اور کلیسا کا خوفناک تہہ خانہ

کلیسا کے باغ میں لیزنا ایک طرف خاموشی سے بیٹھ گئی۔ اتنے میں دیکھتی کیا ہے کہ
ف اعظم تشریف لا رہے ہیں۔ انہیں دیکھ کر وہ برہمی کے ساتھ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

اسقفِ اعظم نے کہا:

"تم کھڑی کیوں ہو گئیں لیزنا۔؟ بیٹھو! میں بھی بیٹھتا ہوں۔ کچھ باتیں کرنی ہیں۔"

لیزنا نے جواب دیا:

"باتیں کھڑے کھڑے بھی ہو سکتی ہیں۔ فرمایئے!"

پھر وہ اسقفِ اعظم کی طرف غور سے دیکھنے لگی۔ اسقفِ اعظم اس کی آنکھوں کی تاب
ا۔ اُس نے کہا:

"لیزنا! مجھے اس طرح نہ دیکھو! میرا دل قابو سے باہر ہوا جاتا ہے۔"

لیزنا بولی:

"فادر! کچھ تو اپنے منصب کی لاج رکھئے۔ آپ ایک اوباش اور آوارہ مزاج شہری
ہیں۔ ایک "مقدس فادر" ہیں۔ اُندلس کے بہت بڑے کلیسا کے ناظمِ اعلیٰ۔!"

اسقفِ اعظم زور زور سے ہنسنے لگا:

"ٹھیک کہتی ہو لیزنا! میں کلیسا کا پرچم بلند رکھنے کی کوشش میں کوئی دقیقہ فروگ
نہیں کرسکتا اور ایک انسان کی حیثیت سے میرے سینہ میں دل بھی ہے اور وہ دھڑکتا
اور لیزنا! وہ صرف تمہارے لیے دھڑکتا ہے۔"

لیزنا نے ایک ناگن کی طرح بل کھایا اور کہا:

"اس ذرہ نوازی کی شکر گزار ہوں لیکن میرا دل آپ کو دیکھ کر دھڑکنا بند کر دیتا

اسقفِ اعظم ہنسنے لگا اور اس نے کہا:

"جانتا ہوں! تم کتنی شوخ ہو لیزنا! لیکن یہ باتیں چھوڑو۔ آؤ کام کی باتیں
میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ اگر تمہارا رویہ نہ بدلا اور تم نے اپنے آپ کو میرے حوالے
تو یا میں خودکشی کرلوں گا یا پھر دیوانہ ہو جاؤں گا۔!!"

لیزنا مسکرائی اور اس نے کہا:

"وہ بڑا مبارک دن ہوگا جب آپ اس دنیا کو داغِ مفارقت دیں گے۔"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"پھر وہی مذاق۔؟"

لیزنا بپھر گئی اور اس نے تعجبانہ انداز میں کہا:

"مذاق کیسا۔؟ آخر آپ مجھ سے چاہتے کیا ہیں۔؟ آپ کا مقصد کیا ہے۔؟"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"تمہیں پالینا! تمہارا بن جانا! تمہیں اپنا بنالینا! بس صرف اتنا۔!!"

وہ غصہ سے بولی:

"لیکن...... آپ بھول گئے کہ میں نن ہوں۔ ترکِ دنیا کرچکی ہوں۔ کسی سے
نہیں کرسکتی۔ کسی کے لیے اپنے دل کے دروازے نہیں کھول سکتی۔ کسی کی بن نہیں سکتی

اسقفِ اعظم بڑی سنجیدگی سے بولا:

"جانتا ہوں۔ معلوم ہے سب کچھ لیکن مجھ میں اور دوسروں میں فرق ہے۔"

لیزنا نے ایک نگاہِ غلط انداز ڈالی اور کہا:

"فرق۔؟"

اسقفِ اعظم نے سمجھاتے ہوئے کہا:

"ہاں! بہت بڑا۔؟"

لیزنا نے پوچھا:

"وہ کیا۔؟"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"تم دنیا میں کسی کی نہیں بن سکتی لیکن میری بن سکتی ہو۔ دنیا کا کوئی مرد تمہارے بدن کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ صرف میں ہوں جس کیلئے تمہارے دل کے دروازے کھل سکتے ہیں اور کھلیں گے۔!"

لیزنا کے ماتھے پر شکن پڑ گئی اور اس نے قدرے برہمی سے کہا:

"زبردستی۔؟"

اسقفِ اعظم فیصلے پر تیار تھا۔ اس نے کہا:

"یوں ہی سمجھ لو۔!"

لیزنا کا غصہ قابو سے باہر ہو گیا۔ اس نے کہا:

"میں روکسین اور مارٹین نہیں...... لیزنا ہوں۔!!!"

اسقفِ اعظم کے نرم لب ولہجہ میں اب تک کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ اس نے کہا:

"روکسین اور مارٹین کا ذکر تم نے کیوں کیا۔؟"

لیزنا پیکرِ جلال بنی ہوئی تھی۔ وہ بولی:

"ان غریبوں پر آپ جو چاہیں ظلم کرسکتے ہیں۔ ان کا جرم یہ ہے کہ ایک یہودی کے گھر پیدا ہوئیں۔ چنانچہ ان پر جو قیامت کے ستم توڑے جا رہے ہیں۔ میں اپنی آنکھوں

سے ہر روز یہ تماشہ دیکھ رہی ہوں لیکن میرا معاملہ بالکل الگ ہے۔"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"وہ کیسے۔؟"

لیزنا نے کہا:

"میں ایک بڑے عیسائی خاندان کی چشم و چراغ ہوں۔ میرا بھائی نائٹ ہے۔ میرا باپ نواب ہے۔ میرا عاشق جس سے میں محبت کرتی تھی اور جس کی موت کے باعث میں نن بنی۔ فوج کا بہت بڑا افسر تھا۔"

اسقفِ اعظم نے حقارت کے ساتھ کہا:

"تو اس سے کیا ہوتا ہے۔؟"

وہ بولی:

"میری ایک پکار پر یہ سب جمع ہو جائیں گے اور آپ کی تکا بوٹی کر کے رکھ دیں گے۔"

اسقفِ اعظم نے زہر خند کرتے ہوئے کہا:

"لیکن......لیزنا! اس کلیسا کی چاردیواری اتنی اونچی ہے کہ گلا چیختے چیختے پھٹ جائے گا۔ مگر تمہاری آواز باہر نہیں پہنچے گی اور اگر پہنچ بھی جائے کسی طرح تو یاد رکھو! میں اسقفِ اعظم ہوں جس سے تمہارے بادشاہ تک ڈرتے ہیں۔! میرے سامنے نہ تمہارے نواب باپ کی کچھ چل سکتی ہے، نہ نائٹ بھائی کی اور نہ فوج کے افسر تمہارے مرحوم عاشق کے دوستوں کی۔ آیا خیال میں۔؟"

لیزنا دل ہی دل میں لرز گئی۔ اُس نے ذرا نرم لہجہ میں کہا:

"لیکن آپ کو کیا حق ہے کہ میری جوانی اور عصمت سے کھیلنے کی کوشش کریں۔؟"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"مجھے نہیں تو کسے ہے۔؟"

لیزنا تقریباً رو پڑی۔ اس نے کہا:

"کسی کو بھی نہیں! میں یہ حق کسی کو دینا نہیں چاہتی۔"

اسقفِ اعظم نے تبسم کرتے ہوئے کہا:

"پھر وہی! تم کیا کرنا چاہتی ہو اور کیا نہیں کرنا چاہتی اس سے مجھے قطعاً کوئی سروکار نہیں۔ میں کیا چاہتا ہوں مجھے صرف اس سے بحث ہے اور یاد رکھو! میری مرضی صرف اس لیے ہوتی ہے کہ پوری ہو۔!"

لیزنا نے تیوری پر بل ڈال کر پوچھا:

"خواہ کتنی ہی ناجائز ہو۔؟"

اسقفِ اعظم نے تیوری پر بل ڈال کر جواب دیا:

"ناجائز۔ کیا میرا کوئی کام ناجائز بھی ہو سکتا ہے۔؟"

لیزنا نے کہا:

"کیوں نہیں۔؟ بُری بات ہر حالت میں بُری ہے۔ خواہ وہ کسی سے بھی سرزد ہو۔"

اسقفِ اعظم کو ہنسی آ گئی۔ اس نے کہا:

"تم کتنی بھولی ہو لیزنا؟ اور سچ پوچھو تو تمہاری ان ہی باتوں پر مجھے پیار آتا ہے۔"

لیزنا کے خوب صورت چہرے کو بالوں کی گستاخ لٹیں چوم رہی تھیں۔ اُس نے اپنے دستِ نازک سے انہیں ہٹایا اور کہا:

"آپ کو پیار کس کس پر نہیں آتا۔؟ اس خانقاہ میں کتنی نَنیں ہیں جنھیں میں جانتی ہوں آپ خراب کر چکے ہیں۔"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"پھر وہی۔ میں نے کسی نن کو خراب نہیں کیا بلکہ سرفراز کیا ہے۔"

لیزنا نے تیور بدلتے ہوئے کہا:

"اور اب آپ مجھے سرفراز کرنا چاہتے ہیں۔؟"

اسقفِ اعظم نے کہا:

''ہاں۔!''

لیزنا بولی:

''شکریہ! میں حقیر ہوں۔ آپ اس عنایت سے مجھے تو معاف ہی رکھیے۔''

اسقفِ اعظم نے جھلا کر کہا:

''آخر تم اتنی بے وقوف کیوں ہو۔؟ کیا مجھے کسی دوسری طرح تمہیں سمجھانا پڑے گا۔؟''

لیزنا کانپ گئی اور بولی:

''کیا میرا حشر بھی وہی ہوگا جو مارٹین کا آپ کر چکے ہیں اور کر رہے ہیں۔؟''

اسقفِ اعظم نے کہا:

''ہاں! ہوسکتا ہے۔ رعایت کی ایک حد ہوتی ہے۔''

فیصلہ کن انداز میں وہ بولی:

''کچھ بھی ہو میں گناہ میں مبتلا نہیں ہوسکتی۔ یہ کرنا ہوتا میں دنیا سے منہ موڑ کر نن بنتی۔''

جھلا کر اسقفِ اعظم نے کہا:

''تم اور جو کچھ چاہو کہو لیکن گناہ کا نام ہرگز نہ لو۔''

لیزنا نے کہا:

''کیوں نہ لوں۔؟''

اسقفِ اعظم نے کہا:

''تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ گناہ کو اس خانقاہ کی چار دیواری میں آنے کی اجازت نہیں۔ یہاں جو کچھ ہوتا ہے وہ گناہ نہیں ثواب ہے۔!''

لیزنا نے کہا:

''ننوں کی بے عصمتی اور بے آبروئی، آپ کی اور آپ کے ساتھی پادریوں کی عیاشی اور آوارہ مزاجی، مقدس کنواریوں کا حاملہ رہنا اور پھر اُن کا جبری اسقاط اور اگر کسی نن کے بطن سے بچہ پیدا ہو جائے تو اُس کا گلا گھونٹ کر ہلاک کر دینا یہ سب ثواب ہے۔؟ گناہ نہیں۔؟''

اسقفِ اعظم نے پُر وقار انداز میں جواب دیا:

''ہاں! یہ سب ثواب ہے۔ گناہ نہیں۔''

لیزنا سوا اس کے کچھ نہ کہہ سکی:

''تعجب ہے۔!''

اسقفِ اعظم نے کہا:

''اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟۔ ہم جسے گناہ کہہ دیں وہ گناہ ہے، جسے ثواب کہہ دیں وہ ثواب ہے۔''

لیزنا ذرا غصہ کے ساتھ بولی:

''خدا نے اپنے سارے اختیارات آپ کو سونپ دیئے ہیں کیا۔؟''

اسقفِ اعظم گویا ہوا:

''ہاں! یہی بات ہے۔ وہ تمام اختیارات ہمیں حاصل ہیں جو خدا کو حاصل ہیں۔''

لیزنا کی آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگیں۔ اس نے کہا:

''تو میرا ایسے خدا سے کوئی تعلق نہیں۔ سن لیجئے کان کھول کر۔!''

اسقفِ اعظم نے یہ الفاظ سن تو لیے لیکن اُس کا غصہ قابو سے باہر ہو گیا اور اس نے کہا:

''تو کافر ہے۔!''

اسی لہجہ میں وہ بولی:

''ہاں! میں کافرہ ہوں۔ میں عیسائیت پر لعنت بھیجتی ہوں۔ میں ایسے مذہب سے کوئی سروکار نہیں رکھنا چاہتی جو گناہ کو ثواب اور ثواب کو گناہ قرار دیتا ہو۔''

اسقفِ اعظم نے کہا:

"لیزنا! سوچ لو! ان الفاظ کا انجام کیا ہوگا۔؟"

لیزنا نے کہا:

"سوچ لیا۔"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"پھر تم بچ نہ سکو گی۔!"

لیزنا نے کہا:

"دیکھا جائے گا۔!"

لیکن اسقفِ اعظم کو پھر پیار آ گیا۔ اس نے کہا:

"میں نے تمہارے گناہ معاف کیے۔ آؤ میرے قریب آؤ! میرے سینے سے لگ جاؤ! میرا نور تم تک پہنچ جائے گا۔ تمہارے گناہ دُھل جائیں گے۔ تم ویسی ہی پاک ہو جاؤ گی جیسے ایک معصوم بچہ۔ دیکھو! اس قیمتی وقت کو ضائع نہ کرو۔!"

اسقفِ اعظم بڑھا اور اس کا سر اپنے سینہ سے اور اپنے ہونٹ اس کے رخسار سے نہ لگا سکا تھا کہ سرسراہٹ سی ہوئی۔ معلوم ہوا کوئی آ رہا ہے۔ اسقفِ اعظم نے گرفت ڈھیلی کر دی۔ لیزنا ہٹ کر پھر اپنی جگہ پہنچ گئی۔ اسقفِ اعظم نے مڑ کر دیکھا تو وہی دونوں غلام یہودا کو اس حالت میں پکڑے اور جکڑے ہوئے لا رہے ہیں کہ وہ لہولہان ہے۔ اس کا سر پھٹا ہوا ہے۔ کپڑے تار تار ہیں۔ مشکیں بندھی ہیں اور وہ زور زور سے اسقفِ اعظم کو اور کلیسا کو گالیاں دے رہا ہے۔

اسقفِ اعظم نے یہ تماشہ دیکھا اور اپنے غلاموں سے کہا:

"تم اس کی زبان نہیں بند کر سکتے۔؟"

انہوں نے ادب سے سر جھکا کر عرض کیا:

"فادر! زبان ہی بند کرنے کیلئے ہم نے اس کی یہ حالت بنائی ہے...... لیکن...... یہ نہیں چپ ہوتا...... اور زیادہ چیخ چیخ کر گالیاں بکنے لگتا ہے......!"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"کوئی مضائقہ نہیں! ٹھیک ہو جائے گا۔ تم اسے قید خانے لے چلو۔ ٹھہرو! میں بھی چلتا ہوں۔"

اور لیزنا بھی اسقفِ اعظم کے پیچھے پیچھے چلی۔ نہ جانے کیا سوچ کر لیزنا اسقفِ اعظم کے پیچھے پیچھے چلی اور نہ جانے کیا سوچ کر اسقفِ اعظم نے اُسے اپنا تعاقب کرنے دیا۔ شاید وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ کلیسا کی مقدس سرزمین پر یہودا جیسے بے گناہوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے۔؟ شاید اسقفِ اعظم بتانا چاہتا تھا کہ لیزنا نے اگر آسانی سے اپنا سب کچھ مجھے سونپ نہ دیا تو اس کی کیا حالت بنے گی۔!

یہودا۔؟ وہ تو برابر چیخ رہا تھا۔

اسقفِ اعظم اس کی یہ چیخ و پکار سنتا رہا۔ پھر اُس نے کہا:

"یہودا! نہ گھبراؤ۔ آج فیصلہ کا دن ہے۔!"

یہودا نے پوچھا:

"فیصلہ کا دن۔؟"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"ہاں! آج تمہاری قسمت کا فیصلہ ہو جائے گا۔ آج تمہاری تکلیفوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ آج تمہاری شکایتیں دور ہو جائیں گی۔ آج کے بعد پھر تمہیں فریاد کرنے کی ضرورت بھی نہیں پیش آئے گی۔!"

یہودا نے کہا:

"مقدس فادر! نہیں......! شیطان باپ کے شیطان بیٹے! میں جانتا ہوں ان باتوں سے تمہارا کیا مطلب ہے...... لیکن اس کے باوجود میں بھی وہی چاہتا ہوں جو تم ابھی کہہ رہے تھے۔!"

اسقفِ اعظم بولا:

"تم جتنی گالیاں بک سکتے ہو بک لو! تمہیں پوری آزادی ہے۔!"

یہودا نے زور سے کہا:

"او عیسائی کتے! یہ زبان اُس وقت تک چلتی رہے گی جب تک کاٹ نہ ڈالی جائے، جب تک ہلاک نہ کردیا جاؤں۔!"

اسقفِ اعظم نے جواب دیا:

"ممکن ہے تمہاری یہ دونوں آرزوئیں پوری ہو جائیں۔ ذرا انتظار کرو۔!"

اب یہ لوگ ایک تہہ خانے کے دروازے میں پہنچے۔ دروازے پر چار خونخوار مہیب صورت غلام کھڑے تھے۔ اسقفِ اعظم نے کہا:

"دروازہ کھولو۔!"

انہوں نے ادب سے سر جھکایا اور تہہ خانے کا آہنی دروازہ کھولا۔ یہ دروازہ اتنا بڑا اور وزنی تھا کہ یہ چاروں تنومند اور مضبوط جوان زور لگا کر مشکل کے ساتھ اسے کھول پائے۔ اسقفِ اعظم آگے بڑھا۔ اس کے پیچھے پیچھے یہودا اور دونوں یہودی غلام تھے۔ سب سے آخر میں لیزنا تھی۔ جب لیزنا اندر داخل ہونے لگی تو تہہ خانے کے محافظوں میں سے ایک اس کے سامنے راستہ روک کر کھڑا ہو گیا اور پکارا:

"فادر!"

اسقفِ اعظم نے مڑ کر دیکھا اور کہا:

"کیا ہے۔؟"

اُس نے پوچھا:

"کیا اس لڑکی کو آنے دوں۔؟"

اسقفِ اعظم نے جواب دیا:

"جو ہمارے ساتھ آئے تم اسے نہیں روک سکتے۔ آنے دو! آؤ لیزنا! آؤ۔!"

غلام سامنے سے ہٹ گیا اور یہ مختصر سا قافلہ آگے بڑھا۔ راستہ بہت تنگ اور تاریک تھا

اور ایک عجیب ہیبت ناک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ لیزنا کا تو بار بار جی چاہتا تھا کہ واپس چلی جائے لیکن اب پیچھے جانا ناممکن تھا۔ مجبوراً آگے بڑھ رہی تھی۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد تاریکی اور بڑھ گئی۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ اسقفِ اعظم نے تالی بجائی۔ فوراً اندھیرے میں دو کالی کالی صورتیں نمودار ہوئیں۔ لیزنا کو تو ایسا معلوم ہوا جیسے دو بھوت سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔ اس اندھیرے میں بھی اُن کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

اسقفِ اعظم نے کہا:

"روشنی۔!"

اور فوراً وہ تنگ و تاریک راستہ مشعلوں کی کثرت سے بقعۂ نور بن گیا۔ تھوڑی دور تک یہ لوگ چلتے رہے۔ پھر ایک اور دروازہ آیا اسقفِ اعظم نے نئے آدمیوں سے جو مشعل لیے ہوئے تھے کہا:

"اسے کھولو۔!"

دروازہ کھل گیا اور یہ لوگ پھر آگے بڑھے۔ اب تاریکی بالکل ختم ہو چکی تھی اور فضا میں روشنی نظر آ رہی تھی۔ کم از کم مشعل کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ لوگ برابر چلتے رہے۔ یہاں تک کہ پھر ایک دروازہ آیا۔ دروازے کے سامنے چھ غلام کھڑے تھے۔ اسقفِ اعظم کو دیکھ کر یہ سجدے میں گر پڑے۔ اسقفِ اعظم نے ایک ٹھوکر لگائی اور کہا:

"اٹھو! دروازہ کھولو۔!"

ٹھوکر کھا کر یہ سجدہ گزار اٹھے اور انہوں نے دروازہ کھولا۔ سامنے ایک بہت بڑا کمرہ تھا۔ اس کمرے میں سینکڑوں آدمیوں کی کھوپڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ ایک کونے میں ہڈیوں اور پسلیوں کا انبار بھی نظر آ رہا تھا۔ دوسری طرف کچھ لاشیں پڑی تھیں اور اس میں سڑاند پیدا ہو گئی تھیں۔ بدبو کے مارے سانس کا لینا مشکل معلوم ہو رہا تھا۔ لیزنا کا دم گھٹا جا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پاؤں لڑکھڑانے لگے۔ قریب تھا کہ بے ہوش ہو کر گر پڑے لیکن جلد ہی یہ منظر ختم ہو گیا اور یہ لوگ دوسرے کمرے میں پہنچے۔

یہ کمرہ پہلے کمرے سے بھی بڑا تھا اور اس میں بہت سے لوگ ہتھکڑیوں اور بیڑیو
میں جکڑے ہوئے زمین پر پڑے کراہ رہے تھے۔ ان ہی لوگوں میں یہودا کی ناز ونخر
والی بیٹی مارٹین بھی تھی۔ مارٹین کا پھول سا چہرہ کملا چکا تھا۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں حا
میں دھنس گئی تھیں۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ کپڑے میلے ہو چکے تھے۔ ایسا معا
ہوتا تھا کہ اس نے کئی دن سے کھانا بھی نہیں کھایا۔

اور روکسین بھی تھی۔! روکسین یہودا کی بیوی۔! مارٹین کی ماں۔! گو اس کی
چالیس سال کے قریب تھی۔ مگر جیل میں آنے سے پہلے اس کا حسن وشباب قائم تھا لیکن
یہاں آتے ہی اس کا سارا خون جیسے کسی نے سونت لیا۔ چہرہ زرد، جسے خزاں رسیدہ پتی ا
کمزوری کا یہ عالم کہ کراہنا تک ناممکن تھا۔

اور جارج بھی تو یہیں تھا۔! وہی جارج جو ان سب کی مصیبت کا سبب تھا۔! اس وقت
خود بھی بے پناہ مصائب کا شکار ہو رہا تھا۔ اس کی حالت مارٹین اور روکسین سے بھی زیا
ابتر نظر آ رہی تھی۔ پیاس سے ہونٹ خشک اور آس پاس کہیں پانی کا پتہ نہیں۔

یہ منظر دیکھ کر لیزنا کو پھر غش آنے لگا، لیکن اس نے ہمت کر کے اپنے آپ کو سنبھالا
البتہ یہودا بالکل بے پروا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ زندگی سے مایوس ہو چکا ہے اور موت
بلاوا دے رہا ہے۔ اسقف اعظم نے یہاں آ کر مجنوؤں کی طرح ایک زوردار قہقہہ لگایا او
لیزنا سے مخاطب ہو کر کہا:

"دیکھا تم نے۔؟"

لیزنا کچھ جواب نہ دے سکی۔

اسقف اعظم نے پھر کہا:

"نافرمانی کا انجام دیکھ لیا تم نے۔؟"

"وہ بہت آہستہ سے بولی:

"ہاں! مقدس فادر!"

پھر اسقف اعظم مارٹین سے مخاطب ہوا اور اس نے کہا:

"کہو مارٹین! کیا حال ہے تمہارا۔؟"

وہ بولی:

"جو آپ دیکھ رہے ہیں۔"

اسقف اعظم نے کہا:

"مجھے تم پر ترس آتا ہے۔"

وہ بولی:

"میں ترس کی بھیک نہیں مانگتی۔"

مارٹین کا دم خم دیکھ کر لیزنا دل ہی دل میں تھرا گئی۔ جو دہشت یہ منظر دیکھ کر اس کے دل میں پیدا ہوئی تھی، وہ بڑی حد تک کم ہو گئی اور ایک نیا حوصلہ اس میں پیدا ہو گیا لیکن اسقف اعظم بدستور مارٹین ہی سے مخاطب تھا۔ اس نے ذرا نرمی کے ساتھ کہا:

"تم چاہو تو اس مصیبت سے چھوٹ سکتی ہو۔"

مارٹین بڑے سخت تیور کے ساتھ بولی:

"جانتی ہوں لیکن یہ مصیبت میری رفیق بن چکی ہے۔ میں اس کا ساتھ چھوڑنا نہیں چاہتی۔ یہ بھی مجھ سے الگ ہونا نہیں چاہتی۔!"

اسقف اعظم نے جھلا کر کہا:

"تم اب تک اپنی ضد پر قائم ہو۔؟"

مارٹین نے کہا:

"ہاں! اپنی ضد پر قائم ہوں اور قائم رہوں گی۔! یہ جارج تیرے سامنے بندھا پڑا ہے اس سے بڑھ کر میرا دشمن کون ہو سکتا ہے۔؟ اسی نے مجھے برباد کیا۔ میرے باپ کو تباہ کیا۔ ہماری ہر چیز تاراج کر دی۔ میں اس جارج کو تجھ سے بہتر سمجھتی ہوں۔ اس کی ضد پوری کر سکتی ہوں، لیکن تیری ہوس پر سر جھکانا مجھے منظور نہیں۔!"

اسقفِ اعظم نے بادل کی طرح گرج کر کہا:

"یہ بات ہے۔؟"

اب جارج کا عشق دل میں چٹکیاں لینے لگا۔

مارٹین بولی:

"غلط! میں جارج سے بھی نفرت کرتی ہوں۔ ہر عیسائی سے نفرت کرتی ہوں۔ لیکن تجھ سے کم۔"

اسقفِ اعظم نے مفاہمت کے لہجہ میں پوچھا:

"آخر کیوں۔؟"

اسقفِ اعظم نے روکسین سے کہا:

"تمہیں اپنی بیٹی پر رحم نہیں آتا۔؟"

وہ بولی:

"آتا ہے۔"

اسقفِ اعظم نے مشورہ دیا:

"تو اس سے کہو کہ مجھ سے سرتابی نہ کرے۔"

روکسین بولی:

"کہہ چکی۔"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"مگر جواب۔؟"

روکسین بولی:

"انکار۔"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"تم تو ماں ہو۔"

روکسین نے جملہ مکمل کرتے ہوئے کہا:

"لیکن...... بے بس۔!"

پھر وہ بولی:

"آپ کے ہاتھ میں تو خدائی ہے۔ مگر کچھ نہیں پاتے۔ یہ مرنے کا فیصلہ کر چکی ہے اور میں اس کی زندگی سے مایوس ہو چکی ہوں۔!"

روکسین کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

یہودا نے کہا:

"روکسین! کیا تم میرے اور مارٹین کے بعد بھی زندہ رہنا چاہتی ہو۔؟"

وہ بولی:

"ہرگز نہیں۔"

یہودا نے کہا:

"تو پھر آنسو پونچھ لو! مسکراؤ! ہنسو! خوش ہو جاؤ! ناچو! گاؤ۔!!!"

روکسین، لیزنا، مارٹین، جارج اور اسقفِ اعظم سب حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔

روکسین نے کہا:

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی۔! خدا نہ کرے تم پاگل تو نہیں ہو گئے۔؟"

یہودا نے کہا:

"نہیں روکسین! میں پاگل نہیں ہوا۔ میرے حواس بجا ہیں۔ میرا مطلب بالکل صاف ہے۔"

روکسین نے پوچھا:

"لیکن میں نہیں سمجھی۔"

یہودا نے سرمستی اور سرخوشی کے عالم میں جواب دیا:

"آج فیصلے کا دن ہے۔ آج مصیبت کی بیڑیاں کٹ جائیں گی۔"

وہ خوش ہو کر بولی:

"سچ۔؟"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"ہاں! یہ سچ کہتا ہے۔ آج تم لوگوں کے فیصلے کا دن ہے۔"

روکسین اسقفِ اعظم کی طرف دیکھنے لگی۔ اسقفِ اعظم نے ذرا سکوت کر کے کہا:

"آج تم میں سے ہر وہ شخص جو میری نافرمانی کا مجرم ہے۔ اس کمرے سے اس کمرے میں (جہاں انسانی جسم کے انجر، پنجر، کھوپڑیاں، ہڈیاں اور پسلیاں پڑی ہوئی ہیں) پہنچا دیا جائے گا۔!"

روکسین کانپ اُٹھی اور اس نے کہا:

"مقدس فادر!"

مارٹین نے ماں کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور اسقفِ اعظم سے مخاطب ہو کر کہنے لگی:

"زندگی میں پہلی اور آخری بار آپ کا ..... "شکریہ" ...... ادا کرتی ہوں۔!"

یہودا نے کہا:

"میں بھی۔!"

اور جارج بول اٹھا:

"فادر! میں بھی ......!"

اسقفِ اعظم نے روکسین سے پوچھا:

"اور تم۔؟"

وہ بولی:

"میں بھی!"

اسقفِ اعظم حیرت سے مبہوت ہو گیا۔ اُس نے بہت سے لوگوں کی جان لی تھی اور اُن کے مرنے کا تماشہ دیکھا تھا لیکن وہ موت سے بھاگتے تھے۔ مرنے سے پہلے انہیں کئی

مرتبہ موت آتی تھی اور آج یہ جو اسے نظر آ رہے تھے، عجیب قسم کے لوگ تھے جو موت کا بے چینی کے ساتھ انتظار کر رہے تھے، جو موت کو بلاوا دے رہے تھے۔

اسقفِ اعظم نے شریں لب و لہجہ میں کہا:

"سوچ لو!"

یہودا نے جواب دیا:

"سوچ لیا! تو جو کچھ کر سکتا ہے کر ڈال! ہمیں زندگی نہیں چاہیے۔ ہم موت سے ہم آغوش ہونا چاہتے ہیں۔"

اسقفِ اعظم نے جارج کی طرف دیکھا اور وہ حقارت سے اسے دیکھ کر بولا:

"تو نے قید کر کے میری آنکھیں کھول دیں۔"

اسقفِ اعظم نے پوچھا:

"وہ کیسے۔؟"

جارج نے کہا:

"میں اپنے دین کو سب سے اچھا سمجھتا تھا، لیکن آج یہاں کے حالات دیکھ کر مجھے شرم آنے لگی اس دین پر۔!"

اسقفِ اعظم نے جھلا کر کہا:

"ہوں......!"

اور پھر تالی بجائی۔ فوراً چند مسلح غلام حاضر ہوئے۔ ان کے ہاتھوں میں تلواریں چمک رہی تھیں۔ ان کی ہیبت بڑی ڈراؤنی تھی۔ ان کی آنکھوں میں بجلیاں کوند رہی تھیں۔ یہ فیصلہ مشکل تھا کہ ان کی آنکھیں زیادہ چمک دار تھیں یا تلواریں۔؟

اسقفِ اعظم نے کہا:

"تمہاری تلواریں کلیسا کے دشمنوں کا سر کاٹنے کے لئے تیار ہیں۔؟"

ان سب نے سر جھکا کر کہا:

"ہاں! مقدس فادر!"

اسقفِ اعظم نے جارج کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"مجرم نمبر ایک یہ ہے۔!"

وہ لوگ آگے بڑھے اور انہوں نے جارج کو گھسیٹ کر مجرموں کے حلقہ سے نکالا اور الگ کر کے دیوار کے پاس لا کھڑا کیا۔

اسقفِ اعظم نے کہا:

"حکم کا انتظار نہ کرو! اس کی گردن اُڑا دو! یہ کلیسا کا باغی ہے۔!"

قریب تھا کہ جارج کی گردن اُڑا دی جاتی، لیکن لیزنا اس منظر کی تاب نہ لا سکی۔ اُس کے پاؤں لڑکھڑائے اور وہ چیخ مار کر گر پڑی۔

سب لوگ سہم گئے۔ مارٹین نے مسکراتے ہوئے کہا:

"اس کمزور لڑکی کو آپ یہاں کیوں لائے۔؟ اسے لے جائیے! یہ اب کبھی آپ کی نافرمانی نہیں کرے گی۔!"

اسقفِ اعظم نے غصہ سے مارٹین کی طرف دیکھا۔ آدمیوں کو اشارے سے روکا اور خود لیزنا کی طرف بڑھا۔ وہ بے ہوش تو نہیں ہوئی تھی لیکن ہوش میں بھی نہیں تھی۔ اُس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا، اس کی نبض بڑی تیزی سے چل رہی تھی، اس کے ہونٹ خشک ہو رہے تھے، اس کی آنکھوں تلے اندھیرا چھایا ہوا تھا اور دماغ چکرا رہا تھا۔

اسقفِ اعظم نے بڑی شفقت اور محبت کے لہجہ میں پوچھا:

"کیا ہوا لیزنا۔!"

وہ ہونٹوں پر زبان پھیرتی ہوئی بولی:

"پانی۔!"

اسقفِ اعظم نے آدمیوں کی طرف دیکھا۔ فوراً ایک آدمی بھاگا بھاگا گیا اور ایک گلاس میں ٹھنڈا پانی لے کر حاضر ہوا۔ اسقفِ اعظم نے پانی کا گلاس دیتے ہوئے لیزنا

سے کہا:

"اسے پی لو! طبیعت سنبھل جائے گی۔!"

لیزنا نے پانی پی لیا اور واقعی اس کی طبیعت کچھ کچھ سنبھل گئی۔

اسقفِ اعظم نے کہا:

"تمہارا دل بہت کمزور ہے۔!"

وہ روتی ہوئی بولی:

"فادر! میں یہ منظر نہیں دیکھ سکتی۔ میرے سامنے اگر ان میں سے کوئی بھی قتل ہوا تو میری روح پرواز کر جائے گی۔"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"تم نے یہاں آ کر غلطی کی۔"

وہ بولی:

"ہاں! مقدس فادر! مجھ سے غلطی ہوئی۔ چلئے! یہاں سے چلیں۔!"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"تم جا سکتی ہو۔ میں تو ان بدبخت مجرموں کا آخری فیصلہ کر کے جاؤں گا۔!"

وہ رونے لگی:

"نہیں میں اکیلی نہیں جاتی۔!"

اسقفِ اعظم نے دلجوئی کرتے ہوئے کہا:

"میرے آدمی تمہارے ساتھ جائیں گے۔"

اس نے معصومانہ ضد کرتے ہوئے کہا:

"میں آدمیوں کے ساتھ بھی نہیں جانے کی۔"

اسقفِ اعظم نے حیرت سے اسے دیکھ کر کہا:

"پھر.....؟"

لیزنا بولی:

"میں تو جس کے ساتھ آئی ہوں اُسی کے ساتھ جاؤں گی۔"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"تو تم دوسرے کمرے میں میرا انتظار کرو میں ابھی فارغ ہو کر آتا ہوں۔"

لیزنا نے اسقفِ اعظم کے گلے میں اپنی نازک بانہیں حمائل کر دیں اور کہا:

"نہیں۔"

اس التفات سے اسقفِ اعظم کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا، اس کی نبض تیزی ساتھ دوڑنے لگی، آنکھوں کے نیچے اندھیرا آ گیا، ہونٹ خشک ہو گئے اور دماغ چکرانے لگا لیزنا کی بانہیں اب تک اس کی گردن میں حمائل تھیں اور وہ ٹکٹکی باندھے قاتل نظروں سے دیکھے جا رہی تھی۔

اسقفِ اعظم کے منہ سے بے ساختہ نکلا:

"پانی۔!"

سارا گلاس ایک ہی گھونٹ میں پی کر اسقفِ اعظم نے دریافت کیا:

"تم چاہتی کیا ہو۔؟"

وہ ناز و انداز سے بولی:

"ان مجرموں کو معاف کر دیجئے۔!"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"معاف کر دوں......؟"

لیزنا نے کہا:

"ہاں۔!"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔!"

لیزنا نے کہا:

"میرے کہنے سے بھی نہیں۔؟"

نہ جانے ان چند لفظوں میں کیا جادو تھا کہ اسقفِ اعظم کا پتھر دل موم ہو گیا۔ اس نے کہا:

"لیزنا! تو تم نہیں جانتی یہ کتنے بڑے مجرم ہیں۔"

لیزنا نے کہا:

"جانتی ہوں فادر!"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"پھر بھی سفارش کر رہی ہو۔؟"

اس نے پھر اپنی بڑی بڑی آنکھیں اسقفِ اعظم کے بدنما اور مکروہ چہرے پر گاڑ دیں اور اس کے گلے میں اپنی بانہیں ڈالے کہا:

"ہاں۔!"

اس "ہاں" کا اسقفِ اعظم کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ کچھ سوچنے لگا۔ لیزنا نے اپنی بانہیں اس کے گلے سے ہٹا لیں اور کہا:

"کیا لیزنا کا کہنا نہیں مانا جائے گا۔؟"

بے بسی کے ساتھ اسقفِ اعظم نے کہا:

"لیکن سنو تو۔!"

وہ بولی:

"میں کچھ نہیں سن سکتی۔ اسقفِ اعظم کی بات ٹل سکتی ہے لیکن لیزنا کی نہیں۔!"

یہ الفاظ اس نے ایسے لب و لہجہ میں کہے کہ اسقفِ اعظم سٹ پٹا گیا۔

اُس نے کہا:

"لیکن یہ کلیسا کے معاملات ہیں۔ ان میں کوئی دخل نہیں دے سکتا۔"

لیزنا مسکرائی اور بولی:

"کلیسا اسقفِ اعظم کے اشارے پر ناچتا ہے اور اسقفِ اعظم لیزنا کے اشار پر۔!"

ابھی کچھ دیر پہلے لیزنا اسقفِ اعظم کو جھڑک رہی تھی اور وہ اسے منہ بھی نہیں لگ تھی۔اب یہ التفات اور توجہ دیکھ کر اسقفِ اعظم کے منہ میں پانی بھر آیا۔اس نے سوچا مجرموں کو کسی اور وقت سزا دی جاسکتی ہے۔اس وقت نہ سہی پھر کسی وقت سہی۔لیزنا خوشنودی کیلئے یہ سین بدل جانا چاہیے۔اس نے غلاموں کی طرف اشارہ کیا اور وہ ا تلواریں نیچی کر کے جہاں سے آئے تھے وہیں واپس چلے گئے۔ان کے جانے کے ب اسقفِ اعظم نے کہا:

"لیزنا! تم پریشان کرتی ہو۔"

وہ بولی:

"ہاں! کرتی ہوں.....لیکن۔!!!"

اسقفِ اعظم نے تقاضہ کیا:

"لیکن کے بعد.....؟"

وہ شرما سی گئی۔اُس نے گردن جھکا کر آہستہ سے کہا:

"لیکن صرف آپ کو۔؟"

قریب تھا کہ اسقفِ اعظم کو شادیٔ مرگ ہو جائے مگر وہ بہرحال اسقفِ اعظم تھا حسن کے ایسے بہت سے وار سہہ چکا تھا۔یہ جملہ بھی جھیل گیا۔اُس نے کہا:

"اب تو تمہارے حکم کی تعمیل ہوگئی۔؟"

وہ بولی:

"ہاں ہوگئی! شکریہ چلئے۔!"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"چلو۔"

لیزنا نے اسقفِ اعظم کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال دیئے اور چلتے ہوئے بولی:

"لیکن ایک وعدہ کیجئے۔!"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"کون سا وعدہ۔؟"

لیزنا نے کہا:

"یہ لوگ میری اجازت کے بغیر قتل نہ ہوں۔بس صرف اتنا سا وعدہ۔!"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"اچھا بھئی.....! یہ وعدہ بھی کرتے ہیں.....چلو.....!"

لیزنا اور اسقفِ اعظم ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوئے پھر اُسی راستہ سے واپس ہوئے س سے یہاں تک پہنچے تھے۔راستہ کی تاریکی میں اسقفِ اعظم نے لیزنا کو اپنے سے اور قریب کرلیا اور بڑے پیار کے لہجہ میں پوچھا:

"تم نے ان شیطانوں کی جان کیوں بچائی۔؟"

وہ بولی:

"بتا دوں۔؟"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"ہاں بتاؤ!"

لیزنا نے کہا:

"اس لیے کہ کلیسا کو ان کی ضرورت ہے۔میں انہیں راہِ راست پر لے آؤں گی۔ ارین اور روکسین میری طرح آپ کی خدمت کریں گی۔یہودا ان یہودیوں کا نام ونشان تائے گا جو عیسائی بنے ہوئے ہیں لیکن عیسائیت کی جڑ کھوکھلی کر رہے ہیں اور جارج ان یسائیوں کی مخبری کرے گا جو ہمارے بادشاہ سلامت اور کلیسا کے خلاف سازشیں کرتے

رہتے ہیں۔"

اسقفِ اعظم چونک پڑا اور اس نے کہا:

"سازشیں۔؟"

لیزتا نے کہا:

"جی! آپ نہیں جانتے میں جانتی ہوں۔!"

☆☆☆

حقِ نمک

طارق بن زیاد تبع تابعین میں سے وہ عظیم اور بلند مرتبہ شخص تھے جنہوں نے مسلمانوں کے ممالک کو فتح کے ذریعے کثیر کر دیا اور اسلام کو پھیلانے میں کسی قسم کی کوئی کسر نہ چھوڑی۔ آپ کا تعلق افریقہ میں مبہم وحشی حبشی قبیلے سے تھا۔ یہ لوگ آئے دن اسلامی حکومت کے خلاف بغاوتیں اور لوٹ مار کرتے رہتے تھے۔ آپ کے والد کا نام زیاد تھا جو بربری قبیلے کے ایک مفلس اور گمنام شخص تھے۔ اسی لیے تاریخ بھی ان کا حسب نسب بتانے کے معاملے میں معذور ہے۔

یہ مفلسی اور افلاس کا ہی نتیجہ تھا کہ طارق بن زیاد ایک زرخرید غلام تھے۔ طارق بن زیاد غلام بن کر اب سلطنتِ امویہ کے مشہور خلیفہ ولید بن عبدالملک کے مشہور جرنیل موسیٰ بن نصیر کے پاس فروخت ہوئے اور بچپن سے لے کر سنِ بلوغت تک اُن کی خدمت کرتے رہے۔

جس طرح حجاج بن یوسف خلیفہ ولید بن عبدالملک کی سلطنت کے مشرقی ممالک کا والی تھا..... اسی طرح موسیٰ بن نصیر اسلامی ریاست کے مغربی ممالک کے افسرِ اعلیٰ تھے۔ چونکہ انہوں نے افریقہ کی نیم وحشی اقوام کو اسیر کر کے وہاں اسلامی حکومت کی بنیاد مضبوط کیا تھا، اس لیے خلیفہ نے انہیں اسی علاقے کا حاکمِ اعلیٰ مقرر کر دیا۔

طارق بن زیاد بچپن سے ہی بڑے ذہین، شریف، بہادر، فرمانبردار اور شریف الملہ تھے۔ موسیٰ بن نصیر بڑے بہادر، صاحبِ فراست، صاحبِ تدبیر اور صاحبِ بصیرت جرنیل تھے۔ اس لیے طارق بن زیاد پر انہوں نے خصوصی توجہ دی اور پتھروں میں پڑے ا ہیرے کو تراش خراش کر اپنے تجربے کی سان پر پہل دی اور اُن کی کمال توجہ اور مہربانی۔ طارق بن زیاد بچپن سے سنِ بلوغت کو پہنچتے ہوئے نہ صرف علم و دانش بلکہ فنونِ سپاہ گر میں بھی کمال حاصل کر گئے۔

طارق بن زیاد نے اپنے مالک اور آقا سے علم و دانش کے ساتھ ساتھ رموزِ سیاست قیادت اور معاملہ فہمی کے فن میں بھی کمال حاصل کیا۔ طارق بن زیاد کی سیرت، صلاحیت، وفاداری اور شجاعت سے ہی متاثر ہو کر موسیٰ بن نصیر نے اُن کو غلامی سے آزاد کر۔ ہوئے ''طنجہ'' کا حاکم مقرر کر دیا۔ ایک اور واقعہ بھی اس کا سبب بنا جو کافی مشہور ہے۔ وہ کہ۔

موسیٰ بن نصیر نے بزورِ شمشیر افریقہ کی وحشی قبائل پر برتری حاصل کر کے وہاں اسلا حکومت قائم کی تھی، اسی لیے وہاں کے کئی متعصب قبائل اندرونِ خانہ ان کے دشمن بن گ تھے اور قتل کے منصوبے بنا رہے تھے۔

''ابوزراعہ'' ان ہی تخریب کاروں کا سرغنہ تھا اور بربری قبیلے کا سردار بھی۔ موسیٰ بن نصیر ان دنوں ''قیدان'' میں مقیم تھے۔ طارق بن زیاد ان کی خدمت میں موجود رہتے تھ طارق بن زیاد ابھی سنِ بلوغ کو پہنچے ہی تھے اور دن رات بڑی محنت، کوشش اور لگن سے علم اور فنونِ سپاہ گری سیکھ رہے تھے۔

وہ ایک بڑی ہولناک رات تھی، جب طوفان بڑے زوروں پر تھا، جس سے کئی تناآو درخت جڑ سے اُکھڑ کر زمین بوس ہو گئے تھے۔ آسمان سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ تیز ہوائیں عفریتوں کی طرح چنگھاڑتی ہوئی صحرا کی وسعت میں پھیلے ہوئے ٹیلوں کو تخت و تارا کر رہی تھیں۔ موسیٰ بن نصیر نے طارق بن زیاد کو کسی ضروری کام سے اندرونی علا۔

میں بھیجا ہوا تھا۔ جب وہ واپس آرہے تھے تو انہیں طوفان نے گھیر لیا اور ان کو ایک چھوٹی سی غار میں پناہ لینی پڑی۔ اس مقام پر ایک کونے میں انہوں نے چار مشکوک قسم کے بربری نوجوانوں کو دیکھا، جن کے درمیان ایک ادھیڑ عمر کا آدمی سرگوشیوں میں باتیں کر رہا تھا۔

یہ نوجوان مسلح تھے اور ان کے ارادے نیک معلوم نہ ہوتے تھے۔ طارق بن زیاد کو ایسے موسم میں اس گروہ کی سرگوشیاں کچھ مشکوک معلوم ہوئیں۔ وہ اپنے آقا موسیٰ بن نصیر کے ساتھ رہ کر ہر چیز کو غور و خوض سے دیکھنے کے عادی ہو چکے تھے۔ لہٰذا وہ آہستہ آہستہ گھستے ہوئے اُن مشکوک لوگوں کی جماعت کے قریب جا کر بیٹھ گئے اور انہوں نے اپنے کان ان آدمیوں کی سرگوشیوں پر لگا دیئے۔ ادھیڑ عمر کا آدمی جو ''ابوزراعہ'' تھا وہ کہہ رہا تھا:

''بس تو یہ طے ہوا کہ یہ کام ''مکران'' ہی سرانجام دے گا اور ہم سب یہاں اس کا انتظار کریں گے۔ مکران! اس کام میں جلدبازی نہ کرنا لیکن خنجر دل میں اتارنے کے بعد برق رفتاری سے فرار ہونے کی کوشش کرنا۔''

ابوزراعہ کی اس گفتگو سے اب یہ راز طارق بن زیاد پر منکشف ہو چکا تھا کہ یہ لوگ کسی کے قتل کی سازش کر رہے ہیں اور اس کام کو سرانجام دینے کے لیے ''مکران'' نامی آدمی منتخب کیا گیا ہے۔ طوفان کا زور کم ہوتے ہی مکران وہاں سے نکلا۔ باہر اس کا گھوڑا موجود تھا۔ جس پر وہ بیٹھ کر تیزی سے شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ طارق بن زیاد نے بھی گھوڑے پر سوار ہو کر اس کا تعاقب کیا۔ جوں جوں طارق بن زیاد کے آقا کا گھر قریب آتا جا رہا تھا، طارق بن زیاد کے دل کی دھڑکن تیزی سے بڑھتی جا رہی تھی۔ اس لیے کہ اس کا ''مکران'' کا رُخ اسی سمت تھا۔

بالآخر کافور نے موسیٰ بن نصیر کے گھر سے تھوڑے فاصلے پر گھوڑا روکا، اسے ایک درخت سے باندھ دیا اور خود اسی سمت چل دیا۔ اب طارق بن زیاد کو یقین ہو گیا تھا کہ:

''دال میں کچھ کالا نہیں بلکہ پوری دال کالی ہے۔''

لہٰذا وہ چکر کاٹ کر دوسرے راستے موسیٰ بن نصیر کی حویلی میں داخل ہو گئے۔ انہوں

نے دیکھا کہ موسیٰ بن نصیر سلطنت کے متعلق خط و کتابت میں مصروف ہیں۔ طارق بن زیا
دَبے پاؤں جا کر اُن کی مخصوص خواب گاہ میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے بالکونی سے جھانک
کر دیکھا کہ مکران بالکونی کے قریب کھڑے کھجور کے درخت پر چڑھ رہا ہے، جو ایک
اندھیرے کونے میں موجود تھا۔

طارق بن زیاد سمجھ گئے کہ یہ نامراد اُن کے آقا کی خوابگاہ میں قتل کے ارادے سے آ
ہے۔ حقِ نمک ادا کرنے کا وقت آ پہنچا تھا۔ طارق بن زیاد نے جلتی شمع بجھا دی اور جلد
سے اپنے آقا موسیٰ بن نصیر کے بستر پر لیٹ گئے اور ایک ریشمی چادر سے منہ چھپا لیا۔

موسیٰ بن نصیر تھکے ہارے اپنی خوابگاہ میں داخل ہوئے اور اپنے بستر پر ک
کو موجود پا کر قدرے برہم ہو کر آگے بڑھے۔ پھر جونہی انہوں نے بجھی ہوئی شمع روشن ک
تو ایک دم زمین نے ان کے قدم پکڑ لیے۔ بستر پر لیٹے ہوئے شخص کے سینے میں دستے تک
خنجر پیوست تھا۔ انہوں نے جلدی سے آگے بڑھ کر چادر ہٹائی تو دَنگ رہ گئے۔ یہ تو کو
سیاہ فام افریقی تھا۔ موسیٰ بن نصیر نے پریشانی سے چاروں طرف دیکھا اور پھر خراٹوں ک
آواز سن کر بستر کے نیچے جھانکا جہاں کوئی آرام سے سو رہا تھا۔

موسیٰ بن نصیر نے اسے گھسیٹ کر باہر نکالا، پھر حیرت سے اسے جھنجوڑ ڈالا۔ کیا دیکھ
ہیں یہ تو ان کے اپنے ہی غلام طارق بن زیاد سو رہے ہیں۔ طارق بن زیاد کے جاگتے ہی موس
بن نصیر نے اُن سے صورتِ حال کے متعلق دریافت کیا تو طارق بن زیاد نے سارا ماجرا گوش
گزار کر دیا۔ انہوں نے ''مکران'' نامی شخص کو جو کہ ان کے آقا کو قتل کرنے کی نیت سے آیا تھا ٹھ
کر دیا تھا۔

موسیٰ بن نصیر کو صورتِ حال معلوم ہو جانے کے بعد، طارق بن زیاد کی نشاندہی پر فو
سازشی لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا لیکن ان کا سرغنہ ''ابوزراعہ'' فرار ہونے میں کامیا
ہو گیا۔ اس واقعہ سے متاثر ہو کر موسیٰ بن نصیر نے طارق بن زیاد کو آزاد کر کے ''طنجہ'' کا حا
مقرر کر دیا۔

موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد نے ظلمت کدہ یورپ میں شمعِ توحید روشن کی اور اُندلس
کے معمولی سے شمالی حصے کو چھوڑ کر تمام ملک فتح کر لیا۔ گو کہ موسیٰ بن نصیر خود بھی فتحِ اُندلس میں
شریک تھے لیکن پھر بھی اس فتح کا سہرا طارق بن زیاد ہی کے سر ہے کیونکہ موسیٰ بن نصیر زیادہ
تر افریقی مقبوضات و مفتوحات میں کارہائے نمایاں دکھاتے رہے تھے۔

☆☆☆

زمانہ انحطاط اندلس

جس زمانہ کا حال ہم بیان کر رہے ہیں...... یہ اندلس کے انحطاط کا دور ہے...... سارا اندلس ایک عجیب عالم سے گزر رہا ہے...... رؤسا کی زندگی کا مقصد سیر وشکار اور تفریح وعیاشی کے سوا کچھ نہیں...... عوام حکومت کے شکنجہ میں بری طرح جکڑے ہوئے ہیں...... روزگار ناپید...... انصاف معدوم...... غربت اور افلاس کی گرم بازاری...... اخلاقی اقدار کا فقدان...... فوج کے سرداروں تک کا یہ عالم تھا کہ شراب اور عورت سے زیادہ کسی چیز کو عزیز نہیں رکھتے تھے...... ان کے وقت کا بڑا حصہ انہیں مشغلوں میں بسر ہوتا تھا......!

بادشاہِ وقت راڈرک ایک غاصب بادشاہ تھا...... یہ اصل خانوادۂ شاہی کو برطرف کر کے خود بادشاہ بن بیٹھا تھا اور تختِ حکومت پر بیٹھتے ہی اُس نے شراب و جمال اور شباب و عیش کو اپنا مشغلۂ حیات بنا لیا تھا...... شاہی محل میں کبھی یہ نہیں سوچا جاتا تھا کہ عوام کا معیار زندگی کس طرح بلند کیا جائے......؟ ان کے حالات کس طرح سدھارے جائیں......؟ انہیں مطمئن اور فارغ البال بنانے کا پروگرام کس طرح عمل میں لایا جائے......؟ ان کے اندر حکومت کی دوستی اور وطن کی وفاداری کا جذبہ کس کر پیدا کیا جائے......؟ بلکہ بادشاہ سلامت کی محفل میں ہمیشہ جو باتیں زیرِ غور اور زیرِ بحث رہتی تھیں وہ یہ کہ فلاں نواب کی

معشوقہ کو کس طرح اڑایا جائے......؟ اور فلاں نائٹ کی لڑکی پر کس طرح ڈورے ڈالے جائیں......؟ اور فلاں ملک کی پری چہرہ اور خوب رو عورتوں کو کنیز اور باندی کی حیثیت سے کس طرح حاصل کیا جائے......؟

سارا محل مختلف ممالک کی اور خود اندلس کے مختلف قطعات کی حسین وجمیل یکسر شباب وشراب...... طرح دار...... اور نازک اندام...... خوب رو اور حسین وجمیل لڑکیوں سے بھرا پڑا تھا...... اور ان لڑکیوں کا صرف یہ کام تھا کہ بادشاہ کو اپنے رقص ونغمہ سے خوش کریں...... اور جب اس کا جی رقص ونغمہ سے بھر جائے تو پھر اس کے حضور میں اپنے عشوہ ادا اور عصمت وآبرو کو بھی نہایت ادب اور اطاعت کے ساتھ پیش کر دیں......!

جو گرفتار لڑکیاں سرکشی اور تند خوئی کا مظاہرہ کرتی تھیں...... ان پر رونگٹے کھڑے کر دینے والے مظالم ڈھائے جاتے تھے...... اور ایسی عبرت انگیز سزائیں دی جاتی تھیں کہ یا تو انہیں جان سے ہاتھ دھونا پڑتا تھا...... یا متاعِ عصمت سے......! زیادہ تر آخری صورت پیش آتی تھی......!

کلیسا کا حال قصرِ شاہی سے بھی ابتر اور زبوں تھا...... کہنے کو تو کلیسا روحانیت کا مرکز اور دینِ عیسوی کا ستون تھا...... لیکن پادریوں اور ننوں کی آویزش نے کلیسا کو بھی حرام کاری کا اڈا بنا رکھا تھا...... لوگ اپنی لڑکیوں اور بہنوں کو ننیں اس لیے بناتے تھے کہ وہ مقدس مریم کی طرح پاک دامنی کی زندگی بسر کریں...... لیکن یہاں آنے کے بعد انہیں مقدس پادریوں کی قربان گاہِ ہوس پر بھینٹ چڑھنا پڑتا تھا...... بے چاریوں کی ذرا بھی پیش نہیں جاتی تھی...... وہ لاکھ روئیں...... مچلیں...... خداوند یسوع کی دہائی دیں...... مادرِ محترم مریم کا واسطہ دیں...... لیکن انہیں آخر کار اپنی سب سے بڑی اور قیمتی پونجی یعنی عصمت اسقفِ اعظم اور پادریوں کے حوالے کرنا ہی پڑتی تھی......!

کلیسا نے عوام پر اپنا اثر واقتدار اتنا زیادہ قائم کر لیا تھا کہ ملک میں بیک وقت دو متوازی حکومتیں پورے اقتدار واختیار کے ساتھ قائم تھیں...... ایک دربار شاہی کی...... اور

دوسری قصرِ کلیسا کی...... آخری حکومت یعنی کلیسائی حکومت اتنی مضبوط و مستحکم تھی کہ باد اس وقت تک تختِ حکومت پر بیٹھ سکتا تھا جب تک کلیسا کی سرپرستی اسے حاصل تھی......کا کی مخالفت کرکے یا کلیسا کے اختلاف کا نشانہ بن کے...... وہ ایک منٹ بھی حکومت نہیں سکتا تھا...... پھر اس کے لیے دو ہی چارۂ کار تھے...... یا تختِ حکومت سے دستبرداری یا ذل اور بے آبروئی کے ساتھ قتل......!

کلیسا میں مختلف قسم کے قوانین بنتے رہتے تھے اور بادشاہ انہیں نافذ کرتا رہتا تھا... یہودیوں کی جائیدادیں ضبط کرلی جائیں...... انہیں مجبور کیا جائے کہ فلاں تاریخ تک یا تو ترکِ وطن کریں...... ورنہ دینِ عیسوی قبول کرلیں...... ان کی تمام املاک و جاگیر اور تجارت چھین لی جائے...... یہ سب کلیسائی احکام تھے اور بادشاہ بڑی خوشی سے ان تمام احکام کی تعمیل کرتا...... پھر حکومت اور کلیسا مل کر یہ مالِ غنیمت تقسیم کرلیتے......!

کلیسا کے مظالم کا نشانہ صرف یہودی ہی نہیں تھے...... عیسائی بھی تھے...... جس عیسا پر ذرا بھی شبہ ہوا کہ یہ آزاد خیال ہے یا ملحد ہے یا کلیسا کے احکام کے بے چون و چرا تعمیل نہیں کرتا...... وہ بھی ظلم و استبداد کے شکنجہ میں بری طرح کسا جاتا...... پھر اس کے ساتھ کو رعایت نہیں کی جاتی...... بلکہ اس کا خاندان بھی تباہی اور بربادی کے مہیب غار میں دھکیل د جاتا......!

عوام کی جہالت سے کلیسا نے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا تھا...... غربت اور تباہ حالی کے باوجود وہ آنکھ بند کرکے کلیسا کی بات مانتے تھے...... عیسائی ملحدوں پر اور کافر یہودیوں پر کلیسا کی طرف سے جتنے ظلم ڈھائے جاتے تھے...... وہ ہمیشہ سرِ عام ڈھائے جاتے تھے...... ا عوام بڑے جوش و خروش سے ان میں حصہ لیتی تھی...... ایسے مواقع پر وہ ا بھوک...... بیماری...... افلاس...... غربت...... اور پریشانی بھول جاتے تھے...... ان م ایک نئی اُمنگ اور نیا جوش پیدا ہو جاتا تھا...... کچھ دیر کے لیے ہر خطرے سے بے نیاز ہوکر یہودیوں اور آزاد خیال عیسائیوں کے استیصال میں حصہ لینے لگتے تھے...... ان کی تفریح ا

ہی کا اگر کوئی ذریعہ رہ گیا تھا تو صرف یہ کہ یہودیوں کو برسرِ بازار ننگا کرکے کوڑے لگائے جائیں...... ان کی عورتوں کو چھین لیا جائے...... ان کا روپیہ لوٹ لیا جائے اور پھر انہیں غلام بنا لیا جائے......!

غلام......؟ غلام صرف یہودی ہی نہیں تھے...... عیسائی بھی تھے...... ان غلاموں کے ساتھ بڑا برا سلوک کیا جاتا تھا...... انہیں آدمی نہیں سمجھا جاتا تھا...... لیکن یہ صبر و شکر کے ساتھ ہر قسم کے ظلم و ستم کو برداشت کرتے تھے...... اس لیے کہ اس کے سوا کوئی اور چارہ کار ہی نہ تھا!

امن و امان کا جہاں تک تعلق تھا...... وہ سارے ملک میں ناپید تھا...... ہر روز کہیں نہ کہیں ہنگامے...... اور حادثے ہوتے رہتے تھے...... قتل و غارت روزمرہ کے واقعات تھے بدامنی اور شورش میں بھی اب کوئی ندرت اور جدت نہیں رہ گئی تھی...... عوام مختلف گروہوں اور جماعتوں میں بٹے ہوئے تھے...... سارے ملک میں صرف دو ادارے ایسے تھے جو ایک دوسرے سے حد سے زیادہ مربوط اور متعلق تھے...... وہ تھے کلیسا اور حکومت...... ان دونوں کے اتحاد نے ایک طرف تو عوام کی بے بسی اور غربت میں بے پناہ اضافہ کر رکھا تھا دوسری طرف دولت مندوں اور امیروں کو کھلی آزادی دے دی تھی...... کہ وہ جو چاہیں کریں...... کوئی اُن سے بازپرس کرنے والا نہ تھا...... رہا بادشاہ......؟ تو اس پر نکتہ چینی کی جرأت نہ کسی امیر میں تھی...... نہ غریب میں...... اور کلیسا کا اسقفِ اعظم......؟ وہ تو بادشاہ کا بھی بادشاہ تھا...... بادشاہ دن کی روشنی میں اور رات کی تاریکی میں برابر اور مسلسل خدا کی نافرمانی کرتا تھا...... اس کے کسی حکم کی تعمیل نہیں کرتا تھا...... اس کے تمام احکام و قوانین آزادی کے ساتھ توڑتا تھا...... لیکن اس میں یہ ہمت نہیں تھی کہ وہ کلیسا کے کسی حکم کو پس پشت ڈال سکے...... اسقفِ اعظم کی نافرمانی کرسکے...... یا اسقفِ اعظم صاحب کے ارشاد کی تعمیل نہ کرے......!

اس صورتِ حال نے عوام میں ایک عجیب غیر محسوس سی بے چینی اور بے کلی پیدا کر رکھی

تھی...... یہ دب دب کر اُبھرتی تھی...... اور اُبھر اُبھر کر دبتی تھی...... لیکن نہ اس کا اُبھار نما
تھا...... نہ اس کے دبنے کا نظارہ کیا جا سکتا تھا...... اس کی مثال دنیا کی لہر کی سی تھی......ا
ہے اور ابھی نہیں...... غور سے دیکھئے تو ہے...... دیکھتے رہیئے تو ناپید......!

ان حالات میں ''فلورنڈا'' اپنا کاروانِ عصمت لٹا کر بادشاہ راڈرک کی ملکہ بن گئ
......اور اس کے کاروانِ عصمت کے لٹنے کی خبر پہنچتے ہی سبتہ کے در و دیوار ہل گئے تھے.
اکاؤنٹ جولین مسلمانوں کی زد میں تھا...... لیکن اب تک اس میں اور مسلمانوں میں معم
جھڑپوں کے علاوہ جم کے کوئی مقابلہ نہیں ہوا تھا...... وہ بہادر اور شجاع تھا...... ان معم
جھڑپوں میں مسلمان ٹولیوں کو شکست دے کر وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ مسلمانوں کا سیلِ رو
میرے ساحل سے نہیں ٹکرا سکتا...... اور اگر ٹکرائے تو آگے بڑھنے کی جرأت نہیں کر سکتا...

اور راڈرک مطمئن تھا...... وہ جانتا تھا کہ سبتہ کو فتح کئے بغیر مسلمان میری زمین پر ق
نہیں رکھ سکتے...... اور اُسے یہ اطمینان بھی تھا کہ مسلمانوں کی معمولی فوجیں میرے بڑ.
ملک پر حملہ کی جرأت نہیں کر سکتیں...... اور اگر کریں بھی تو ذلت بخش شکست ان کا استق
کرے گی...... اسے اپنے وسائل و ذرائع پر...... اپنی فوج پر...... اور اپنے بہادر سرداروں
ناز تھا...... اسے یقین تھا کہ دنیا کی کوئی طاقت بھی اندلس کو فتح نہیں کر سکتی اور اس یقی
اعتماد کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ یہودیوں اور ملحد عیسائیوں پر ذوق و شوق کے ساتھ ا
نے جو قیامت کے ظلم ڈھائے تھے...... وہ اس امید پر کہ اس سے خداوند یسوع خوش ہو
گے...... اور مقدس کلیسا کی برکت حاصل رہے گی......!

شہزادی فلورنڈا کے حادثہ نے واقف کاروں کے حلقہ میں ایک عجیب ہل چل پیدا
دی تھی...... لیکن اسقفِ اعظم کی ہیبت اور راڈرک کی دہشت نے سب کی زبان بند کر رکھ
تھی...... کسی کی مجال نہیں تھی کہ اشارے اشارے میں بھی کچھ کہہ سکے...... حالانکہ سب
جانتے تھے کہ کیا ہو چکا ہے...... اور کیا ہونے والا ہے......!

☆☆☆

نیابتِ کلیسا لیزنا کے ہاتھ میں

لیزنا اب اسقفِ اعظم کی مٹھی میں تھی۔ راستہ چلتے چلتے وہ بولا:

''مجھ سے تو اپنی ہر بات منوا لی، لیکن تمہیں میری بھی بات ماننی پڑے گی۔!''

لیزنا بولی:

''مانوں گی فادر!''

اسقفِ اعظم نے اندھیرے سے پورا فائدہ اٹھایا۔ وہ قدم بقدم اس سے قریب تر ہوتا جا رہا تھا۔ اس کی گرفت سخت سے سخت تر ہوتی جا رہی تھی۔

وہ گھبرا کر بولی:

''اب بس۔ ذرا پرے ہٹیے۔!''

اسقفِ اعظم کی گرفت ڈھیلی ہو گئی۔ اس نے کہا:

''تم بہت سفاک ہو لیزنا!''

وہ اپنے بالوں کی لٹیں سنبھالتی ہوئی بولی:

''ہاں! ہوں تو سہی۔!''

اسقفِ اعظم کھلکھلا کر ہنس پڑا اور یوں گویا ہوا:

''مانتی ہو۔؟''

لیزنا نے کہا:

"ہاں! آپ کی خاطر۔!"

اب تہ خانے کی حدود ختم ہو چکی تھیں۔ اسقفِ اعظم لیزنا کو لے کر اپنی قیام گا[ہ] طرف بڑھا۔ یہ ایک چھوٹا سا بنگلہ تھا۔ جو کلیسا کی عام آبادی سے ذرا ہٹ کر واقع تھا۔ جو[نہی] لیزنا رخصت ہونے لگی تو اسقفِ اعظم نے کہا:

"لیزنا! تم خانقاہ کی طرف نہ جاؤ! میرے ساتھ چلو۔!"

وہ بولی:

"چلیے۔!"

اور وہ دونوں اس چھوٹے سے بنگلے کی طرف روانہ ہوئے جو اسقفِ اعظم [کی] عیاشیوں اور دراز دستیوں کا مرکز تھا اور جس کی طرف رُخ کرتے ہوئے لیزنا اور اس [جیسی] پاک دامن تنیں کانپا کرتی تھیں۔ اسقفِ اعظم اپنے کمرے میں لیزنا کو لے کر آیا۔ شمع [پہلے] سے جل رہی تھی۔ یہ کمرہ ہر طرح سے آراستہ تھا۔ اسقفِ اعظم نے کہا:

"تمہارے ہوتے ہوئے شمع کی کیا ضرورت ہے۔؟ اسے بجھا دوں۔؟"

لیزنا نے کہا:

"بجھا دیجئے۔!"

ایک پھونک میں شمع بجھ گئی اور اسقفِ اعظم لیزنا سے بالکل متصل بیٹھ گیا۔ اس [نے] لیزنا کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیے اور پہلے سے زیادہ بے تکلفی اور بے حجابی پر مائل [نظر] آنے لگا۔

لیزنا نے ذرا الگ ہٹتے ہوئے کہا:

"میں اپنے آپ کو آپ کے حوالے کر چکی، لیکن اتنی جلدی بھی کیا۔؟ ذرا صبر سے کا[م] لیجئے۔ پہلے کچھ باتیں تو کر لیں۔"

اسقفِ اعظم جیسے چونک پڑا:

"ہاں! ٹھیک ہے! بتاؤ! یہ تم سازش کا کیا ذکر کر رہی تھی۔؟ میں بالکل نہیں سمجھا۔"

وہ مسکرائی۔ اندھیرے میں بجلی کی طرح اُس کے دانت چمکے۔ اُس نے کہا:

"فادر! آپ تو بڑے بھولے ہیں۔"

لیزنا کے ان میٹھے بولوں نے اسقفِ اعظم کو چونچال بنا دیا۔ اسقفِ اعظم ترنگ میں آ کر بولا:

"ہاں! تمہاری طرح قاتل تو نہیں۔؟"

لیزنا ہنس پڑی۔ اس نے کہا:

"یہ لیجئے! ذرا کوئی ان کی دھاندلی تو دیکھے۔"

اسقفِ اعظم صاحب کو بھی ہنسی آ گئی۔ اس نے کہا:

"آج تو میرے متعلق عجیب عجیب انکشاف ہو رہے ہیں۔"

لیزنا نے کہا:

"قاتل کون ہے بتاؤں۔؟"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"ضرور بتاؤ! لیزنا!"

وہ بولی:

"قاتل وہ ہے جس کے ایک اشارے پر تندرست اور بھلے چنگے لوگوں کی گردنیں کٹ سکتی ہیں۔ جس کے مقتولوں کی کھوپڑیاں، ہڈیاں، پسلیاں اور انجر پنجر اس کمرے میں پڑے گواہی دے رہے ہیں۔ جس کے حکم پر ابھی کئی آدمیوں کی گردنیں چمکتی ہوئی تلواروں کے نیچے آ چکی تھیں لیکن میں نے بچا لیا انہیں۔ اب بتائیے! قاتل میں ہوں یا آپ۔؟ سچ سچ کہیے گا۔؟"

اسقفِ اعظم جھینپ گیا۔ بات بدلتے ہوئے بولا:

"اچھا بھئی! تم ہی سچی سہی لیکن ایک بات تو تمہیں ماننی پڑے گی۔"

لیزنا نے کہا:

"وہ کیا۔؟"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"دینِ عیسوی کے دشمنوں کا قاتل یہ خاکسار ہے اور دینِ عیسوی کے اس خاکسار علمبردار کی قاتل حضور ہیں۔؟ کہیے یہ تو غلط نہیں۔؟"

لیز نا شرما گئی۔ اس نے کہا:

"پھر وہی۔؟"

اسقفِ اعظم ذرا اور قریب آ گیا۔ اس نے اپنے ہاتھوں میں لیز نا کا چاند سا مکھڑا لیا اور اس کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا:

"ہاں بتاؤ! میں غلط تو نہیں کہتا۔؟"

لیز نا نے ایک ادا کے ساتھ ان کا ہاتھ جھٹک دیا اور زیرِ لب تبسم کے ساتھ کہا:

"آخر آپ ہاتھ دھو کر میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔؟"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"اس لیے کہ تمہیں چاہتا ہوں۔ پوجتا ہوں۔"

لیز نا نے کہا:

"مانا کہ آپ چاہتے ہیں، لیکن میں نے خانقاہ کی چار دیواری میں قدم کیوں رکھا معلوم ہے۔؟"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"نہیں بتاؤ۔؟"

لیز نا نے بڑے قاتل انداز میں جواب دیا:

"عاشقوں کی فوج کی فوج میرے پیچھے پڑ گئی تھی۔ گھبرا کر میں نے فیصلہ کر لیا کہ نن بن جاؤں، دنیا کو چھوڑ دوں اور خدا کی یاد میں زندگی بسر کروں۔!"

وہ ایک انگڑائی لے کر بولی:

"لیکن اس نیک مقصد کو آپ چھینے جو لیتے ہیں۔"

اسقفِ اعظم نے حیران ہو کر کہا:

"نہیں! بالکل نہیں!"

لیز نا بولی:

"پھر یہ ابھی کیا ہو رہا ہے۔؟ یہ عشق کا دعویٰ کیوں کیا جا رہا تھا۔؟"

اسقفِ اعظم کو ہنسی آ گئی اور اس نے کہا:

"اوہ! یہ مطلب تھا تمہارا۔؟"

تھوڑی دیر رک کر اس نے کہا:

"اب تو مجھے بھی یہ کہنا پڑے گا کہ تم بہت بھولی ہو۔!"

لیز نا بولی:

"اس میں بھولے پن کی کیا بات ہے۔؟"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"کیوں نہیں۔؟ اتنی راسخ العقیدہ عیسائی ہو کر بھی ہمیں اور ہمارے مذہب کو اب تک نہیں سمجھیں۔؟"

لیز نا ذرا سہم کر بولی:

"کیا غلطی ہوئی مجھ سے۔؟"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"غلطی۔؟ ارے بھئی! کچھ بھی نہیں۔"

اسقفِ اعظم نے توقف کر کے کہا:

"پوچھ سکتی ہو...... وہ کیسے۔؟"

لیز نا نے کہا:

"ہاں! پوچھتی ہوں...... بتایئے۔!"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"بتاتا ہوں۔ سنو۔!"

لیزنا حیرت سے اسقفِ اعظم کو دیکھنے لگی۔ اسقفِ اعظم نے کہا:

"سب سے پہلے ایک بات سمجھ لو۔ جب تک اسے نہیں سمجھو گی تمہارا ایمان نامکمل او ناقص رہے گا۔!"

لیزنا نے کہا:

"فرمایئے!"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"گناہ میں اور ہمارے کلیسا میں بیر ہے۔ وہ یہاں چوری چھپے بھی نہیں آ سکتا۔ ہ سے جو فعل سرزد ہو وہ گناہ نہیں۔ اگر کوئی آدمی گناہ کرے تو میں اسے معاف کر سکتا ہوں۔!"

لیزنا نے پوچھا:

"آپ مجھ پر قبضہ کر لینا چاہتے ہیں۔ آپ میرے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہ ہیں جو میاں بیوی کے ساتھ کرتا ہے۔ جو مرد عورت کے ساتھ کرتا ہے۔ پھر بھی آپ گنہگار نہ میں مجرم۔؟"

اسقفِ اعظم نے جوش کے ساتھ کہا:

"ہرگز نہیں۔!"

لیزنا بولی:

"یہی تو میری سمجھ میں نہیں آتا۔"

اسقفِ اعظم نے سمجھاتے ہوئے کہا:

"ہم پیشواؤں کا وہ فعل کہ بظاہر گناہ نظر آتا ہو گناہ نہیں کیونکہ ہمارے گناہ معاف کئے جا چکے۔ ہم نے اپنی زندگی کلیسا کو بخش دی اور کلیسا نے ہم پر دستِ شفقت پھیر کر ہمیں معصوم بنا دیا۔"

لیزنا بولی:

"اور میں۔؟"

اسقفِ اعظم گویا ہوا:

"کیا مطلب۔؟"

لیزنا نے تعجبانہ انداز میں کہا:

"میں بھی معصوم بن گئی۔؟"

اسقفِ اعظم نے گھمنڈ کے ساتھ کہا:

"ہاں! اگر میرے حکم پر چلو! میرا کہا مانو۔!"

لیزنا اور زیادہ حیران ہو کر بولی:

"آپ میری عصمت لے کر بھی بے گناہ رہیں گے اور میں بے آبرو بن کر بھی معصوم رہوں گی۔؟"

اسقفِ اعظم نے تیوری ڈال کر کہا:

"ہاں! کہہ تو رہا ہوں۔!!"

لیزنا لاجواب ہو کر کہنے لگی:

"تعجب ہے۔!"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"کیوں۔؟ تعجب کی اس میں کیا بات ہے۔؟"

لیزنا بولی:

"کیسے نہیں۔؟ میں تو اب تک اس مغالطہ میں تھی کہ گناہ بہرحال گناہ ہے۔!"

اسقفِ اعظم نے مشفقانہ لہجہ میں کہا:

"ہاں! ہے۔ لیکن کلیسا کی حدود سے باہر۔ یہاں نہیں۔ یہاں آ کر تو وہ ثواب بن جاتا ہے۔!!!"

لیزنا خاموش ہوگئی۔اسقفِ اعظم نے خیال کیا کہ اس کے دل کا کانٹا ابھی نکلا نہیں۔اُس نے کہا:

"مسیح خدا کے بیٹے تھے۔(نعوذ باللہ عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے تھے۔)ہم مسیح کے بیٹے ہیں۔تم ہی سوچو پھر ہم سے گناہ کیسے سرزد ہوسکتا ہے۔؟ ہمیں تو یہ حق دیا گیا ہے کہ جس گنہگار کے چاہیں گناہ دھوڈالیں۔!"(نعوذ باللہ)

لیزنا نے بحث کو ختم کرتے ہوئے کہا:

"ہوگا۔!"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"اب تم مطمئن ہوگئیں۔؟"

وہ بے دلی کے ساتھ بولی:

"ہاں!ہوگئی۔!"

اسقفِ اعظم نے محبت بھری آنکھوں سے اُسے دیکھا اور کہا:

"اب تو تم میری ہو۔؟"

وہ شرما کر بولی:

"ہاں ہوں۔!"

اسقفِ اعظم نے خوشی کے لہجہ میں کہا:

"میری گستاخ نگاہی،میری دست اندازی اور میری بے تکلفی اب تو تمہیں ناگوار نہیں گزرے گی۔؟"

لیزنا نے دب کر کہا:

"نہیں۔"

اسقفِ اعظم نے پھر پوچھا:

"اب ہمارے درمیان جو تعلقات ہوں گے ان کے بعد یہ تو نہیں سمجھو گی کہ تم بے عصمت ہوئیں اور مجھ سے کوئی گناہ سرزد ہوا۔؟"

وہ ذرا مسکرا کر بولی:

"ساری ذمہ دار آپ پر ہے۔جب آپ اطمینان دلاتے ہیں تو نہیں سمجھوں گی۔"

اسقفِ اعظم نے بڑے اطمینان کے لہجہ میں کہا:

"ہاں ٹھیک ہے!بالکل مطمئن رہو!ساری ذمہ داری مجھ پر ہے۔اس دنیا میں بھی اور دوسری دنیا میں بھی۔"

اب پھر اسقفِ اعظم بے تکلفی اور دست درازی پر مائل ہوئے۔انہوں نے دونوں ہاتھ پھیلا کر اُس سے کہا:

"آؤ میرے پاس بیٹھو۔!"

وہ مسکرا کر بولی:

"اور کس کے پاس بیٹھی ہوں۔؟یہاں میرے اور آپ کے سوا ہے کون۔؟"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"یہ ذرا سی دوری بھی قیامت کی دوری معلوم ہوتی ہے۔اس طرح قریب آکر بیٹھو کہ تمہارے دل کی دھڑکن میں سنوں اور میرے دل کی دھڑکن تم سنو۔"

لیزنا بڑے انداز سے بولی:

"میں تو سن رہی ہوں۔آپ اگر نہیں سنتے تو کانوں کا علاج کرائیے۔!"

اسقفِ اعظم نے اپنے سے اور زیادہ قریب کر ہی لیا اور کہنے لگا:

"بڑی شریر ہو۔!"

لیزنا مچھلی کی طرح تڑپ کر گرفت سے باہر نکلی۔اُس نے ذرا دور بیٹھ کر کہا:

"اتنی جلد بازی اچھی نہیں ہوتی۔!"

اسقفِ اعظم نے ایک بازاری عاشق کی طرح دل پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"یہ میرے دل سے پوچھو۔"

لیز نا ایک کامیاب ایکٹرس کی طرح بولی:

"پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ سب کچھ جانتی ہوں۔"

اسقفِ اعظم بے تاب ہو کر بولا:

"جانتی ہو۔؟"

لیز نا وقار کے ساتھ کہنے لگی:

"ہاں۔؟"

اسقفِ اعظم ہوش کھو چکا تھا۔ اس نے نشے جیسی حالت میں کہا:

"میرے دل کا حال تمہیں معلوم ہے۔؟"

لیز نا نے کہا:

"بالکل۔"

اسقفِ اعظم نے جذبات سے بے قابو ہو کر پھر لیز نا کو اپنی طرف گھسیٹا، لیکن ا مرتبہ بھی اس نے مزاحمت کی۔

اُس نے کہا:

"آپ جو کچھ چاہتے ہیں، وہ میں نہ چاہوں تب بھی ہو کر رہے گا لیکن قبل اس کے ک ہم کھیل کھیلیں، میں چاہتی ہوں پہلے آپ کلیسا اور حکومت کی حفاظت کا بندوبست لیں۔ عیش و نشاط کی باتیں کچھ بے فکری ہی میں اچھی معلوم ہوتی ہیں۔"

اسقفِ اعظم کو پھر ہوش آ گیا۔ وہ الگ ہٹ کر بیٹھ گیا۔ اس نے کہا:

"ہاں! مانتا ہوں تم نے جو کچھ کہا سچ کہا! اب بتاؤ کیا کہنا چاہتی ہو۔؟"

اتنے میں اسقفِ اعظم صاحب کے کچھ ماتحت پادری چند ننوں کے ساتھ آتے دکھا دیئے۔ لیز نا نے کہا:

"دیکھئے وہ لوگ آ رہے ہیں۔ کسی اور وقت باتیں ہوں گی۔"

وہی اندھیری رات تھی اور وہی اسقفِ اعظم کا روشن کمرہ۔ کافوری شمعیں جل رہی تھیں۔ لیز نا پاس بیٹھی تھی۔ تہ خانے کا ہولناک منظر دیکھنے کے بعد وہ اتنی زیادہ بدل گئی تھی کہ حیرت ہوتی تھی۔ وہ تو اسقفِ اعظم کو منہ بھی نہیں لگاتی تھی لیکن اب ہر وقت اپنا سب کچھ سونپ دینے پر تیار نظر آتی۔ یہ اور بات ہے کہ اب تک اُس کی نوبت نہیں آ سکی تھی۔

لیز نا نے کہا:

"کہئے! آپ کی مارٹین کا کیا حال ہے۔؟"

اسقفِ اعظم نے ذرا کھسیا کر کہا:

"تہ خانے میں موت کا انتظار کر رہی ہے۔"

لیز نا متاثر ہو کر بولی:

"سچ آپ بڑے سنگ دل ہیں۔"

اسقفِ اعظم نے تیوری چڑھا کر کہا:

"یہ کیسے۔؟"

لیز نا معصومیت کے ساتھ بولی:

"آدمی جسے چاہتا ہے، اس کے ساتھ کہیں ظلم بھی کرتا ہے۔؟"

اسقفِ اعظم اس سے انکار نہ کر سکے کہ وہ مارٹین کو بھی چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا:

"بیشک اسے بھی چاہتا ہوں لیکن اپنے دین سے زیادہ نہیں۔ وہ اگر مسیحی مذہب قبول کر لے اور آنکھ بند کر کے میری اطاعت کرے تو تمہارے بعد کلیسا میں اس کا درجہ ہو گا۔ اگر اپنی ضد پر قائم رہی تو پھر تلوار ہی فیصلہ کرے گی۔"

لیز نا نے ہنستے ہوئے کہا:

"آپ عورتوں کے اتنے دلدادہ ہیں لیکن ان کی فطرت سے ذرا بھی تو واقف نہیں۔"

اسقفِ اعظم بھی مسکرایا اور اس نے کہا:

"ہاں! شاید اس لیے کہ قدرت نے مجھے عورت نہیں بنایا۔"

لیزنا نے کہا:

"جی یہ بات نہیں۔ آپ کی ناواقفیت کا راز یہ ہے کہ آپ عورت کے فطرت ش
نہیں۔!"

اسقف اعظم کو اندھیرے میں اُجالا نظر آیا۔ اس نے کہا:

"تمہارا مطلب یہ ہے کہ مارٹین راہِ راست پر آسکتی ہے۔؟"

لیزنا نے کہا:

"کیوں نہیں۔ میں آئی کہ نہیں حالانکہ آپ جانتے ہیں شروع میں میں آپ کے
سے بھی پھٹکتی تھی۔"

اسقف اعظم لاجواب ہوکر بولا:

"ہاں! یہ بات تو ہے۔! پھر مارٹین کو کیسے زینت پہلو بنایا جائے۔؟"

بغیر کسی حسد اور نفرت کے جذبہ کے لیزنا نے جواب دیا:

"بڑی آسان صورت ہے۔ اس کے ساتھ بھی وہی سلوک کیجئے جو میرے ساتھ
رہے ہیں۔"

اسقف اعظم بے دلی سے بولا:

"یعنی۔؟"

بلا جھجک کے لیزنا نے کہا:

"اخلاق ومحبت۔ آپ تلوار سے گردن کاٹ سکتے ہیں، دل نہیں جیت سکتے۔ می
بے رخی کا جواب آپ نیازمندی سے نہ دیتے تو میں بھی آج مارٹین کے ساتھ قید ہوتی ا
موت کا انتظار کررہی ہوتی۔"

اسقف اعظم نے گھبرا کر کہا:

"توبہ کرو! لیزنا! کیسی باتیں کرتی ہو! کہاں تم اور کہاں وہ۔؟"

لیزنا بولی:

"جی یہ بات نہیں۔ عورت ہونے کی حیثیت سے میں اور مارٹین برابر ہیں۔ مجھے آپ
نے محبت سے جیت لیا اور اسے سختی کر کے کھودیا۔"

اسقف اعظم صاحب نے صفائی دیتے ہوئے کہا:

"میں نے اگر سختی کی بھی تو تنگ آکر۔ جب بالکل مایوس ہوگیا تب۔"

لیزنا بولی:

"اچھا خیر! اس بحث کو چھوڑیئے۔ یہ بتایئے! اگر میں مارٹین کو راضی کردوں تو۔؟"

اسقف اعظم کا جھریاں پڑا ہوا چہرہ پھول کی طرح کھل گیا۔ اس نے کہا:

"ایسا ہوسکتا ہے۔؟"

لیزنا بولی:

"کیوں نہیں ہوسکتا! بتایئے۔؟"

اسقف اعظم نے ممنونیت کے لہجہ میں کہا:

"تو میں تمہارا شکریہ ادا کروں گا۔"

لیزنا نے بے نیازی کے ساتھ کہا:

"مجھے شکریہ کی ضرورت نہیں۔ آپ کی خوشنودی کی ضرورت ہے۔ مطمئن رہئے
مارٹین کو راضی کرنا میرا ذمہ رہا۔!"

اسقف اعظم نے کہا:

"بڑا احسان کروگی...... لیزنا......!"

وہ بولی:

"لیکن ایک شرط ہے۔"

اسقف اعظم نے کہا:

"تمہاری کون سی شرط نامنظور ہوسکتی ہے۔؟"

لیزنا نے کہا:

"آپ کو کچھ عرصہ تک انتظار کرنا پڑے گا۔ چند روز تک مجھے کام کرنے کا موقعہ د
پڑے گا۔"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"کیا مطلب۔؟"

وہ کہنے لگی:

"مطلب یہ کہ آپ مجھے کوئی نشانی ایسی دیجئے کہ میں جب چاہوں تہ خانے میں سکوں۔ بے روک بے ٹوک! کوئی سنگ راہ نہ ہو۔ اور وہ آپ کے شمشیر بردار آدمی میرے قریب نہ پھٹکیں۔ انہیں دیکھ کر مجھے ڈر لگتا ہے۔ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں میرے بدلا کے۔"

لیزنا نے یہ باتیں کچھ ایسے بھولے انداز میں کہیں کہ اسقفِ اعظم کو ہنسی آگئی۔ اُس نے کہا:

"لیزنا کی اس کلیسا کے ہر فرد پر ویسی حکومت ہے جیسی کہ اسقفِ اعظم کی۔!"

یہ کہہ کر اسقفِ اعظم نے تالی بجائی۔ فوراً دو یہودی غلام آدھمکے اور بڑے ادب سے سر جھکا کر کھڑے ہو گئے۔ اسقفِ اعظم نے کہا:

"سب سے کہہ دو کہ لیزنا جب جس وقت کلیسا کے جس حصہ میں چاہے جائے، جس سے چاہے ملے، جسے چاہے اپنے ساتھ لائے۔"

غلاموں نے ایک مرتبہ ادب سے گردن جھکائی اور خاموشی سے باہر چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد اسقفِ اعظم نے جیب سے ایک انگوٹھی نکالی اور لیزنا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا:

"اسے پہن لو۔ یہ بہت کام آئے گی۔!"

لیزنا نے انگشتری پہن لی۔

کچھ دیر بعد اسقفِ اعظم بولا:

"اس انگوٹھی کو اسقفِ اعظم سمجھو۔ یہ وہی کام دے گی جو میں دے سکتا ہوں۔ اسے یکھنے کے بعد کلیسا کا کوئی آدمی تمہارے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتا۔"

لیزنا نے شکر گزار نگاہوں سے اسقفِ اعظم کو دیکھا اور بڑے معصومانہ لہجہ میں کہا:

"شکریہ۔!"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"یہ تو خالی خولی الفاظ ہیں۔ واقعی اگر شکر گزار ہو تو ثبوت دو۔"

وہ بولی:

"میں آپ کا مطلب سمجھ گئی۔ ثبوت اس دن دوں گی جب مارٹین کو منالوں گی۔"

اسقفِ اعظم نے ذرا بددل ہو کر کہا:

"وہ دن نہ جانے کب آئے۔ یہاں تو جان پر بنی جا رہی ہے۔ کچھ تو رحم کرو اپنے عاشق زار پر۔؟"

لیزنا ہنستے ہنستے دوہری ہو گئی۔ اس نے کہا:

"آپ تو ایکٹنگ کرنے لگے۔ کہتی ہوں صبر کیجئے۔ صبر کا پھل 'میٹھا' ہوتا ہے۔"

ٹھنڈی سانس بھر کر بولا:

"اچھا بھئی جو کہو گی وہ کریں گے۔ جو ناچ نچاؤ گی وہی ناچ ناچیں گے۔ آخر تمہارے عاشق جو ٹھہرے۔"

کچھ دیر تک خاموشی سی رہی۔ پھر یک بیک اسقفِ اعظم چونک پڑا۔ اس نے کہا:

"ہاں بھئی! خوب یاد آیا۔"

لیزنا نے پوچھا:

"وہ کیا۔؟"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"پہلے یہ بتاؤ مارٹین کو راضی کرنے میں تمہیں اندازاً کتنے دن لگیں گے۔"

وہ مسکراتی ہوئی بولی:

"یہی کوئی دو تین مہینے۔"

اسقفِ اعظم نے مایوسی کے عالم میں کہا:

"اوہ! یہ تو بہت ہیں۔"

لیز نا نے چھیڑتے ہوئے کہا:

"اچھا تو بارہ پندرہ ہفتے۔!"

اسقفِ اعظم اس مدت میں بھی تخفیف کرنے کے لیے کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اس کی نظر اس کے مسکراتے ہوئے ہونٹوں پر پڑی، سمجھ گیا کہ مذاق ہو رہا ہے۔ پھر اس نے کہا:

"لیز نا! زیادہ نہ ستاؤ۔!"

وہ بولی:

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔؟"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"صرف یہ کہ اپنا کام جلد انجام دو۔"

لیز نا نے کہا:

"دوں گی...... لیکن ہتھیلی پر سرسوں کیسے جمالوں۔؟ ایسی ہی جلدی ہے تو یہ رہی آپ کی انگشتری۔ آپ خود جائیے اور منا لیجیے اُسے۔!"

یہ صاف اور کھری کھری باتیں سن کر اسقفِ اعظم کا خون ہی تو کھول گیا لیکن مشکل یہ تھی کہ یہ باتیں کرنے والی لیز نا تھی۔ جو محبوبہ جانواز بھی تھی اور رفیق و ہمدم بھی۔ خون کا گھونٹ پی کر رہ گئے۔ اسقفِ اعظم کو دل شکستہ اور خاموش دیکھ کر لیز نا نے کہا:

"یہ لیجیے! آپ تو خفا ہو گئے۔!"

اسقفِ اعظم پہلو بدل کر بولا:

"نہیں! اس میں خفگی کی کیا بات ہے۔؟"

اس نے شوخ لہجہ میں پوچھا:

"آخر آپ اتنے بے کل کیوں ہیں۔؟"

اسقفِ اعظم روٹھے ہوئے انداز میں بولا:

"میں اب کچھ نہیں کہتا۔ کہوں گا تو پھر دو چار باتیں سنا دو گی۔"

لیز نا نے کہا:

"نہیں سناؤں گی۔ کہیے۔!"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"میرا مطلب یہ تھا کہ میں کل دورے پر جا رہا ہوں...... تقریباً ایک ہفتہ میں واپسی ہو گی..... میری واپسی تک اگر کام بن جاتا تو اچھا ہوتا......!"

لیز نا نے بڑے اطمینان اور یقین کے لہجہ میں کہا:

"ہو جائے گا۔ آپ اطمینان رکھیے۔ لیز نا وہ جادو کی چھڑی ہے جس کے پلٹنے سے سرکاریں بدل جاتی ہیں۔ جس کام کا ذمہ لے لے اس میں ناکام نہیں رہتی، لیکن ایک بات تو بتائیے۔!"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"پوچھو! کون سی بات۔؟"

لیز نا نے کہا:

"دورہ پر آپ کیوں جا رہے ہیں اور کہاں۔؟"

اسقفِ اعظم نے مشفقانہ انداز میں کہا:

"کلیساؤں کی تنظیم اور اندرونی انتظامات میرے ہی متعلق ہیں۔ کلیسا کے بعض بڑے بڑے مجرموں کی سزا بھی میرے ہی دورے پر منحصر ہے لیکن ان سب سے ضروری ایک اور کام بھی ہے۔"

لیز نا نے کہا:

"وہی تو پوچھ رہی ہوں۔"

اسقفِ اعظم نے محبت بھری نظروں سے لیزنا کی طرف دیکھ کر کہا:

"کوئی اور پوچھتا تو ہرگز نہ بتاتا، لیکن تم سے چھپا بھی نہیں سکتا۔"

لیزنا روٹھ کر بولی:

"تو کہئے نا۔!"

اسقفِ اعظم نے اِدھر اُدھر دیکھ کر (کہ کہیں کوئی سُن نہ رہا ہو) کہا:

"ایک بہت اہم کانفرنس ہے......لیکن بالکل پوشیدہ......!"

لیزنا حیرت سے بولی:

"کانفرنس......؟"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"ہاں......سبتہ کا فرماں روا "کاؤنٹ جولین" بہت طاقتور بہادر ہے۔ پچھلے شا خاندان کا ایک رُکن بھی ہے۔ ہمارے بادشاہ سلامت نے اُسے ناراض کر لیا ہے۔ ڈر۔ کہ کہیں مسلمانوں سے نہ مل جائے۔"

لیزنا کاؤنٹ جولین کا نام سن کر دب سی گئی کیونکہ کاؤنٹ جولین کی بیٹی فلورنڈا اور ام کی بھتیجی شہزادی مریم لیزنا کی گہری دوست تھیں اور یہ تینوں ایک شاہی تعلیمی ادارے میں کلاس فیلو رہی تھیں۔ یہیں تو فلورنڈا کی عصمت کو بادشاہ راڈرک نے لوٹا تھا اور مریم کو ا کے چچا کے پاس واپس بھیج دیا تھا۔ لیزنا نے فلورنڈا کو بچانے کی بے حد کوشش کی اور اس میں ناکام رہی۔ بالآخر وہ اپنی جان بچا کر اپنے گھر واپس آئی اور پھر اس نے کلیسا میں نن بن کر آنا پسند کیا۔

لیزنا نے کہا:

"مسلمان تو بڑے ظالم ہوتے ہیں۔"

اسقفِ اعظم نے سنجیدگی کے ساتھ کہا:

"ہاں......!"

لیزنا نے کہا:

"پھر ایک عیسائی بادشاہ مسلمانوں سے کیوں کر مل سکتا ہے۔؟ کیا مسلمان اسے چھوڑ دیں گے۔؟"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"ہرگز نہیں! بلکہ سب سے پہلے اسی کی خبر لیں گے۔ غصہ اور جوشِ انتقام میں آدمی اندھا ہو جاتا ہے۔ اسے بھلے بُرے کی خبر نہیں رہتی۔"

لیزنا کچھ سوچتی ہوئی بولی:

"لیکن غصہ کیسا اور جوشِ انتقام کیوں۔؟ کیا وہ یہ بھول گیا کہ وہ عیسائی ہے اور ہمارے بادشاہ سلامت "راڈرک" بھی دینِ مسیحی کے پرستار ہیں......!"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"یہ سب اُسے یاد ہے، پھر بھی وہ راستے سے بھٹک رہا ہے۔!"

لیزنا نے کہا:

"پھر اُسے راہِ راست پر لائیے۔!"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"ہاں! اس امر پر غور کرنے کے لیے کلیسا کی ایک خفیہ کانفرنس ہو رہی ہے۔ مشکل یہ ہے کہ ہمارے بادشاہ سلامت بھی تو اندھے ہیں۔ اُنہیں کون سمجھائے۔؟"

باتوں باتوں میں اسقفِ اعظم کے منہ سے یہ الفاظ نکل گئے لیکن وہ خود بخود چونک پڑا۔ جیسے یہ الفاظ بے موقعہ اُس کے منہ سے نکل گئے ہیں۔ لیزنا کاؤنٹ جولین اور بادشاہ راڈرک کی دشمنی کی حقیقت کو سرسری طور پر تو جانتی ہی تھی۔

اس نے پوچھا:

"ذرا صاف صاف کہئے۔ میں سمجھی نہیں۔!"

اسقفِ اعظم نے اُسے کھینچ کر کلیجہ سے لگالیا اور کہا:

''ان باتوں کے سمجھنے میں تم اپنا حسین وقت نہ ضائع کرو۔ صبح ہو رہی ہے اور تھوڑی دیر کے بعد میں یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔ میری واپسی کے بعد اگر تم نے مارٹین سے اس کمرے میں ملایا تو ضرور اس راز سے پردہ اٹھا دوں گا جس کا اظہار اس وقت قطعاً مناسب نہیں سمجھتا۔''

لیز نا خاموش ہو گئی۔

اب صبح کی روشنی پھیل رہی تھی۔ اسقفِ اعظم نے ایک مرتبہ تالی بجائی اور وہی یہودی غلام دست بستہ آ کر سامنے کھڑے ہو گئے۔ اسقفِ اعظم نے قہر اور نفرت کی نگاہ سے انہیں گھورا اور کہا:

''سامانِ سفر تیار ہو گیا۔؟''

وہ ادب سے بولے:

''تیار ہو گیا ہے آقائے نامدار!''

اسقفِ اعظم نے بڑے دبدبہ سے کہا:

''چلو میں آتا ہوں۔''

وہ غلام چلے گئے۔

اسقفِ اعظم نے لیز نا سے کہا:

''آؤ ایک مرتبہ پھر میں تمہیں گلے سے لگا لوں۔''

لیز نا سر جھکائے بیٹھی رہی۔ اسقفِ اعظم نے اپنے مضبوط ہاتھوں کی گرفت لے کر اسے کلیجہ سے لگایا۔ پھر کہنے لگا:

''اچھا اب رخصت۔!''

وہ بولی:

خدا حافظ......! خدا یسوع مسیح آپ کو سلامتی کے ساتھ واپس لائیں۔!''

ان محبت بھرے جملوں سے اسقفِ اعظم بہت متاثر ہوا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر لیز نا کو سینہ سے لگایا اور بے تابی کے عالم میں اُس کے رخساروں کو چومتے ہوئے کہا:

''یہ ایک ہفتہ میرے لیے ایک برس بن جائے گا۔ ہر وقت تم یاد آؤ گی۔ کیوں لیز نا! تم بھی مجھے یاد کرو گی۔؟''

لیز نا نے سنجیدگی کے ساتھ کہا:

''دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ اگر آپ یاد رکھیں گے تو میں کس طرح بھول جاؤں گی۔؟''

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ''ڈانا انگرووا'' آئی۔ یہ کلیسا کی ایک معمر نن تھی اور تمام ننیں اسی کی ماتحتی میں رہتی تھیں۔ بڑی ظالم اور سفاک عورت تھی۔ ننوں کو راہِ راست پر لانے اور پادریوں کی ہوس کا نشانہ بنانے کے لیے یہ کسی ظلم سے بھی دریغ نہ کرتی تھی۔

اُس نے آتے ہی لیز نا سے کہا:

''فادر کے پاس تم جتنا وقت بھی گزارو کوئی مضائقہ نہیں...... لیکن میں دیکھ رہی ہوں کہ تم اب بے راہ ہوتی جا رہی ہو۔ اسے کسی قیمت پر بھی گوارا نہیں کیا جا سکتا......!''

لیز نا نے تو کچھ جواب نہ دیا۔ بچاری سہمی ہوئی چپ چاپ کھڑی رہی۔ لیکن اسقف اعظم ضبط نہ کر سکا۔ اس نے کہا:

''لیز نا نے کیا کیا۔؟''

ڈانا انگرووا نے جواب دیا:

''ادھر چند روز سے نہ یہ عبادت میں شریک ہوتی ہے نہ اعترافِ گناہ کرتی ہے اور نہ ہی کلیسا کے دوسرے قاعدوں کی پابندی پر عمل کرتی ہے حالانکہ شروع شروع میں اس لڑکی کا عبادت میں ذوق و شوق دیکھ کر خود مجھے رشک آیا کرتا تھا۔''

اسقفِ اعظم نے کہا:

''ڈانا! تم نہیں جانتی لیز نا کلیسا کی کیسی کیسی ''خدمتیں'' انجام دے رہی ہے۔ میں جانتا

ہوں، لیکن ابھی بتا نہیں سکتا۔ یہ میرے سامنے اعتراف گناہ کر لیتی ہے اور میں اس کے
پچھلے گناہ معاف کر چکا ہوں۔ اس کی عبادت خداوند یسوع مسیح قبول کر چکے اور اب اگر
ظاہری عبادت نہیں کرتی یا کم کرتی ہے تو تمہیں اس پر اعتراض نہیں کرنا چاہئے۔"

ڈانا اگرووا نے گردن جھکائی اور لرزتے ہوئے کہا:

"فادر! ایسا ہی ہوگا۔"

لیکن اسقف اعظم غصہ میں تھا۔ اگر چہ وہ اپنے غصہ کو دبانے کی بے حد کوشش کر
تھا۔ اس نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا:

"آج میں ایک ہفتہ کے لیے باہر جا رہا ہوں۔ میری عدم موجودگی میں تمام کام و
ہی ہوتے رہیں گے جیسے ہوتے ہیں۔ تم بدستور تمام ننوں کی انچارج ہوگی، لیکن لی
تمہارے تسلط سے آزاد ہوگی۔ نہ تم اس پر اعتراض کر سکتی ہو نہ اسے کوئی حکم دے سکتی ہو۔
اس کے لیے کوئی سزا تجویز کر سکتی ہو، نہ اس پر کوئی پابندی عائد کر سکتی ہو۔ نہ کسی کام
اسے روک سکتی ہو اور نہ ہی اسے جھڑک سکتی ہو۔ واپس آنے کے بعد میں ہرگز نہ سنوں ک
نے میرے ان احکام کا پورا پورا لحاظ نہیں کیا۔"

ڈانا لرزنے لگی۔ اُس نے جھک کر اسقف اعظم کے قدم چومے اور لرزتی ہوئی آوا
میں کہا:

"فادر کے ایک ایک لفظ کی تعمیل ہوگی۔"

اسقف اعظم نے کہا:

"اب تم جا سکتی ہو۔"

اور وہ خاموشی کے ساتھ باہر چلی گئی۔ ڈانا کے جانے کے بعد اسقف اعظم نے مسکر
کر لیزنا کی طرف دیکھا اور کہنے لگا:

"کیوں اب تو خوش ہوئیں۔؟"

لیزنا مسکرانے لگی۔ اُس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

اسقف اعظم نے کہا:

"میں تمہیں پوری آزادی دے کر جا رہا ہوں۔ تم اطمینان سے رہو۔ کسی کی مجال نہیں
کہ تم سے بات بھی کر سکے۔"

لیزنا نے نیچی نگاہیں کئے ہوئے آہستہ سے کہا:

"شکریہ۔!"

اسقف اعظم بے تابی کے ساتھ آگے بڑھا اور بولا:

"جناب مسیح کی قسم! ان ہونٹوں کو میں ضرور چوموں گا جنھوں نے میرا "شکریہ" ادا کیا
ہے۔!"

اور اسقف اعظم نے جو کچھ کہا تھا کر دکھایا۔ لیزنا نے ذرا بھی مزاحمت نہ کی۔ اب
وپ نکل آئی تھی۔ اسقف اعظم نے کہا:

"اچھا خدا حافظ!"

پھر جاتے جاتے وہ رُکا اور اُس نے اپنے اس کمرے کی چابی لیزنا کے حوالے کرتے
ئے کہا:

"تم یہیں رہنا۔ میں راستہ میں یہ سوچ سوچ کر خوش ہوا کروں گا کہ میرا کمرہ
ہارے وجود سے روشن ہے۔!"

لیزنا نے چابی لے لی اور اسقف اعظم اپنے سفر پر روانہ ہوگیا۔

☆☆☆

غم زدوں کی مددگار

اسقفِ اعظم کے جانے کے بعد لیزنا ایک طرح سے اُس کی جانشین بن گئی۔ وہ کے کمرے میں رہتی اور اسی کی طرح رعب کی زندگی بسر کرتی۔ کلیسا کے تمام افراد خواہ پا ہوں، حبشی ہوں یا غلام سب اس سے کانپتے تھے۔ حالانکہ وہ سب کے ساتھ اخلاق سے آتی تھی۔ رعونت اور غرور کا اس میں شائبہ بھی نہ تھا۔

اسقفِ اعظم کے جانے کے بعد سب سے پہلا کام اُس نے یہ کیا کہ اُس ہولناک خانے کا رُخ کیا جس نے اُس کے ذہن و دماغ کا دھارا بدل دیا تھا۔ آج سے پہلے ج وہ اسقفِ اعظم کے ساتھ یہاں آئی تھی تو اس پر دہشت طاری تھی۔ اس کا دل دھڑک ر اور جسم کانپ رہا تھا، لیکن آج بالکل برعکس حالت تھی۔ آج وہ خوش تھی تبسم اُس کا ساتھی ا رمسرت اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔

ان چند دنوں میں یہاں کی دنیا اور زیادہ بدل گئی تھی۔ یہودا سوکھ کر کانٹا ہو گیا تھا اس کی زبان اب تک چل رہی تھی۔

جارج کی ساری رستم خانی رُخصت ہو چکی تھی۔ وہ سر جھکائے ایک گوشہ میں بیٹا جانے کیا سوچ رہا تھا۔ چہرہ اُترا ہوا، بال بکھرے، کپڑے میلے اور چہرے پر عجیب ڈرا کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ جیسے کوئی دیوانہ اور مجنوں ہو۔

روکسین کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی تھی۔ کسی سے وہ بات نہیں کرتی ت

کسی کی بات نہیں سنتی تھی۔ حیرت سے لوگوں کو اور حسرت سے بیٹی کو دیکھا کرتی، مگر کیا مجال کہ ایک لفظ بھی بول دے۔ حیران و سرشتہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سب کچھ بھول گئی ہے۔ جیسے سب کچھ بھول جانا چاہتی ہے۔

اور مارٹین۔؟ سب سے الگ تھلگ۔! سب سے جُدا۔! نہ چہرے پر ہراس۔ نہ آنکھوں میں وحشت۔ جیسے وہ ہر انجام کے لیے تیار ہے۔ کسی انجام کی اُسے پرواہ نہیں۔ اس کا چہرہ زرد ہو گیا تھا، لیکن عزم کی پختگی جھلک رہی تھی۔ سراسیمگی اور پریشانی کا کہیں نام بھی نہیں تھا۔

لیزنا نے ایک نظر تمام بدقسمت قیدیوں پر ڈالی۔ سب نے کچھ عجیب اُمید و بیم کی نظروں سے دیکھا۔ مارٹین نے اس پر ایک باوقار ملکہ کی طرح نظر ڈالی اور جھکالی۔

لیزنا نے کہا:

''مارٹین......!''

اُس نے آنکھ اُٹھائی اور کہنے لگی:

''فرمائیے!''

لیزنا بولی:

''میں تمہاری دوست ہوں۔!''

''مارٹین نے زہرخند کرتے ہوئے کہا:

''میری دوست یا کسی کی پیامبر۔؟''

ان الفاظ میں درد بھی تھا، نفرت بھی اور غصہ بھی۔ لیزنا جھینپ سی گئی۔ اُس نے کہا:

''اتنی بدگمانی بھی اچھی نہیں۔''

مارٹین نے کوئی جواب نہیں دیا۔ صرف مسکرا دی جیسے وہ زبانِ خاموش سے کہہ رہی تھی

''خوش فہمی کی امید اگر کروں تو کس پر۔؟''

یہودا نے اسقفِ اعظم کو گالیاں دیتے ہوئے کہا:

"وہ الو کا پٹھا خود نہیں آیا تمہیں بھیجا ہے۔؟ ہم تیار ہیں۔ جو ظلم چاہو کرلو ہم پر۔!"

جارج نے کہا:

"وہ بکال بھگت یعنی ہمارے اسقفِ اعظم تشریف نہیں لائے۔ ٹوہ لگانے کے۔ تمہیں بھیجا ہے۔؟"

روکسین کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اُس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا:

"ہم سب کو مار ڈالو، لیکن میری بچی کو بچالو۔!"

مارٹین بگڑ کر بولی:

"ماں! میں زندگی کی بھیک نہیں مانگتی۔"

روکسین سہم کر چپ ہوگئی۔ محبت کرتے کرتے اب وہ اپنی لڑکی سے ڈرنے لگی تھی۔

لیزنا نے ان تلخ اور تُرش باتوں کا ذرا بھی بُرا نہ مانا۔ وہیں زمین پر وہ مارٹین کے پا بیٹھ گئی اور بڑے میٹھے لہجے میں بولی:

دیکھو مارٹین! بے کار باتوں میں وقت نہ ضائع کرو۔ مجھے سمجھنے کی کوش کرو۔!"

مارٹین زہر خند کرتی ہوئی بولی:

"سمجھایئے۔!"

لیزنا نے کہا:

"مجھے تم سے بہت کچھ کہنا ہے، لیکن یہاں نہیں کہوں گی۔!"

مارٹین بولی:

"پھر کہاں۔؟"

لیزنا نے کہا:

"میرے ساتھ چلو۔! ہم دونوں کی باتیں کہیں اور کسی دوسری جگہ ہوں گی۔"

روکسین رونے لگی۔ اس نے کہا:

"نہیں! میری بچی کو نہ لے جاؤ۔!"

یہودا نے کہا:

"اگر مارٹین اس وقت یہاں سے چلی گئی تو میرا جسمِ ناتواں روح سے محروم ہو جائے۔"

جارج ٹکر ٹکر دیکھتا رہا۔ کچھ نہ بولا۔ مگر صاف معلوم ہورہا تھا کہ اس تجویز کو وہ بھی پسند نہیں کرتا۔ لیکن مارٹین اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اُس نے کہا:

"مجھے لیزنا پر تو نہیں لیکن خود اپنے اوپر اعتماد ہے۔ میں جاؤں گی۔!"

مارٹین کا یہ فیصلہ بالکل خلافِ توقع تھا۔ یہودا نے گردن جھکالی۔ روکسین مچل گئی:

"مارٹین! میری بچی! کیا تو مجھے چھوڑ دے گی۔؟ کیا میں تیرے بغیر زندہ رہ سکوں گی۔؟"

مارٹین نے کہا:

"ماں! خدا پر بھروسہ رکھو۔ ہم دشمن کے پنجے میں گرفتار تو ہیں ہی۔ اس کا ظلم و ستم جس طرح یہاں ہورہا ہے، وہاں بھی ہوگا لیکن تم ایک بات کا اطمینان رکھو کہ مارٹین تمہارے پیٹ سے جس طرح معصوم پیدا ہوئی تھی اسی طرح اس دنیا سے جائے گی۔"

یہ کہتے ہوئے مارٹین کی آواز بھرا گئی اور لیزنا کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ لیزنا نے اپنے آنسو پونچھتے اور روکسین کو تسلی دیتے ہوئے کہا:

"خداوند یسوع مسیح کی قسم! مارٹین کو میں اپنی سگی بہن کی طرح چاہتی ہوں۔ میں کسی کی آلۂ کار بن کر یہاں نہیں آئی۔ میں آپ سب کی دوست اور ہمدرد ہوں اور مارٹین سے تو مجھے بہت زیادہ محبت ہے۔ مجھ پر اعتبار کیجئے اور یقین کیجئے۔ تھوڑی دیر کے بعد مارٹین پھر آپ کے پاس ہوگی۔ خدا کے بعد میں اس کی عزت اور ناموس کی محافظ ہوں۔ اپنی جان دے دوں گی مگر اس کی آبرو پر حرف نہ آنے دوں گی۔"

مارٹین نے ماں کو تسلی دیتے ہوئے کہا:

"ماں......!لیزنا کی باتوں سے فریب کی بُو نہیں آتی۔ مجھے اس کے ساتھ جانے دا

روکسین بے بس ہوگئی۔اس نے کہا:

"جانا چاہتی ہو تو جاؤ۔!"

لیزنا نے تالی بجائی۔فوراً چند غلام نہ جانے کس گوشہ سے برآمد ہوئے۔لیزنا نے کہا:

"ان قیدیوں کی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں کاٹ دو۔انہیں اچھے اچھے کپڑے پہناؤ۔ عمدہ کھانے کھلاؤ۔ جو یہ کہیں اس کی تعمیل کرو۔ انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پا سمجھے۔!!!"

غلاموں نے سرِ عقیدت خم کیا۔جسکا مطلب یہ تھا کہ حکم کی تعمیل ہوگی۔

پھر لیزنا نے مارٹین سے کہا:

"آؤ بہن چلیں۔!"

لیزنا اور مارٹین چلی گئیں اور یہاں ہتھکڑیاں اور بیڑیاں کٹنے لگیں۔ سب کو ا انقلاب پر حیرت تھی لیکن زبان سے کوئی کچھ نہیں کہتا تھا۔سمجھ میں نہیں آتا تھا یہ ماجرا ہے۔؟

لیزنا اور مارٹین اپنا راستہ طے کر رہی تھیں۔ وہ تاریک اور خوفناک راستہ۔

راستے میں لیزنا نے پوچھا:

"مارٹین !تمہیں ڈر تو نہیں لگتا۔؟"

وہ بولی:

"نہیں۔!"

لیزنا نے کہا:

"میں تو آزاد ہوں بلکہ اس وقت اسقفِ اعظم کی طرح حاکمِ مطلق ہوں، پھر بھی سہمی جا ہوں۔"

اندھیرے میں مارٹین کے موتی جیسے سفید دانت چمکے وہ مسکرائی اور اُس نے کہا:

"ڈر اُسی وقت لگتا ہے جب زندگی پیاری ہو۔"

اس جواب نے لیزنا کو خاموش کردیا۔

راستہ ختم ہوا اور یہ دونوں کھلی فضا میں آئیں اور لیزنا نے کہا:

"مارٹین !یہ ہمارا مقدس کلیسا ہے۔"

مارٹین نے کہا:

"ہاں !میں جانتی ہوں۔"

لیزنا نے کہا:

"یہاں ہمارے "مقدس فادر" کی حکومت ہے۔"

مارٹین نے جواب دیا:

"یہ بھی مجھے معلوم ہے۔"

لیزنا نے پھر چھیڑتے ہوئے کہا:

"اس چاردیواری کی خصوصیت کیا ہے۔؟ جانتی ہو۔؟"

مارٹین نے کہا:

"نہیں جانتی !نہ جاننا چاہتی ہوں۔"

لیزنا نے ہنستے ہوئے کہا:

"ہاں! تم نہیں جانتی، نہ جاننا چاہتی ہو، لیکن میں تمہیں بتا کر رہوں گی۔ اس چار دیواری کی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں گناہ نہیں آنے پاتا اور اگر کسی طرح آجائے تو پھر وہ گناہ نہیں رہتا ثواب بن جاتا ہے۔"

مارٹین نے کہا:

"ٹھیک ہے! یہاں اگر گناہ ثواب نہ بن جائے تو پھر مقدس فادر اور مقدس کنواریاں "زندگی کے مزے" کیسے اڑائیں۔؟"

لیزنا زور سے ہنس دی۔ اس نے کہا:

"ٹھیک کہتی ہو مارٹین! یہی میرا خیال بھی ہے۔ یہ دونوں اب اسقفِ اعظم کے میں داخل ہو چکی تھیں۔ اسقفِ اعظم کے خاص کمرے میں پہنچ کر لیزنا نے پوچھا:

"جانتی ہو یہ کون سی جگہ ہے۔؟"

وہ بولی:

"نہیں جانتی۔"

لیزنا نے کہا:

"یہ ہمارے مقدس فادر کی عشرت گاہ ہے۔ یہیں کنواریاں آتی ہیں۔ رات بھر مقدس فادر کا پہلو گرم کرتی ہیں اور سویرے سویرے اپنے گناہ معاف کرا کے پھر معصوم واپس جاتی ہیں۔"

مارٹین نے کہا:

"لیکن تم مجھے یہاں کیوں لائی۔؟"

لیزنا بولی:

"ڈر گئیں۔؟ تم تو بڑی نڈر تھیں۔!!!"

مارٹین نے کہا:

"ڈری نہیں! پوچھتی ہوں۔!"

لیزنا نے جواب دیا:

"مقدس فادر دورے پر تشریف لے گئے ہیں اور چونکہ میں ان کی منظورِ نظر ہوں تمام اختیارات مجھے عطا فرما گئے ہیں۔ ان کا یہ بنگلہ اور یہ نفیس کمرہ بھی میرے ہی قبضہ ہے۔"

مارٹین نے کچھ سوچا پھر کہا:

"تو یہ بات ہے۔!!!"

لیزنا بولی:

"ہاں! بات تو یہی ہے لیکن ایک بڑی مشکل آن پڑی ہے۔"

مارٹین نے دریافت کیا:

"وہ کیا۔؟"

لیزنا نے کہا:

"یہ کہ میں تو ان کی منظورِ نظر ہوں، لیکن وہ میرے منظورِ نظر نہیں ہیں۔"

مارٹین مسکرائی اس نے کہا:

"پھر کون ہے۔؟"

لیزنا نے مسکراتے ہوئے کہا:

"بتا دوں۔؟"

مارٹین نے کہا:

"ہاں بتاؤ!"

لیزنا نے بڑے عاشقانہ انداز میں کہا:

"تم......!!!"

اور پھر کہنے لگی:

"خداوند یسوع کی قسم! مجھے تم سے محبت ہے۔ وہی محبت جو ایک عاشق کو اپنے محبوب سے ہوتی ہے۔ تمہاری بہادری سے میرے دل نے توانائی حاصل کی ہے۔ ورنہ! شاید...... میں اب تک مقدس فادر کی ہوس کا نشانہ بن چکی ہوتی۔!"

پھر لیزنا نے ایک ہی سانس میں اپنی اور اسقفِ اعظم کی ساری "کتھا" مارٹین کو سنا ڈالی۔ وہ بڑے غور سے اُس کی باتیں سنتی رہی۔ پھر اُس نے کہا:

"یہ سب ٹھیک ہے لیکن ایک بات تو بتاؤ۔!"

لیزنا نے کہا:

"وہ کون سی بات۔؟ پوچھو!"

مارٹین نے کہا:

"تم ایک مال دار خاندان کی فرد ہو۔ حسین اور خوب صورت بھی ضرورت سے زیادہ ہو۔ پھر آخر تمہیں ترکِ دنیا کی یعنی نن بننے کی کیا سوجھی۔ آخر بتاؤ۔؟"

لیزنا کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اُس نے کہا:

"یہ بڑی دکھ بھری کہانی ہے۔"

مارٹین نے ضد کی اور کہنے لگی:

"کچھ بھی ہو۔ میں تو سن کر رہوں گی۔"

لیزنا کی آنکھیں اب تک پُرنم تھیں۔ اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بولی:

"اس شہر کے ایک نوجوان اور خوبصورت نائٹ سے مجھے محبت تھی۔"

مارٹین نے کہا:

"اور اُسے۔؟"

لیزنا نے کہا:

"اُسے بھی......! وہ بھی مجھے بہت چاہتا تھا...... کبھی چاندنی راتوں میں...... کبھی رات کی تاریکیوں میں...... کبھی گھنے باغوں میں...... کبھی چٹیل میدانوں میں...... کبھی پہاڑ کی چوٹی پر...... کبھی کسی گھاٹی میں...... ہم دونوں ملتے...... باتیں کرتے...... عشق اور محبت کی باتیں...... ہم دونوں ایک دوسرے کے سامنے اپنے دل کھول کر رکھ دیتے...... وہ مجھے چاہتا تھا...... میں اُسے چاہتی تھی...... وہ مجھے دیکھ کر جیتا تھا...... میں اُسے دیکھ کر زندہ رہتی تھی......"

مارٹین نے پوچھا:

"پھر کیا ہوا۔؟"

لیزنا نے کہا:

"زندگی کے دن اسی طرح گزرتے رہے...... ہم دونوں ایک دوسرے کے قریب سے قریب تر ہوتے گئے...... یہاں تک کہ وہ زمانہ قریب آ گیا جب دوری مٹ جاتی ہے اور دو دل ایک ہو جاتے ہیں......!"

لیزنا کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ مارٹین نے اپنے پھٹے ہوئے دامن سے اس کے آنسو پونچھے اور کہا:

"روتی کیوں ہو......؟ صبر سے کام لو......!"

لیزنا کے آنسو خشک ہو گئے۔ اس نے پھر اپنے آپ پر قابو پالیا اور کہا:

"اور ایک روز............!"

یہ کہتے کہتے پھر اس کی آواز رندھ گئی۔ گلا بھرا گیا۔ مارٹین نے کہا:

"ہاں آگے۔؟"

لیزنا نے کہا:

"اور ایک روز ہم دونوں حسبِ معمول گھوڑے پر سیر کرنے نکلے...... ہم دونوں باگ چھوڑ دیتے اور گھوڑوں کا جدھر منہ اُٹھتا چل دیتے...... جہاں وہ رُک جاتے...... ہم وہیں ٹھہر جاتے اور پھر گھنٹوں اور پہروں ایک دوسرے کو دل کی دھڑکن سنایا کرتے...... ایسا ہی ایک روز بھی ہوا...... ایک گھاٹی میں پہنچ کر ہم دونوں کے گھوڑے رُک گئے...... ہم نے لگام ایک درخت سے اٹکائی اور خود زمین کے فرش پر بیٹھ کر باتیں کرنے لگے......!"

مارٹین نے کہا:

"اور پھر......؟"

لیزنا نے کہا:

"پھر بڑی دیر ہو گئی مگر ہماری باتیں ختم نہ ہوئیں۔ یہاں تک کہ شام ہو گئی۔ اندھیرا پھیلنے لگا۔ جب تاریکی زیادہ بڑھنے لگی تو ہم دونوں اٹھے۔ اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور چل پڑے۔ راستہ میں میں نے کہا:

"بہت دیر ہوگئی۔ذرا جلدی چلو......!"

اُس نے بھی ایڑھی لگائی اور میں نے بھی اور ہمارے گھوڑے ہَوا سے باتیں کرنے لگے۔دفعتہً اس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور منہ کے بل گر پڑا۔گھوڑے کے سامنے وہ بھی زمین پر آ تا رہا۔میں نے جلدی سے اپنا گھوڑا روکا اور اُتری۔"

مارٹین نے بے تاب ہو کر پوچھا:

"پھر۔؟ پھر کیا گزری۔؟"

لیزنا نے روتے روتے کہا:

"آہ......! مارٹین! یہ نہ پوچھو کیا گزری۔؟ اس کا سر پاش پاش ہو چکا تھا اور روح اس دنیا سے رخصت ہو چکی تھی۔"

بڑی دیر تک لیزنا روتی رہی اور مارٹین اسے تسلی دیتی رہی۔پھر لیزنا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا:

"پھر دنیا سے میں بے زار ہوگئی۔یہاں تک کہ ہر اچھی چیز مجھے بُری لگنے لگی۔شاید میں خودکشی کر لیتی لیکن ایسا نہ کر سکی۔ماں باپ نے میرا دل بہلانے کی بہت کوششیں کر ڈالی۔دوسرے کئی بڑے بڑے سردار اور نائٹ مجھ پر عاشق ہوئے۔لیکن زندگی سے، زندگی کے ارمانوں سے مرا دل اُچاٹ ہو چکا تھا۔آخر میں نے طے کیا کہ دنیا کو چھوڑ دوں۔چنانچہ میں نے چھوڑ دیا۔کلیسا میں آ گئی۔یہاں آ کر فیصلہ کیا کہ نن بن کر زندگی بسر کر دوں گی۔ لیکن خدا غارت کرے اس اسقفِ اعظم کو کہ یہ ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ گیا۔عشق جتانے لگا۔مجھ سے اور جب آہ و زاری اور نرمی سے کام نہ چلا تو سختی پر اُتر آیا۔وہ تو کہو خدا کو میری عزت رکھنا منظور تھی۔عین اس وقت جب اس کی سفاکی کے آگے سپر ڈالنے پر مجبور ہو جاتی میرے دل میں ایک نیا خیال کروٹ لینے لگا۔!"

مارٹین نے پوچھا:

"وہ کیا۔؟"

لیزنا نے کچھ سوچ کر کہا:

"کہہ دو۔یقین کروں گی۔؟"

مارٹین نے وثوق کے ساتھ کہا:

"ضرور کروں گی! کہو۔!"

پھر لیزنا نے کہا:

"انتقام......؟"

مارٹین حیرت سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی:

لیزنا نے کہا:

"کلیسا کی گھناؤنی زندگی دیکھنے کے بعد میرے اندر ایک زبردست انقلاب آ گیا۔ ایسا انقلاب جو اس ملک کو، یہاں کی بادشاہت کو، اس کلیسا کو اور یہاں کی پاک دامنی کو تنکے کی طرح بہا لے جائے گا۔!"

لیزنا کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو کر رہ گیا اور وہ جوش کے عالم میں کہے جا رہی تھی:

"یہ سارا نظام میری مُٹھی میں ہے اور میں اسے اس طرح مسل دوں گی جس طرح انگلی سے مچھر مسلا جاتا ہے۔"

پھر کہنے لگی:

"میں یہاں بڑی عقیدت کے ساتھ آئی تھی، لیکن میری عقیدت ختم ہوگئی۔مارٹین! میں کیا بتاؤں میری آنکھیں یہاں کیا کیا دیکھ چکی ہیں۔یہاں میں نے ایسے ایسے کھیل تماشے دیکھے ہیں، جن کے تصور سے میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔جو مذہب گناہ کو ثواب بنا دیتا ہو، جس کی خانقاہیں گناہ کو ثواب کا درجہ دے دیتی ہوں، جہاں کنواریوں اور اچھوتیوں کی عصمت دن دہاڑے بیچ چوراہے اور بھرے بازار میں لوٹ لی جاتی ہو، جو دوسرے مذہب کے لوگوں کو غلام بنا لیتا ہو اور ان کے ساتھ ننگِ انسانیت سلوک رکھتا ہو، جہاں کا بادشاہ بدمعاشوں اور لچوں کا دوست بھی ہو اور جہاں کے پادری لچے پن اور بد

معاشی میں بادشاہِ وقت کو بھی مات دیتے ہوں، میں اس مذہب سے بیزار ہوں۔ اس کلیسا سے نفرت کرتی ہوں۔ اس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا اپنی زندگی کا مقصد بنا چکی ہوں۔!''

مارٹین نے بڑے غور سے یہ باتیں سُنیں رہ پھر اُس نے کہا:

''تم نے جو کچھ کہا میں نے سُنا، لیکن سوال یہ ہے کہ تم پناہ کس کے دامن میں لوگی۔ جاؤ گی کہاں۔؟ انتقام کا ہدف کسے بناؤ گی۔؟''

لیزنا کا سرخ وسفید چہرہ پھول کی طرح کھل اٹھا۔ وہ بولی:

''تم نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کر ڈالے۔ آخر کس کس کا جواب دوں۔؟''

مارٹین بھی مسکرادی اور اس نے کہا:

''سب کا۔!''

لیزنا نے کہا:

''پناہ لینے کا جہاں تک تعلق ہے مجھے اور تمہیں ''اسلام'' کے سوا کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔!''

''اسلام'' کا نام سنتے ہی مارٹین اُچھل پڑی۔ اُس نے بڑے زور سے کہا:

''یہ کیا کہہ رہی ہو......؟ لیزنا!''

لیزنا نے کہا:

''کیوں کیا ہوا۔؟''

مارٹین نے کہا:

''کنوئیں سے نکل کر خندق میں گرنے کا ارادہ ہے کیا۔؟''

لیزنا بولی:

''ارے یہ کیوں......؟''

مارٹین نے بڑی سنجیدگی سے کہا:

''تم اسلام کو نہیں جانتیں۔ وہ درندوں کا مذہب ہے۔ وہاں بھی بے کس اور مظلوم

عورتوں کی آبرو لوٹی جاتی ہے۔ وہاں بھی غریب اور بے سہارا لوگ غلام بنائے جاتے ہیں۔ وہاں بھی ظلم کی چکی چلتی ہے اور ان تمام لوگوں کو جو مسلمان نہیں ہیں، میدہ سے زیادہ باریک پیس ڈالتی ہے۔ لیزنا! تم بالکل غلط رُخ پر سوچ رہی ہو۔ بالکل غلط راستہ پر چل رہی ہو۔!''

لیزنا ہنس پڑی۔ اس نے کہا:

''مارٹین......! اور جو کچھ معلوم ہو وہ بھی کہہ ڈالو۔ تم نے اسلام کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے بالکل یہی خیالات میرے بھی تھے۔ لیکن اب وہ بدل چکے ہیں۔!''

مارٹین نے پوچھا:

''کیوں بدل چکے ہیں۔؟''

لیزنا نے کہا:

''اس لیے کہ غلطی مجھ پر واضح ہوگئی۔ تم نے جو کچھ کہا وہ سب غلط فہمی پر مبنی ہے۔ ہمیں اسلام ہی پناہ دے سکتا ہے اور وہی دے گا۔''

مارٹین نے لیزنا سے زیادہ بحث کرنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ خاموش ہوگئی۔

لیزنا نے کہا:

''تم نے ایک بات اور بھی پوچھی تھی۔''

مارٹین بولی:

''وہ کون سی بات۔؟''

لیزنا نے کہا:

''یہ کہ ہم جائیں گے کہاں۔؟''

مارٹین نے کہا:

''ہاں! یہ بہت اہم سوال ہے۔ بتاؤ۔!''

لیزنا نے جواب دیا:

''یہاں سے ہم سیدھے ''سبتہ'' چلیں گے۔ وہاں ہماری مشکل اور آسان ہو جائے

گی۔"

مارٹین نے کہا:

"سبتہ ......؟ کیا کہہ رہی ہو......؟ لیزنا!"

لیزنا بولی:

"ہاں! وہیں۔"

مارٹین نے کہا:

"لیکن وہاں کا بادشاہ بھی تو عیسائی ہے۔"

لیزنا نے جواب دیا:

"ہاں! ہے، لیکن ہماری طرح اس کی عیسائیت بھی زیادہ عرصہ تک نہیں قائم رہ سکے گی۔ اسے بھی اسلام ہی کے دامن میں پناہ لینی پڑے گی۔"

حیرت سے مارٹین کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اُس نے کہا:

"آج تو تم عجیب باتیں کررہی ہو۔؟"

وہ بولی:

"ہاں! لیکن اُن کی سچائی میں ذرا بھی شبہ نہیں۔ تمہیں نہیں معلوم وہ بھی انگاروں پہ ہماری طرح لوٹ رہا ہوگا۔!"

مارٹین نے پھر سوال کیا:

"یہ کیوں۔؟ وہ بڑا پکا عیسائی ہے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے وہ ایک ایسا بہادر مسیحی فرماں روا ہے۔ جس نے "بربر" مسلمانوں کو آگے بڑھنے اور اندلس کی طرف رُخ کرنے سے روک رکھا ہے۔ وہ مسلمانوں کے کئی فوجی جتھوں کو شکست دے چکا ہے اور ان کی جان کا گاہک ہو رہا ہے۔"

لیزنا نے عارفانہ انداز میں کہا:

"مسلمانوں کو شکست وہ کیا دے گا۔؟ ہاں! یہ ضرور ہے کہ مسلمانوں کی بعض ٹولیوں کو

اس نے اپنے مستحکم قلعہ بندوں کے حصار میں نہیں آنے دیا لیکن یہ سارا دم دمامہ اُسی وقت تک ہے جب تک مسلمان سنجیدگی سے ادھر کا رُخ نہیں کرتے۔ موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد مسلمانوں کے بہت بڑے فاتح اور جرنیل ہیں۔ برابر کے علاقہ کو اُنہوں نے فتح کیا ہے۔ اب تک اُنہوں نے سبتہ کی طرف رُخ نہیں کیا۔ جس دن اُن کے گھوڑے کی ٹاپیں سبتہ کی طرف بڑھیں گی اُسے پامال کر کے رکھ دیں گی۔ باقی یہ سچ ہے کہ کاؤنٹ جولین پکا عیسائی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ اب اس کی عیسائیت بھی افسانۂ پارینہ بن رہ گئی ہوگی۔"

مارٹین نے کہا:

"یہی تو پوچھتی ہوں...... آخر کیوں۔؟"

لیزنا نے کہا:

"اس لیے کہ وہ بہادر ہے۔ خوددار ہے۔ غیرت مند ہے۔!"

مارٹین ٹکٹکی لگائے لیزنا کو دیکھ رہی تھی اور وہ کہہ رہی تھی:

"اور کوئی غیرت مند باپ اپنی اکلوتی اور لاڈلی لڑکی کی عصمت کا خونِ ناحق نہیں دیکھ سکتا۔!"

مارٹین حیرت زدہ ہو کر چیخ پڑی:

"کیا کہہ رہی ہو۔؟ لیزنا!"

لیزنا نے کہا:

"لیزنا جھوٹ نہیں بولتی اور سُنی سُنائی باتوں پر اعتبار نہیں کرتی۔!"

مارٹین نے کہا:

"ذرا صاف صاف بتاؤ! ماجرا کیا ہے۔؟"

لیزنا نے کہا:

"بڑا افسوس ناک واقعہ ہے لیکن سُن کر کیا کرو گی۔؟"

مارٹین نے کہا:

"پھر بھی۔!"

لیزنا نے کہا:

"بادشاہ سبتہ اکاؤنٹ جولین کی لڑکی فلورنڈا، اسکی بھتیجی مریم اور میں بادشاہ کے محل میں دوسرے عیسائی نوابوں اور شہزادوں کی اولاد کی طرح شاہانہ تربیت حاصل کرنے آ تھیں...... چوں کہ فلورنڈا حد سے زیادہ خوب صورت تھی...... اس لیے ہمارے بادشا سلامت کی نظر پر چڑھ گئی...... اور آخر ایک روز اس کا دامنِ عصمت تار تار ہو گ رہا......! جب اکاؤنٹ نے فلورنڈا کا مطالبہ کیا تو بادشاہ راڈرک نے اس کی بھتیجی شہزاد مریم کو تو واپس بھیج دیا...... لیکن فلورنڈا کو اپنے محل میں بیٹھائے رکھا......!"

مارٹین نے کہا:

"سچ......؟ واقعی......؟"

ایک آہ بھر کر لیزنا نے کہا:

"ہاں......! بالکل سچ......! میں نے فلورنڈا کی عصمت بچانے کی بہت کوشش کی لیکن ناکام رہی۔ ہائے! فلورنڈا بیچاری۔!!!"

مارٹین نے کہا:

"یہ تو بڑا غضب ہو گیا۔"

لیزنا بولی:

"ہاں! اور اس کے نتائج بڑے ہولناک ہوں گے۔ کاؤنٹ جولین آگ بگولا ہو رہا ہو گا۔ اس کے غصہ سے خدا پناہ میں رکھے۔ میں نے اس کی بھتیجی شہزادی مریم اور اس کی لخت جگر شہزادی فلورنڈا سے سنا ہے کہ کاؤنٹ جولین معاف کرنا نہیں جانتا۔ اگر ان کی بات سچ ہے تو وہ ضرور بالضرور انتقام لے گا۔"

کچھ دیر تک لیزنا خاموش رہی، پھر اس نے آہستہ آہستہ کہا:

"یہی وقت ہے کاؤنٹ جولین کے پاس جانے کا۔ اس کی مدد کرنے کا اور اُ

د لینے کا۔"

مارٹین کچھ سوچ کر مسکرائی:

"اتنی ہمت ہے تم میں۔؟"

لیزنا نے تفاخر کے لہجہ میں کہا:

"میری ہمت......؟ دیکھ لینا وقت آنے دو......!"

مارٹین بولی:

"تم مجھے تیار پاؤ گی۔ میں تمہارا ساتھ دوں گی۔!"

لیزنا نے خوش ہو کر پوچھا:

"سچ کہتی ہو۔؟"

مارٹین بولی:

"ہاں! بلکہ میں تو یہاں تک کہتی ہوں کہ تمہارے نقشِ قدم پر چلوں گی۔"

سنجیدگی کے ساتھ لیزنا نے پوچھا:

"پھر تو نہ جاؤ گی اپنے قول سے۔؟"

وہ بولی:

"ہرگز نہیں......!"

لیزنا نے کہا:

"تو سبتہ چلنے کے لیے تیار ہو جاؤ اور اپنے ساتھیوں کو تیار کر لو۔!"

مارٹین کچھ سوچتی ہوئی بولی:

"ماں باپ کا جہاں تک تعلق ہے انہیں تیار کرنے میں تو کوئی دشواری نہیں پیش آئے گی۔ لیکن چارج؟"

لیزنا نے پوچھا:

"کیوں اُسے کیا ہوا۔؟"

مارٹین نے کہا:

"وہ تیار ہوگا بھلا۔؟ وہ تو بڑا اکثر عیسائی ہے۔ ہماری ان مصیبتوں کی جڑ ہی وہی ہے۔"

لیزنا نے کہا:

"لیکن کیا اسقفِ اعظم نے اسے برافروختہ نہیں کر دیا۔؟"

مارٹین نے جواب دیا:

"ضرور کر دیا......! لیکن اپنے سے......عیسائیت سے نہیں......!!!"

لیزنا ہنسنے لگی۔ پھر اس نے کہا:

"ارے پگلی! وہ تیری شمعِ حسن کا پروانہ ہے۔ جو تو کہے گی وہی کرے گا۔ وہی ایکٹنگ تو بھی کر جو میں نے اپنے مقدس کلیسا کے مقدس فادر اسقفِ اعظم کے ساتھ کی ہے۔"

مارٹین نے کہا:

"بہن! یہ نہیں ہو سکتا۔ مجھے ایکٹنگ نہیں آتی۔ میں جارج سے اظہارِ عشق نہیں کر سکتی۔ میری زبان گنگ ہو جائے گی۔"

لیزنا نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا:

"تم نے تو سارا پروگرام چوپٹ کر دیا۔ اب کیا ہوگا۔؟ اس نے اگر مخبری کر دی تو ہم سب گرفتارِ بلا ہوں گے۔ پھر اسقفِ اعظم پر کوئی جادو نہیں چلے گا۔ وہ ہماری بوٹیاں نوچ لے گا اور چیل کوؤں کو کھلا دے گا۔"

مارٹین نے پوچھا:

"پھر......؟ پھر کیا کیا جائے......؟؟"

لیزنا نے جواب دیا:

"تم بھی اسے محبت کرنے لگو۔ آخر اس میں برائی کیا ہے۔ یہ تو ماننا پڑے گا تمہیں چاہتا دل و جان سے ہے۔"

مارٹین نے کہا:

"یہ باتیں رہنے دو۔ خیر میں کوشش کروں گی اسے ہموار کرنے کی۔ مجھے اس پر ترس بھی آتا ہے، لیکن اگر نہ مانا تو۔؟"

لیزنا نے کہا:

"کیسے نہیں مانے گا۔؟"

مارٹین نے کہا:

"مجھے شبہ ہے راز کھول دینے کے بعد بھی اگر وہ راضی نہ ہوا تو بڑی مشکل پیش آئے گی۔!"

لیزنا نے کہا:

"راضی ہونا پڑے گا اُسے۔ ذرا حوصلہ اور ہمت سے کام لو۔ کہہ کر تو دیکھو۔!"

مارٹین خاموش ہو گئی۔

لیزنا نے کہا:

"وقت بہت کم ہے۔ جو کچھ کرنا ہے، جلدی کرو۔ اسقفِ اعظم بہت جلد واپس آجائے گا اور پھر کچھ بنائے نہ بنے گا۔!"

مارٹین نے بڑے مدہم لہجہ میں نے کہا:

"اچھا کوشش کروں گی۔!"

لیزنا اُٹھ کھڑی ہوئی:

"ہاں! چلو! باتوں ہی باتوں میں ساری رات بیت گئی۔ وہ دیکھو اُفق کے پردہ سے سورج جھانک رہا ہے۔!"

لیزنا نے کہا:

"اتنی دور دیکھنے کی کیا ضرورت ہے۔؟ سورج تو میری آنکھوں کے سامنے چمک رہا ہے۔ یہ رہا۔" یہ کہتے کہتے وہ مارٹین سے لپٹ گئی۔ مارٹین نے پیار سے دھکیلتے ہوئے کہا:

"ہٹو بھی! بڑی آئی مذاق کرنے۔"

خوشی کی لہر

لیزنا کی باتوں سے متاثر ہوکر مارٹین پھر اپنے قید خانہ میں واپس پہنچی۔ ایک نئی خو
ایک نیا جذبہ اور ایک بالکل نئی امنگ کے ساتھ۔ مارٹین جب لیزنا کے ساتھ یہاں سے
تھی تو اس کا رنگ دوسرا تھا اور جب تنہا واپس آئی تو دوسرا۔ پہلے اس کے چہرے پر مایوسی
پریشانی تھی۔ اب اس کے رُخِ روشن پر امید اور سکون کا نور برس رہا تھا۔ وہ پھول سا چہر
کملا چکا تھا، صرف چند گھنٹوں میں پھر تروتازہ پھول بن گیا تھا۔ اس تغیر کو روکسین اور ی
سے بھی پہلے جارج نے محسوس کیا۔ اس نے طنز و تعریض کے لہجہ میں چیخ کر کہا:

"آخر تم بھی فتح کر لی گئیں۔؟"

مارٹین نے تیوری چڑھا کر اُسے دیکھا اور کہا:

"کیا مطلب۔؟"

وہ بولا:

"مطلب تمہارے چہرے سے ظاہر ہے۔ یہ رات جس کے شبستانِ عشرت میں
نے گزاری ہے اسی سے پوچھو۔ بہرحال میں اسقفِ اعظم کو اس کی کامیابی پر مبارک باد پ
کرتا ہوں۔!"

اور پھر اُس نے یہودا سے مخاطب ہوکر کہا:

"بڑے میاں! کہیے۔! اپنی صاحبزادی کو ملاحظہ فرمایا۔؟ اب آپ کے بندھن کھ

ل جائیں گے، یہ ہتھکڑیاں اور بیڑیاں اب کبھی آپ کے قریب نہیں آئیں گی۔ اب آپ اور
آپ کی دخترِ بلند اختر اسقفِ اعظم کی گود میں بیٹھ کر دادِ عشرت دیں گے۔ واقعی حُسن سب
سے بڑی دولت ہے۔ آپ کی دولت لٹ گئی۔ تجوریاں چھین لی گئیں۔ مکان جلا ڈالا گیا۔
املاک ویران کر دیئے گئے لیکن یہ لازوال دولت جسے مارٹین کی صورت میں آپ اپنے ساتھ
لائے تھے وہ نہ صرف موجود ہے بلکہ سود بھی دے رہی ہے۔!!!"

وہ زور سے ہنسا...... یہودا بھی مارٹین کو خوش اور مسرور دیکھ کر جل گیا تھا لیکن جارج کی
باتیں سُن کر اس کے بوڑھے اور ٹھنڈے خون میں پھر جوش اور جذبہ پیدا ہو گیا۔ اس نے
اپنی بیٹی سے تو کچھ نہ کہا۔ ایک ہتھکڑی پکڑ کر اسے جارج کے سر پر دے مارا۔ اس کا سر کھل گیا
اور خون بہنے لگا۔

یہودا نے کہا:

"اگر تیرا خیال صحیح ہے تو پھر میں مارٹین کو عاق کرتا ہوں۔"

اتنے میں مارٹین بالکل پاس آ چکی تھی۔ اُس نے باپ کو دھکا دے کر پیچھے ہٹایا اور
اپنے دامن سے جارج کا خون پونچھا اور اسے لے جا کر بٹھا دیا۔ پھر کہنے لگی:

"آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ بابا۔!"

یہودا نے دیوانوں کی طرح ایک قہقہہ لگایا اور جواب دیا:

"مجھے تو کچھ نہیں ہوا، تجھی کو کچھ ہو گیا ہے اور جو کچھ ہوا وہ اچھا نہیں ہوا۔ مجھے اُمید نہیں
تھی کہ تو اپنے باپ کی یوں ناک کاٹے گی اور اس کے کمزور دل پر ایسا گھونسا لگائے گی۔"

مارٹین نے بڑی معصومیت کے ساتھ کہا:

"لیکن بابا! کچھ کہیے بھی تو۔؟"

یہودا کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اُس نے اپنی بیٹی کو گھورتے ہوئے کہا:

"کیا رات بھر تو اسقفِ اعظم کے شبستانِ عشرت میں نہیں رہی۔؟ کیا تو نے اپنی
ب سے قیمتی چیز اُسے نہیں بخش دی۔؟ کیا اب تو بے آبرو اور بیسوا نہیں ہے۔؟"

مارٹین کا چہرہ باپ کی آنکھوں سے زیادہ سُرخ ہو گیا۔ اُس نے کڑک کر کہا:

"بس خاموش۔!"

یہودا ذرا کے ذرا خاموش رہا۔ پھر اُس نے بھپرے ہوئے لہجہ میں کہا:

"چوری اور سینہ زوری......؟"

مارٹین بولی:

"آپ میرے باپ ہیں۔ اگر کسی اور نے یہ الفاظ کہے ہوتے تو میں اُس کا م دیتی۔"

یہودا نے جارج کی طرف اشارہ کر کے نفرت کے ساتھ کہا:

"تو جاؤ! اس نوجوان کا منہ توڑ دو۔ سب سے پہلے یہ بات اسی کے منہ سے نکلی تھی۔

مارٹین نے کہا:

"وہ تو دیوانہ ہے۔"

یہودا چیخا اور اس نے کہا:

"لیکن تو نے مجھے بھی دیوانہ بنا دیا ہے۔"

مارٹین اس سے زیادہ چیخی اور اس نے کہا:

"لیکن کیوں۔؟ کیا ہوا آخر۔؟ کون سا غضب ہو گیا۔"

یہودا نے کہا:

"تجھ میں سوال کرنے کی ہمت ہے۔؟"

وہ بولی:

"ہاں ہے......! اور اس لیے کہ میں وہ نہیں ہوں جو آپ سمجھتے ہیں۔"

یہودا کی جان میں جان آئی لیکن اسے یقین نہیں آیا اس نے کہا:

"کیسے مان لوں۔؟"

مارٹین بڑے غور کے ساتھ بولی:

"آپ نے مجھے پالا پوسا۔ آپ سے زیادہ میری طبیعت کا شناسا کوئی نہیں۔ اگر آپ ی یہ گمان کرتے ہیں تو میں کوئی صفائی دینا نہیں چاہتی۔ میں جارج کو معاف کر سکتی ہوں۔ ن آپ کو نہیں۔"

یہ کہہ کر اُس نے اپنی انگلی سے چمکتی ہوئی انگشتری اتاری اور کہا:

"یہ ہیرے کا ٹکڑا میری صداقت کا ثبوت دے گا اور میرے مرنے کے بعد آپ کو ین آئے گا کہ میں جیسی یہاں سے گئی تھی ویسی واپس آئی ہوں۔ اگر میں یہاں سے جاتے ت پاک دامن تھی تو اب بھی ہوں۔!"

قریب تھا کہ ہیرے کا "نگ" مارٹین منہ میں رکھ لے کہ روکسین، یہودا اور جارج ں نے لپک کر اسے دبوچ لیا۔ جارج نے بڑی مشکل سے انگوٹھی اس سے چھینی اور بہتے ئے خون کو پونچھتے ہوئے کہا:

"یہ نہ کرو مارٹین! مجھے یقین ہے تم پاک دامن ہو۔!"

وہ بولی:

"مجھے تمہارے یقین کی پروا نہیں۔"

یہودا نے روتے ہوئے کہا:

"بیٹی! مجھے بھی یقین ہے۔"

وہ کہنے لگی:

"اب آپ کے یقین کی بھی پروا نہیں کرتی۔"

روکسین روتی ہوئی آگے بڑھی اور اپنے کمزور ہاتھوں کو بڑھا کر اُس نے بیٹی کو سینہ ے لگایا اور پُر نم آنکھوں کے ساتھ کہا:

"کیا میری بھی پروا نہیں۔؟"

مارٹین نے کوئی جواب نہ دیا اور ماں کے شانے پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لی۔ جارج نے ہتھکڑی اُٹھا کر اپنے زخمی سر پر ماری، خون اور زیادہ تیزی کے ساتھ بہنے

لگا۔ مارٹین لپک کر آ گئی۔ اس نے جارج کا بہتا ہوا خون اپنے دامن سے صاف ک
اپنائیت کی خفگی کے لہجہ میں کہا:

"جارج تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ ہوش میں آؤ۔ اس طرح تو تم مر جاؤ گے۔"

وہ بولا:

"ہاں! میں مرنا چاہتا ہوں۔ جب تمہیں میری پروا نہیں تو زندگی کس کام کی۔؟! جانے دو۔ موت ہی میرا علاج ہے۔!"

جارج نے پھر اپنے دونوں ہاتھوں سے ہتھکڑیاں سر پر مانے کے لیے اٹھائیں
مارٹین نے پکڑ لیا اور متانت کے ساتھ کہا:

"کیا تم میرا حکم نہیں مانو گے۔؟"

جارج نے حیرت سے مارٹین کو دیکھا اور کہا:

"حکم......؟ تم مجھے حکم دے رہی ہو......؟"

وہ بولی:

"ہاں..........!"

وہ کہنے لگا:

"تم مجھے اس قابل سمجھتی ہو کہ حکم دو۔؟ کیا میں اس قابل ہوں۔؟"

مارٹین نے پھر صرف ایک لفظ کہا:

"ہاں!"

وہ دیوانوں کی طرح ہنسنے لگا اور اس نے کہا:

"میں کتنا خوش قسمت ہوں۔ اسقفِ اعظم کو جب میری خوش قسمتی کا حال معلوم
تو زہر کھا لے گا۔ کہاں ہے کمبخت۔؟"

مارٹین نے جواب دیا:

"کہیں باہر گیا ہے۔ دورہ پر۔!"

جارج نے کہا:

"کب آئے گا۔؟"

مارٹین نے کہا:

"تمہیں کیا۔؟ آ جائے گا جب اُس کا جی چاہے گا۔"

جارج نے عجیب بے تابی کے ساتھ کہا:

"مرنے سے پہلے اسے ایک مرتبہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں اس سے زیادہ خوش
ِمت ہوں۔"

پھر وہ بڑے جوش سے چیخا:

"میں اس پر ثابت کر دینا چاہتا ہوں کہ تشدد میں وہ قوت نہیں جو اطاعت میں ہے۔
وہ تشدد سے مارٹین کو نہ جیت سکا اور میں نے اطاعت سے جیت لیا۔"

مارٹین نے ایک اندازِ معشوقانہ کے ساتھ کہا:

"تم مرنے کی باتیں کیوں کرتے ہو۔؟"

وہ بڑی بے بسی کے ساتھ بولا:

"مرنے کی اجازت بھی نہیں۔؟"

وہ کہنے لگی:

"کہہ چکی نہیں! سُن بھی تو چکو کسی طرح۔ آخر کتنی مرتبہ کہوں تب سنو گے۔؟"

جارج وفورِ جذبات سے بے قابو ہو کر بولا:

"مرنے کی اجازت نہیں۔ زندہ نہیں رہ سکتا۔ پھر آخر کیا کروں۔؟"

مارٹین بولی:

"کیوں زندہ نہیں رہ سکتے۔؟ پھر وہی دیوانے پن کی باتیں۔؟"

کہنے لگا:

"بات کرنے کی اجازت بھی نہیں۔؟ اچھا خاموش رہوں گا۔ اب کچھ نہ بولوں گا۔"

لیکن اپنے دل کو کیا کروں۔؟"

مارٹین ذرا مسکراتی ہوئی بولی:

"یہ نیا شگوفہ کھلا۔ دل کو کیا ہوا۔؟"

کچھ دیر ٹھہر کر مارٹین نے کہا:

"قید خانہ میں یہ باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ اگر کسی نے سُن لیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔"

جارج نے بڑے ولولہ کے ساتھ کہا:

"ہاں! یہ قید خانہ بڑی بُری جگہ ہے۔ یہاں ساری زندگی بسر کرسکتا ہوں، لیکن تمہیں اس تکلیف میں ایک لحہ بھی نہیں دیکھ سکتا۔ اس قید خانہ کو توڑ دوں گا۔ میرے زخمی سر میں ابھی اتنی طاقت ہے کہ ٹکر مار مار کر یہ مضبوط دیواریں گرادے لیکن مارٹین تم پھر بھی بچ نہ سکو گی۔ یہاں سے نکلتے ہی یہ لوگ تمہیں پکڑ لیں گے۔!"

مارٹین وہیں زمین پر بیٹھ گئی، اس نے ہاتھ پکڑ کر جارج کو بھی بٹھا لیا اور کہنے لگی:

"اس قید خانہ کو میں توڑ سکتی ہوں۔!"

وہ حیرت سے بولا:

"تم......؟ نہیں! تم بہت کمزور اور نازک ہو۔ یہ کام میں کروں گا۔"

اور پھر وہ اٹھنے لگا۔ مارٹین نے اُسے روکا۔ پھر بٹھا لیا اور کہا:

"یہ قید خانہ قوت سے نہیں حکمت سے ٹوٹے گا۔"

وہ بولا:

"تو توڑ ڈالو اور جس قدر جلد بھاگ سکتی ہو بھاگ جاؤ۔!"

وہ مسکرائی اور اس نے کہا:

"واہ! تم مجھے اتنا خود غرض سمجھتے ہو۔؟"

جارج نے بے تابی کے ساتھ کہا:

"پھر۔؟ پھر کیا ارادہ ہے۔؟"

مارٹین کہنے لگی:

"اکیلی نہیں جاؤں گی۔ ہم سب جائیں گے۔ تم بھی میرے ساتھ ہو گے۔!"

قریب تھا کہ ان باتوں سے جارج کو شادی مرگ ہو جائے۔ وہ ٹکٹکی باندھے مارٹین کو دیکھ رہا تھا، لیکن اس کی زبان خاموش تھی۔

مارٹین نے پوچھا:

"میرے ساتھ چلو گے......؟"

جارج بولا:

"اگر تم لے چلو گی تو......!"

مارٹین نے کہا:

"لیکن تمہیں معلوم ہے ہم کہاں جائیں گے۔؟"

جارج نے کہا:

"نہیں جانتا اور جاننا بھی نہیں چاہتا۔ تم جہاں بھی چلو میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

مارٹین سنبھل کر بیٹھی۔ اُس نے کہا:

"لیکن ایک بات سُن لو۔!"

جارج نے کہا:

"کہو! سُن رہا ہوں۔!"

مارٹین نے کہا:

"میرے ساتھ چلنے کے معنی کیا ہیں۔ جانتے ہو۔؟"

جارج بولا:

"بتا دو گی تو جان لوں گا۔"

مارٹین نے کہا:

"میرے ساتھ چلنے کے معنی ہیں کلیسا سے بغاوت۔!"

جارج جوش کے ساتھ بولا:

"میں کلیسا کا سب سے بڑا باغی ہوں۔ اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دینا چاہتا ہوں۔!"

مارٹین نے کہا:

"میرے ساتھ چلنے کے معنی ہیں بادشاہ سلامت سے بغاوت۔"

جارج اور زیادہ جوش سے بولا:

"میں بادشاہ سے بھی بغاوت کروں گا۔ وہ اس لائق نہیں کہ بادشاہت کر سکے۔ ظالم ہے۔ عیاش ہے۔ خودغرض ہے۔ اُس نے میرے پیارے وطن کو جہنم کا نمونہ بنا دیا۔ میں اس کے خلاف تلوار اٹھاؤں گا۔"

مارٹین نے نگاہِ توجہ سے جارج کو دیکھا۔ کچھ دیر دیکھتی رہی پھر بولی:

"میرے ساتھ چلنے کے معنی ہیں مسلمانوں سے دوستی۔ اُن کی رفاقت۔!!!"

جارج کچھ دیر تک سر جھکائے سوچتا رہا۔ پھر اس نے مارٹین پر ایک نگاہ ڈالی اور ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا:

"مارٹین میں اس کے لئے بھی تیار ہوں۔"

جارج کچھ دیر خاموش رہ کر بولا:

"تمہیں حیرت ہوگی کہ میں اس آخری بات پر کیوں تامّل کے ساتھ تیار ہوا۔؟"

مارٹین نے کہا:

"ہاں! ہے۔ تو بتاؤ کیوں۔؟"

جارج کہنے لگا:

"کلیسا کی گندگی دیکھ کر اس کے خلاف بغاوت کرنا ثواب سمجھتا ہوں۔ بادشاہِ وقت سفاکیوں اور درندگیوں کے خلاف تلوار اٹھانا بھی میرے نزدیک ثواب ہے، مگر لیکن... ط

مقدس کے خلاف جنگ کرنا اور وطن کے دشمنوں کا ساتھ دینا میرے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔ اسے خداوند یسوع بھی معاف نہیں کر سکتے۔!"

مارٹین نے سوال کیا:

"پھر تم کیسے راضی ہو گئے۔؟"

جارج نے جواب دیا:

"مسلمانوں کے سوا اگر تم ہمارے کسی اور دشمن سے ساز باز کرتیں تو اس محبت کے باوجود جو میرے دل میں تمہاری ہے، میں صاف انکار کر دیتا، لیکن مسلمانوں کا نام سُن کر مجھے خاموش ہو جانا پڑا۔"

مارٹین بولی:

"یہی تو پوچھتی ہوں آخر کیوں۔؟"

جارج نے کہا:

"اس لیے کہ وہ انسان نہیں رحمت کے فرشتے ہیں۔ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتے۔ کسی کو ستاتے نہیں۔ کسی کے مذہب میں مداخلت نہیں کرتے۔ عدل و انصاف کے معاملہ میں کسی کے ساتھ رُو رعایت نہیں کرتے۔ ان کے ہاں اونچ نیچ کی تمیز نہیں۔ وہ ہر انسان کی عزت کرتے ہیں۔ ہر مسلمان کو اپنا بھائی سمجھتے ہیں۔ وہ خدا سے ڈرتے ہیں۔ اس کے بندوں کے ساتھ بُرا سلوک نہیں کرتے۔ مسلمان اگر اس دیس میں آ جائیں تو یہ اُجڑی ہوئی زمین پھر ایک مرتبہ جنت بن جائے۔ انہیں آنا چاہئے۔ وہ آئیں گے۔ انہیں اب کوئی نہیں روک سکتا۔ وقت کی پکار یہی ہے۔ قدرت کا فیصلہ یہی ہے۔ حالات کا تقاضا یہی ہے۔ ظلم کا پیالہ لبالب بھر چکا۔ اب وہ چھلکنے کے قریب ہے۔ اُسے کوئی نہیں روک سکتا۔ نہ غریب جارج، نہ بااقتدار اسقفِ اعظم، نہ بادشاہِ وقت راڈرک۔"

مارٹین نے کہا:

"پھر تم پہلے ہی مسلمانوں سے کیوں نہ مل گئے۔؟"

جارج نے کہا:

"پہلے میری آنکھیں بند تھیں۔ اب کھلی ہیں۔ اگر یہاں نہ آنا پڑتا اور اسقفِ اعظم کا ہدفِ ستم نہ بنتا تو ہرگز میری رائے نہ بدلتی۔!"

مارٹین نے کہا:

"تو تم پھر تیار ہو۔؟"

وہ بولا:

"بالکل...... دل و جان سے۔"

پھر مارٹین نے اپنی اور لیزنا کی ساری باتیں دُہرائیں اور کہا:

"اگر میں چاہتی تو تمہیں دامِ فریب میں اسیر کر کے لے چلتی لیکن یہ میری سرشت کے خلاف ہے۔ میں تمہیں دھوکہ دینا نہیں چاہتی ہوں۔ صاف اور سچ کہتی ہوں یعنی تم پر ترس آنے لگا ہے۔ اس مرحلہ پر اگر میرا ساتھ دو گے تو میری روح اور جسم کا مالک تمہارے سوا کوئی نہیں بن سکتا۔"

جارج نے کہا:

"میں دل و جان سے تمہارے ساتھ ہوں۔"

آخر طے ہوا کہ لیزنا کے عارضی اختیار سے فائدہ اُٹھا کر اسقفِ اعظم کے آنے سے پہلے پہلے اس دیس سے باہر نکل جانا چاہئے۔

☆☆☆

قافلہ بے کراں سبتہ میں

لیزنا کو اسقفِ اعظم کی دی ہوئی انگوٹھی نے بہت کام دیا۔ کلیسا کے اندر بھی اور کلیسا کے باہر بھی۔ جہاں کہیں کوئی مشکل پیش آئی اس انگشتری نے جادو کا کام دیا۔ ممکن نہ تھا کوئی اسے دیکھے اور بے چوں و چرا سرِ تسلیم خم نہ کر دے۔ کلیسا سے باہر نکل جانا تو کچھ مشکل نہ تھا۔ اصل مرحلہ تھا سبتہ پہنچنا تھا۔ اگرچہ اس وقت تک سبتہ کے بادشاہ اور اُندلس کے شہنشاہ میں کوئی لڑائی نہیں تھی۔ نہ اعلانِ جنگ ہوا تھا، نہ بظاہر تعلقات تلخ تھے۔ پھر بھی ایک غیر محسوس سی کشمکش جاری تھی۔ اُندلس اور سبتہ کے مابین آمد و رفت میں کچھ تعطل سا پیدا ہو گیا تھا۔ جو لوگ اُندلس سے سبتہ جاتے تھے وہ اب بغیر روک ٹوک کے نہیں جا سکتے تھے۔ معلوم کیا جاتا تھا کہ یہ جانے والے کون ہیں اور ان کے جانے کا مقصد کیا ہے۔؟

لیزنا نے اپنے ساتھ مارٹین اور جارج، روکسین اور یہودا سب کو کلیسائی لباس میں ملبوس کر لیا تھا۔ لہٰذا شک و شبہ کا امکان ختم ہو گیا۔ پھر بھی جب یہ لوگ کشتی پر بیٹھے تو ایک افسر نے آ کر دریافت کیا:

"آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں۔؟"

لیزنا نے کہا:

"فی الحال سبتہ اور وہاں سے سیاحت کرتے ہوئے یروشلم (بیت المقدس)"

افسر نے پوچھا:

"سبتہ میں کوئی خاص کام ہے۔؟"

"لیزنا نے اسقفِ اعظم کی انگشتری دکھائی اور کہا:

"کیا تم اسے پہچانتے ہو۔؟"

افسر نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور کہا:

"اپنی غلطی کی معافی چاہتا ہوں۔آپ تشریف لے جائیں۔!"

کشتی چل پڑی......!اور پھر......!سمندر کے ہچکولے...... اور موجوں کے تھپیڑے......!آخر کار یہ مرحلے بھی ختم ہوئے اور دوسرے روز یہ چھوٹا سا قافلہ سبتہ کے شاہی محل پر موجود تھا۔لیزنا اپنے ساتھیوں کو لے کر محل میں داخل ہوئی۔اُس نے داروغہ محل سے کہا:

"میں شہزادی مریم (فلورنڈا کی چچازاد بہن) سے ملنا چاہتی ہوں۔!"

داروغہ نے پوچھا:

"کیوں......؟"

وہ بولی:

"آپ کو یہ پوچھنے کا حق نہیں۔وہ مجھے جانتی ہیں۔میں ان کی سہیلی ہوں۔وہ اور میں اکٹھے شاہی آداب سیکھنے شاہی محل کی درسگاہ میں گئے تھے۔آپ انہیں اطلاع کر دیجئے۔!"

داروغہ نے انکار میں سر ہلایا اور کہنے لگا:

"معافی چاہتا ہوں۔آپ کے ارشاد کی تعمیل نہیں کر سکوں گا۔"

لیزنا نے پوچھا:

"آخر اس کی وجہ......؟"

داروغہ نے جواب دیا:

"ان کے سارے گھرانے والے بڑے پریشان ہیں۔معلوم ہوا ہے کہ شہزادی م کی کزن شہزادی "فلورنڈا" طلیطلہ میں بیمار ہیں۔اس لیے شہزادی مریم کا مزاج ناساز ہے۔

وہ کسی سے نہیں ملتیں۔!"

لیزنا بولی:

"آپ اطلاع تو کر دیجئے۔اگر نہ ملنا چاہیں گی تو ہم واپس چلے جائیں گے۔"

لیکن داروغہ ضد پر اڑا ہوا تھا۔اس نے کہا:

اس تکرار اور طولِ عمل کی کیا ضرورت ہے۔؟میری بات کا اعتبار کیجئے۔میں یہ کہہ رہا ہوں کہ شہزادی صاحبہ جب سے طلیطلہ سے آئی ہیں وہ بہت پریشان ہیں۔وہ کسی سے نہیں ملنا چاہتیں۔بس تشریف لے جایئے۔!"

اسقفِ اعظم کی انگوٹھی یہاں کام نہیں دے سکتی تھی۔اب لیزنا بے بس ہو گئی۔وہ واپس ہی جانے والی تھی کہ خود شہزادی مریم نہ معلوم کس کام سے ادھر سے گزری۔اس کی نگاہ لیزنا پر پڑی۔اسے دیکھ کر وہ ٹھٹھکی پھر آگے بڑھی اور چلائی:

"لیزنا......!تم............!"

لیزنا اشتیاق کے ساتھ آگے بڑھی اور مریم سے لپٹ گئی اور کہنے لگی:

"ہاں!شہزادی میں......!لیکن یہ تمہارے وفادار ملازم مجھے تم سے نہیں ملنے دیتے۔ میرے تمہارے درمیان سمندر حائل تھا......اُسے میں نے پار کر لیا......لیکن داروغہ صاحب کی صورت میں جو دیوار حائل ہے اسے نہیں توڑ سکتی۔!"

شہزادی مریم کے مرجھائے ہوئے چہرے پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔اس نے کہا:

"تمہیں کوئی نہیں روک سکتا۔آؤ میرے ساتھ۔!"

راستے میں اُس نے پوچھا:

"یہ تمہارے ساتھ کون لوگ ہیں۔؟"

وہ بولی:

"میرے ساتھی۔!جہاں میں وہاں یہ۔!جس طرح گوشت سے ناخن نہیں جدا ہو سکتا اسی طرح ہم ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔!"

ان ہی باتوں میں محل کا وہ حصہ آ گیا جہاں شہزادی مریم رہتی تھی۔ شہزادی مریم نے
لیزنا کا ہاتھ پکڑ کر کہا:

"آؤ تم میرے ساتھ۔! ذرا باتیں کریں گے۔ تمہارے ساتھی تھک گئے ہوں گے ان کے آرام کا بندوبست کرتی ہوں۔"

سامنے ایک لونڈی کھڑی تھی۔ یہ بھی قوم کی یہودی تھی۔ شہزادی مریم نے اس سے کہا

"آفقہ! یہ ہمارے معزز مہمان ہیں۔ انہیں اپنے ساتھ لے جاؤ اور آرام سے ٹھہراؤ دیکھو انہیں کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔"

آفقہ ان لوگوں کو لے کر آگے بڑھی اور شہزادی مریم لیزنا کو لے کر اپنے خاص کمرے میں آئی۔ اس نے بیٹھتے ہوئے کہا:

"لیزنا! تم ایسے آ گئیں؟ تم پاس بیٹھی ہو لیکن شبہ ہوتا ہے کہ کہیں آنکھیں دھوکہ نہیں دے رہی ہیں۔؟"

لیزنا مسکرائی اور کہنے لگی:

"اللہ رے بدگمانی۔! اتنا شبہ بھی نہ کیا کرو۔ بہرحال اب تو میں آ گئی۔ میرا آنا ناگوار تو نہیں ہوا۔؟"

شہزادی مریم نے پیار کے لہجہ میں کہا:

"تم بھی کیسی باتیں کرتی ہو۔؟ اتنے دنوں کے بعد تمہیں دیکھ کر کتنی خوش ہوئی ہوں میرا دل ہی جانتا ہے لیکن ہاں یہ تو بتاؤں میں نے سنا تھا کہ تم نن بن گئیں تھیں۔؟"

لیزنا نے زہر خند کرتے ہوئے جواب دیا:

"ہاں! یہ حماقت سرزد تو ضرور ہوئی تھی۔!"

شہزادی مریم نے کہا:

"حماقت......؟"

لیزنا کہنے لگی:

"ہاں......! کاش! میں کلیسا نہ جاتی۔ کاش نن نہ بنتی۔ کاش اسقف اعظم کا منہ نہ تی۔!"

شہزادی مریم نے کہا:

"آج تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ لیزنا!"

"افسوس کے لہجہ میں شہزادی مریم نے کہا:

"جانتی ہوں۔ تمہارا محبوب ہلاک ہو گیا۔ تم نے دنیا سے بے زار ہو کر کلیسا کو منتخب یا۔ سچ کہتی ہوں یہ خبر سن کر بہت افسوس ہوا تھا۔ قصر شاہی میں ہم تم مدتوں رہے ہیں۔ وہ اتیں۔ وہ دلچسپیاں۔ وہ بزم آرائیاں بھلائے نہیں بھولتیں۔ میں بار بار دل میں سوچا رتی تھی کہ لیزنا جیسی شوخ اور چنچل لڑکی بھلا کس طرح کلیسا کی خشک اور بے مزہ زندگی کی ادی ہو سکے گی۔ خیر خداوند یسوع کا شکر ہے تم نے غلطی محسوس کر لی۔ زخم کا مرہم خود ہی ل کر لیا۔ لیکن یہاں کیسے آئیں۔؟"

لیزنا نے ایک تاثر اور بے خودی کے عالم میں کہا:

"ہاں! میرا محبوب ہلاک ہوا اور میں نے دنیا سے بے زار ہو کر کلیسا کو منتخب کر لیا اور ب میں نے کلیسا سے بے زار ہو کر سبتہ کا رُخ کیا ہے۔ کیا تم مجھے پناہ دو گی۔؟"

شہزادی مریم نے کہا:

"تم کیسی باتیں کرتی ہو لیزنا۔؟ کیا تم میری بہن نہیں۔؟ مجھے غیر سمجھتی ہو۔؟"

لیزنا بولی:

"توبہ کرو! غیر سمجھتی تو بڑے بڑے خطرے مول لے کر تمہارے پاس آتی۔؟"

شہزادی مریم نے کہا:

اس اعتماد کا شکریہ......! لیکن یہ تو بتاؤ تم مقدس کلیسا سے کیوں بے زار ہو گئیں۔؟"

وہ بولی:

"اس لیے کہ وہ مقدس نہیں ہے۔!"

حیرت سے شہزادی مریم نے کہا:

"کیا کہا۔؟ کیا کہا تم نے۔؟"

لیز نا بولی:

"کہہ تو رہی ہوں وہ مقدس نہیں ہے۔ وہاں کوئی بھی مقدس نہیں ہے۔ تقدس کا لـ
پہن کر یہ ناپاک اور گندے مرد، یہ ناپاک اور گندی عورتیں خداوند یسوع کی روح کو تکلیف د
ہی ہیں۔"

شہزادی مریم نے لیز نا کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا:

"توبہ توبہ!!! کچھ دیوانی ہوئی ہو......؟"

لیز نا شہزادی مریم کا ہاتھ ہٹاتی ہوئی بڑی سنجیدگی سے بولی:

"تمہیں اختیار ہے کہ میری باتیں نہ سنو لیکن انہیں غلط کہنے کا حق حاصل نہیں۔"

شہزادی مریم کچھ دیر خاموش رہی۔ پھر اُس نے کہا:

"عجیب باتیں کر رہی ہو......؟"

لیز نا نے کہا:

"ہاں! اس اعتبار سے انہیں عجیب کہہ سکتی ہو کہ پہلی بار سننے میں آ رہی ہیں لیکن
کے سچے ہونے میں شبہ نہیں۔"

شہزادی مریم نے کہا:

"آخر ہوا کیا۔؟ کچھ بتاؤ بھی۔!"

لیز نا بولی:

"رہنے دو ان باتوں کو۔ یہ ذکر تم سے نہ سنا جائے گا۔ بڑی کڑوی کسیلی باتیں ہیں۔

شہزادی مریم نے ضد کرتے ہوئے کہا:

"کچھ بھی ہو، میں تو سنوں گی۔"

لیز نا نے کہا:

"کلیجہ تھام لو گی جب سنو گی داستاں میری۔!"

شہزادی مریم مسکرائی اور کہنے لگی:

"تھام لیا۔ کہو۔!"

اور پھر لیز نا نے اپنی، مارٹین کی، اسقفِ اعظم کی، ڈانا کی، کلیسا کی ننوں اور دوسرے پادریوں کی تمام داستان ایک ہی سانس میں سنا ڈالی۔ کبھی ہنس ہنس کر کبھی رو رو کر اور جب وہ اپنی ساری کہانی سنا چکی تو پوچھا:

"کہیے یقین آیا۔؟"

شہزادی مریم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ بولی:

"تمہارے سوا کوئی اور کہتا تو ہرگز یقین نہ کرتی لیکن جانتی ہوں کہ تم کبھی جھوٹ نہیں بولتی، پھر کیوں کر جھٹلا دوں۔؟"

کچھ دیر تک خاموشی سی رہی پھر باچشمِ پُرنم شہزادی مریم نے کہا:

"تم میری بہن فلورنڈا کی داستان تو جانتی ہو۔؟"

لیز نا بولی:

"مجھے سرسری علم ہے لیکن تفصیلاً نہیں۔!"

شہزادی مریم نے پھر پوچھا:

"سناؤں۔؟"

لیز نا نے کہا:

"ضرور سناؤ۔!"

مریم نے کہا:

"سن سکو گی۔؟"

لیز نا نے کہا:

"کیوں نہیں۔ سناؤ تو۔"

شہزادی مریم نے ایک آہ بھر کر کہا:

''تم خوش قسمت تھیں کہ بچ گئیں، لیکن قسمت میری بہن فلورنڈا کا ساتھ نہ دے سکی۔ وہ نہ بچ سکی۔''

لیزنا نے کہا:

''یعنی......؟''

شہزادی مریم نے کہا:

''تم اپنی سب سے بڑی اور قیمتی پونجی بچالائیں، فلورنڈا نہ بچا سکی۔ اس سے زیادہ تو یہودی چھوکری مارٹین خوش قسمت ہے کہ اس کے بدن کو کوئی بھی ہاتھ نہ لگا سکا اور میری بہن فلورنڈا......!''

شہزادی مریم یہ کہہ کر پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی۔ لیزنا نے اُسے تسلی دی اور کہا:

''مریم! صبر سے کام لو۔ میں جانتی ہوں کہ بادشاہ راڈرک نے تمہاری بہن کو برباد کر دیا۔ اُس نے فلورنڈا کی عصمت لوٹ لی۔''

پھر لیزنا نے پوچھا:

''پھر اب......؟''

وہ بولی:

''جب سے میں فلورنڈا کے پاس سے واپس آئی ہوں تب سے میں بھی یہی سوچ رہی تھی کہ دنیا سے منہ موڑ لوں۔ دنیا والوں کو چھوڑ دوں اور کسی کلیسا میں جا کر نن بن جاؤں تا کہ فلورنڈا کی طرح کہیں مجھے بھی اپنی عصمت کو نہ کھونا پڑے لیکن تمہاری داستان سن کر اب یہ بھی ہمت نہیں پڑتی۔ دوسرے کلیساؤں میں بھی اسقفِ اعظم ہی کے بھائی بند بے خداوند بنے بیٹھے ہیں۔''

لیزنا نے کہا:

''کہیں ایسی غلطی نہ کر بیٹھنا۔''

شہزادی مریم نے ایک ٹھنڈا سانس بھر کر کہا:

''کرنا چاہوں تو بھی نہیں کر سکتی۔ کلیسا اتنا ناپاک نہ ہوتا۔ تب بھی میرے لیے نن بننا آسان نہ تھا۔ اپنے باپ کی اکلوتی بیٹی ہوں۔ ابا جان ہرگز اس پر راضی نہ ہوتے اور فلورنڈا کے بعد چچا جان کاؤنٹ جولین کا بھی میں ہی سہارا ہوں۔ اسی لیے وہ بھی مجھے نن نہ بننے دیتے بلکہ احتجاج کرتے۔''

لیزنا نے کہا:

''ٹھیک ہے......! نہ اُنہیں راضی ہونا چاہیے......! نہ تمہیں ایسا ارادہ کرنا چاہیے......!''

وہ بولی:

''کیوں۔؟ مجھے ایسا ارادہ کیوں نہ کرنا چاہیے۔؟''

لیزنا نے جوش اور جذبہ کے عالم میں بلند آواز سے کہا:

''تمہیں زندہ رہ کر ان شیطانوں سے بدلہ لینا چاہیے جنھوں نے فلورنڈا کی عزت و عصمت لوٹی ہے اور دوسرے معصوموں اور بے گناہوں کو اُن کے پنجہ سے چھڑانا چاہیے۔ اگر تم نے سپر ڈال دی تو پھر مظلوموں کی دادرسی کون کرے گا۔؟''

شہزادی مریم نے کہا:

''ہاں! ابا جان بھی یہی کہتے ہیں اور چچا جان بھی راڈرک سے فلورنڈا کا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔ وہ انتقام لینے پر تلے بیٹھے ہیں۔''

لیزنا نے بے تابی کے ساتھ پوچھا:

''سچ......؟''

وہ بولی:

''ہاں! ابھی رات ہی کو یہ باتیں ہو رہی تھیں۔''

لیزنا نے کہا:

"بڑا مبارک ارادہ ہے۔ ہمیں ان کی مدد کرنا چاہیے۔"

شہزادی مریم نے کہا:

"کس طرح۔؟ ہم ان کی مدد کیوں کر سکتے ہیں۔؟"

لیزنا نے کہا:

"یہ میں ان ہی کو بتاؤں گی، لیکن تمہارے سامنے...... پہلے اُن کی ملاقات بندوبست تو کرو۔!"

شہزادی مریم نے کہا:

"وہ ہو جائے گی لیکن وہ تو ایک اور بات کہتے ہیں اور وہ بڑی خطرناک بات ہے جب میں اسے سوچتی ہوں تو کانپنے لگتی ہوں۔"

لیزنا نے پوچھا:

"وہ کیا۔؟"

شہزادی مریم نے جواب دیا:

"وہ کہتے ہیں مسلمانوں سے صلح کر کے ہم اُندلس کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے راڈرک کو اس کی عیاشی کی سزا دیں گے۔!"

لیزنا نے کہا:

"بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔ اس میں ڈرنے اور کانپنے کی کیا بات ہے۔؟"

شہزادی مریم بولی:

"یہ مسلمان بھی تو بڑے عیاش اور سفاک ہوتے ہیں۔ لوگوں پر زبردستی اپنا مذہب تھونپتے ہیں۔ چار چار شادیاں کر کے عیاشی کرتے ہیں۔ ملکوں کو لوٹ لیتے ہیں بادشاہتوں کا تختہ اُلٹ دیتے ہیں۔ عزت والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔ ذلیلوں کو سر پہ اٹھا لیتے ہیں۔ کل جب وہ اُندلس فتح کر لیں گے ہمارے ساتھ ان کا کیا برتاؤ ہو گا معلوم ہے۔؟"

لیزنا ہنس پڑی اس نے کہا:

"شہزادی مریم! تم بالکل ماں مریم کی طرح بڑی سادہ لوح اور نیک ہو۔"

پھر لیزنا نے کہا:

"تم جو جس سے سن لیتی ہو اس پر یقین کر لیتی ہو۔"

شہزادی مریم نے کہا:

"تو میں غلط کہہ رہی ہوں کچھ۔؟"

لیزنا بولی:

"بالکل غلط۔! یہ سب باتیں تم نے سیاست کے محل میں یا اپنے ابا جان کے کلیسا پرست نوکروں سے سنی ہوں گی۔؟"

شہزادی مریم چونک پڑی۔ اس نے کہا:

"تو اور کہاں سے سنتی۔؟ مجھ پر آسمان سے وحی نہیں آتی۔!"

لیزنا کھسک کر شہزادی مریم کے اور قریب آ گئی۔ اُس نے کہا:

"میری بہن! میری پیاری سہیلی! کاش! اگر تم اتنی بھولی اور نادان نہ ہوتیں۔ میرے باپ کو جانتی ہو؟ وہ کون ہے۔؟"

شہزادی مریم نے کہا:

"ہاں! سارا اُندلس جانتا ہے۔ اسقفِ اعظم اور بادشاہ راڈرک کے بعد اس سے بڑھ کر با اثر اور دولت مند سارے ملک میں کوئی نہیں۔"

لیزنا نے کہا:

"ایک اور بات بھی ہے، جس کا تم نے تذکرہ نہیں کیا۔ وہ میں بتاتی ہوں۔"

مریم بولی:

"بتاؤ کیا بات ہے۔؟"

لیزنا بولی:

"یہ کہ وہ اُندلس کا سب سے بڑا نائٹ بھی ہے۔ بہادری اور شجاعت اس کے گھ
لونڈی ہے۔ وہ جب میدانِ جنگ میں جاتا ہے تو پہاڑ کی طرح جم جاتا ہے۔ پھر دشمنو
صفوں کا بڑے سے بڑا ریلا بھی اسے اپنی جگہ سے جنبش نہیں دے سکتا۔"

شہزادی مریم بولی:

"میں نے یہ بھی سنا ہے۔ تم ٹھیک کہتی ہو۔!"

لیزنا اپنے باپ کے تفاخر کا تذکرہ کرتی ہوئی بولی:

"ایک بات اور بھی ہے۔"

شہزادی مریم نے پوچھا:

"وہ کیا۔؟"

لیزنا نے کہا:

"سارے اُندلس میں اس سے بڑھ کر مخلص اور سچا اور کھرا عیسائی بھی کوئی اور مش
ہی سے ملے گا۔ وہ اپنے مذہب کا سچا پرستار ہے۔ اگر راڈرک میں اور بادشاہ کاؤنٹ جو
میں، یا راڈرک میں اور مسلمانوں میں لڑائی ہوئی تو تم دیکھو گی، میدانِ جنگ میں سب
پہلے اُترنے والا جو شخص ہوگا وہ میرا بہادر اور سرفروش باپ ہی ہوگا۔ ممکن ہے راڈرک بھا
جائے۔ ہوسکتا ہے اسقفِ اعظم کے پاؤں میدانِ جنگ میں نہ رکیں لیکن میرا باپ
میدانِ جنگ سے فتح کا پھریرا لہراتا ہوا واپس آئے گا یا اُس کی لاش آئے گی۔!"

شہزادی مریم بہت حیرت اور تعجب سے لیزنا کی باتیں سن رہی تھی اور وہ جوش کے عا
میں کہے جا رہی تھی:

"جس طرح تم اپنے باپ کی آنکھ کا تارا ہو۔ اسی طرح میں بھی اپنے باپ کے جگر
ٹکڑا ہوں۔ لیکن تمہیں تمہارا باپ نن بننے کی اجازت کبھی نہیں دے سکتا اور میں نے جب ن
بننے کا خیال ظاہر کیا تو میرے باپ نے سب سے پہلے سجدۂ شکر ادا کیا اور کہا کہ ایسا مبارک
خیال تیرے دل میں خداوند یسوع نے پیدا کیا ہے۔ پھر میری ماں کو روتا اور بلکتا چھوڑ کر

میری انگلی پکڑ لی اور اسقفِ اعظم کے ہاتھ میں تھما دی۔ حالانکہ میں اچھی طرح محسوس کر رہی تھی کہ صدمہ سے اس کا دل پھٹا جا رہا ہے۔ میری جدائی کا خیال اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہا ہے لیکن کیا مجال ہے جو اس نے اُف بھی کیا ہو۔ کیا ایک سچے عیسائی کی یہی شان نہیں ہوتی۔؟"

شہزادی مریم کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا:

"ہاں! ہوتی ہے۔!"

لیزنا نے کہا:

"مانتی ہو۔؟"

شہزادی مریم نے کہا:

"ہاں ہاں!!! کیوں نہیں۔؟"

لیزنا نے کہا:

"ایسے آدمی کو تم جھوٹا تو نہیں سمجھتیں۔؟"

شہزادی مریم بولی:

"بالکل نہیں۔!"

لیزنا نے کہا:

"تو سنو اور غور سے سنو۔ میرا باپ بھی مسلمانوں کی تعریف میں رطب اللسان ہے۔!!!"

مریم حیرت سے بولی:

"ہوں......! یہ کیا کہہ رہی ہو؟ لیزنا!"

اُس نے کہا:

"میں جھوٹ نہیں کہتی۔ میرا باپ یروشلم (بیتُ المقدس) کے حج پر گیا تھا۔ اسلامی سلطنت کو اور مسلمانوں کو اسے قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ خود میرے سامنے اُس نے

اسقفِ اعظم سے کہا تھا:

''مقدس فادر! ایسا معلوم ہوتا ہے دنیا کی تمام دوسری قوموں کا حتیٰ کہ عیسائیوں تک کا دور ختم ہو گیا اور مسلمانوں کا دور شروع ہو رہا ہے۔''

اسقفِ اعظم بگڑ گیا۔ اُس نے کہا:

''یہ کیا کہہ رہے ہو۔؟''

وہ بولا:

''میرا یہ مستقل خیال ہے۔ دنیا کی حکومت کا پرچم اب مسلمانوں کے ہاتھ میں آئے گا۔ میں نے بربر کا دورہ کیا۔ میں مصر گیا۔ میں نے عراق کی میر کی۔ میں دمشق پہنچا۔ میں نے یروشلم (بیت المقدس) کا حج کیا۔ ہر جگہ میں نے دیکھا، اخلاق اور کردار کے اعتبار سے مسلمان بہت اونچے ہیں۔''

اسقفِ اعظم نے برہم ہو کر پوچھا:

''کیا ہم سے بھی زیادہ۔؟''

میرا باپ بولا:

''مقدس فادر! نہایت ادب سے گزارش ہے کہ میں نے اپنے طویل سفر کے دوران دیکھا کہ مسلمان بہادر اتنے ہیں کہ موت کی پروا نہیں کرتے بلکہ اس کے طلب گار اور شائق رہتے ہیں۔ وہ روادار اتنے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ جو ان کے بدترین دشمن ہیں، برابری کا برتاؤ کرتے ہیں۔ اُن کے اخلاق کا یہ عالم ہے کہ اپنے غلاموں کے ساتھ جتنا اچھا سلوک کرتے ہیں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ جو خود کھاتے ہیں وہی انہیں کھلاتے ہیں۔ جو خود پہنتے ہیں وہی انہیں پہناتے ہیں۔ حکومت کے بڑے بڑے مناصب پر اور فوج کے بڑے بڑے عہدوں پر اصیل اور رنجیب مسلمانوں کی طرح انہیں فائز کرتے ہیں۔ انصاف اور عدل کے بارے میں بڑے، چھوٹے، امیر اور غریب، بااثر اور بے اثر کی پروا نہیں کرتے۔ حکومت کو اپنی ذاتی ملکیت نہیں سمجھتے بلکہ خدا کی دی ہوئی امانت سمجھتے ہیں۔

خدا کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتے۔ قرآن کا ہر حکم مانتے ہیں۔ حکومت کا خزانہ رفاہِ عامہ کے کاموں پر خرچ کرتے ہیں۔ آپ ہی بتائیے مقدس باپ! ایسی قوم کو ہلاک کرنا یا آگے بڑھنے سے روکنا آسان ہے۔؟ ممکن ہے۔؟''

اسقفِ اعظم نے برافروختہ ہو کر پوچھا تھا:

''تو تم مسلمان کیوں نہیں ہو گئے۔؟''

میرے باپ نے تن کر جواب دیا تھا:

''اس لیے کہ میرا مذہب اچھا ہے۔ مجھے اپنے مذہب پر، اپنی قوم پر، اپنے کلیسا پر فخر ہے۔ اگر وقت آیا تو آپ دیکھ لیں گے مقدس باپ! کہ کلیسا کی حرمت اور وطن کے دفاع اور مذہب کی حفاظت کیلئے میں پہلا شخص ہوں گا جو میدانِ جنگ میں مرنے کیلئے اُترے گا لیکن حقیقت سے آنکھ نہیں بند کی جا سکتی۔ جو سچی بات ہے وہ مجھے کہنی پڑے گی۔ مسلمان ہم سے اچھے ہیں۔!''

اسقفِ اعظم نے لاجواب ہو کر کہا تھا:

''مجھے خداوند یسوع نے بشارت دی ہے کہ وہ وقت جلد آنے والا ہے جب یہودی اور مسلمان دنیا سے نیست و نابود ہو جائیں گے اور دینِ عیسوی کا پرچم ساری دنیا میں لہرائے گا۔!''

یہ سن کر میرے باپ نے جوشِ عقیدت سے مخمور ہو کر کہا تھا:

''خدا وہ دن جلد آئے۔!''

اور پھر اسقفِ اعظم سے کہا:

''میں لیزنا کو کلیسا کی باندی بنانا چاہتا ہوں۔ آپ اُسے قبول کیجئے۔ یہ نن بن کر رہی گی۔ دنیا سے اب اس کا کوئی تعلق نہیں۔''

اسقفِ اعظم نے مجھے اس للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا کہ میں سہم گئی۔ پھر اس نے میرے باپ سے کہا:

"تم نے بڑی قربانی کی ہے۔خداوند یسوع تمہیں اس خوش عقیدگی کا اجر د
گے۔!"

پھر لیزنا نے شہزادی مریم سے کہا:

"میرے باپ کو اس خوش عقیدگی کا جو اجر ملا وہ تم ابھی سن چکی ہو۔"

لیزنا کی باتیں سن کر شہزادی مریم بڑی دیر تک خاموش رہی۔ اُسے چپ سی لگ تھی۔ لیزنا بھی خاموش رہی۔تھوڑی دیر کے بعد اپنے کمرے کی طرف جاتے ہو۔ لیزنا نے کہا:

"ابھی تمہارے خیال کی تصحیح بھی مجھے کرنا ہے۔مسلمانوں کے بارے میں بہت ف رائے تم نے قائم کی ہے۔!"

☆☆☆

اسقف اعظم کی سلجھتی گتھیاں

لیزنا نے اسقف اعظم کی بے تابی کو تسکین دیتے ہوئے کہا تھا:

"صبر کیجئے۔!صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔"

اسقف اعظم دل کے ہاتھوں مجبور تھا۔ وہ لیزنا کی بات رد نہ کر سکا۔ اسے صبر کرنا لیکن صبر کا جو پھل اُسے ملا وہ میٹھا نہیں تھا بلکہ نہایت تلخ اور زہریلا تھا۔! اسقف اعظم ب اپنے دورہ سے واپس آیا تو سب سے پہلے اس کی آنکھوں نے لیزنا کو ڈھونڈا، مگر وہ ان تمنا کہیں نظر نہ آئی۔ اسے اُمید تھی کہ دروازے پر ڈاتا انگروا کے بجائے لیزنا پیشوائی لے لیے موجود ہوگی اور جب وہ عشرت کدہ میں پہنچے گا تو وہ اپنا مکھڑا دکھا کر بڑے نازو از سے مارٹین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہے گی:

"یہ رہی آپ کی محبوبہ طناز۔!"

لیکن مارٹین تو مارٹین یہاں لیزنا ہی عنقا ہو رہی تھی۔ اسقف اعظم کی مزاج پرسی کے بہت سی ننیں جمع ہو گئیں اور یہ سب وہ تھیں جن میں اکثر سے اسقف اعظم کبھی رسم و راہ ڑھا تھا۔ ان میں بڑی تعداد اُن کی تھی جو ہمیشہ سے اسقف اعظم کی آلہ کار بنتی چلی آ رہی ں اور یہ سودا کبھی انہیں گراں نہیں پڑا۔ اسقف اعظم کی خوشنودی الگ اور اپنی ہوس یہاں جدا۔ اسقف اعظم نے جس نن کو نواز لیا وہ کچھ عرصہ کے بعد ضرور دل سے اُتر جاتی اور پھر یہ حصہ رسدی دوسرے تمام پادریوں میں تقسیم ہوتی رہتی تھی۔

اسقفِ اعظم ان ننوں کو بے مہری سے دیکھ رہا تھا۔ ان پادریوں سے بھی اُسے دلچسپی نہیں تھی۔ وہ جلد از جلد لیزنا سے ملنا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا یہ لوگ ٹل جائیں یہاں کسی طرح۔ لیکن یہ ملنے کا نام بھی نہیں لیتے تھے۔ آخر تنگ آ کر وہ ٹہلنے لگا اور جب اس کام نہ چلا تو اُس نے کہا:

"آپ لوگ اب جا سکتے ہیں۔ مجھے کچھ ضروری امور پر غور کرنا ہے۔"

سب لوگ چلے گئے، جیسے بادشاہ کے دربار سے درباری نکلتے ہیں۔ ان لوگوں ساتھ تمام ننوں کی انچارج ڈانا انگرووا بھی تھی۔ وہ جانے لگی تو اسقفِ اعظم نے کہا:

"تم سے کام ہے۔!"

وہ رُک گئی۔ کچھ دیر اسقفِ اعظم ٹہلتا رہا۔ پھر اُس نے غضب آلود نظروں ڈانا انگرووا کو دیکھا اور کہنے لگا:

"لیزنا کیوں نہیں آئی۔؟"

قبل اس کے کہ "ڈانا انگرووا" کوئی جواب دے اسقفِ اعظم نے اور زیادہ جھنجلا کے ساتھ پوچھا:

"لیزنا کہاں ہے۔؟"

ڈانا انگرووا کے نیچے کی سانس نیچے اور اوپر کی سانس اوپر۔ اس نے بہ مشکل ا حواس مجتمع کر کے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا:

"مجھ سے زیادہ مقدس فادر کو علم ہے۔"

اسقفِ اعظم کو غصہ آ گیا۔ اس نے کہا:

"مقدس فادر کی بچی! صاف صاف کیوں نہیں بتاتی۔ لیزنا کہاں ہے۔؟"

ڈانا ابھی کوئی جواب نہیں دے پائی تھی کہ اسقفِ اعظم نے اور زیادہ خفا ہو کر پوچھ

"کیا اسے بھی اپنی رقیب ننوں کی طرح زہر دے کر تم لوگوں نے ہلاک کر ڈالا۔؟

ڈانا کانپنے لگی۔

اسقفِ اعظم نے اسے خاموش دیکھ کر کہا:

"خداوند یسوع کی قسم! اگر ایسا ہے تو میں تم سب کو ہلاک کر دوں گا۔"

ڈانا انگرووا قدموں پر گر پڑی۔ اسقفِ اعظم نے اس کے سر پر ایک ٹھوکر لگائی اور زور سے کہا:

"میں اپنے سوال کا جواب چاہتا ہوں۔"

وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی:

"مقدس فادر......! وہ یہاں سے یہ کہہ کر گئی کہ آپ نے اسے بلایا ہے۔"

اسقفِ اعظم کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ اس نے گرج کر پوچھا:

"کیا کہا......؟"

ڈانا انگرووا نے کہا:

"وہ تو یہاں سے یہ کہہ کر گئی تھی کہ آپ نے اسے بلایا ہے۔"

اسقفِ اعظم نے چیخ کر سوال کیا:

"کب......؟ کب گئی وہ......؟"

ڈانا انگرووا نے کہا:

"اسے گئے ہوئے تین دن ہو چکے۔"

اسقفِ اعظم نے اور زیادہ غصہ سے کہا:

"تم نے جانے کیوں دیا اُسے۔؟"

ڈانا انگرووا نے عاجزی سے جواب دیا:

"آپ کا حکم تھا کہ میں اس کے معاملات میں دخل نہ دوں۔ وہ یہیں آپ کے ہاں رہتی تھی جو چاہتی تھی کرتی تھی۔"

اسقفِ اعظم چونک پڑا:

"جو چاہتی تھی کرتی تھی۔؟"

ڈانا انگر ووا بولی:

''جی! رات رات بھر مارٹین کے ساتھ ہنسی، مذاق، قہقہے رنگ رلیاں اور نہ جانے کیا کیا کچھ۔''

استقفِ اعظم اُچھل پڑا اور کہنے لگا:

''مارٹین بھی یہاں آئی تھی۔؟''

ڈانا نے کہا:

''ہاں! مقدس باپ! آتی تھی اور رات رات بھر رہتی تھی۔''

استقفِ اعظم پھر ٹہلنے لگا۔ ڈانا خاموش کھڑی تھی۔ اس طرح کئی منٹ گزر گئے۔ دفعتہً وہ ٹہلتے ٹہلتے رُکا اور ڈانا کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر تقریباً اُسے دھکیلتے ہوئے کہا:

''جاؤ مارٹین کو لے کر آؤ۔!''

ڈانا اس شہ زوری کی تاب نہ لاسکی۔ وہ گرتے گرتے بچی۔ اُس نے کہا:

''مارٹین کو لے آؤں۔؟''

استقفِ اعظم نے خوفناک نظروں سے گھورا اور تند لہجہ میں کہا:

''ہاں! اور کیا تم اپنی اُمید لیے بیٹھی ہو۔ وہ زمانہ گزر گیا۔!''

ڈانا نے تقریباً روتے ہوئے کہا:

''یہ تو ٹھیک ہے مقدس فادر! لیکن مارٹین بھی تو لیزنا کے ساتھ گئی تھی آپ کے پاس۔''

اب استقفِ اعظم کا پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا۔ اس نے تابڑتوڑ کئی طمانچے ڈانا کے منہ پر لگائے اور بڑی بے کسی کے ساتھ کہا:

''مارٹین بھی گئی۔ لیزنا اسے بھی لے گئی اپنے ساتھ۔؟''

ڈانا کچھ جواب نہ دے سکی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ استقفِ اعظم پھر بڑی تیزی کے ساتھ چلنے لگا۔ اس وقت جوشِ غضب سے وہ دیوانہ ہو رہا تھا۔ ٹہلتے ٹہلتے وہ پھر

ک گیا۔ اُس نے کہا:

''اور یہودا۔؟ روکسین۔؟ جارج۔؟ یہ سب کہاں ہیں۔؟''

ڈانا کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور وہ بالکل خاموش تھی۔ استقفِ اعظم نے لڑک کر کہا:

''جواب دو۔ تم سے دریافت کر رہا ہوں۔''

ڈانا اب بھی خاموش تھی۔

استقفِ اعظم نے کہا:

''میں کہتا ہوں جواب دو۔''

وہ بولی:

''وہیں جہاں لیزنا اور مارٹین ہیں۔!''

استقفِ اعظم نے اپنے سر پر گھونسہ مارا اور کہنے لگا:

''اُف! یہ غضب یہ اندھیر۔! یہ سب تمہاری آنکھوں میں دھول ڈال کر چلے گئے اور تم پھ نہ کرسکیں۔؟ کسی کو نہ روک سکیں۔؟ اتنی غفلت۔ اتنی مدہوشی۔؟''

ڈانا نے کہا:

''مقدس فادر! یہ گردن حاضر ہے۔ تلوار لیجے اور اڑا دیجیے لیکن ڈانا پر کوئی الزام نہ تجیے۔ وہ بالکل بے قصور ہے۔''

استقفِ اعظم کہنے لگا:

''کیسے مان لوں۔؟''

ڈانا نے پوچھا:

''کیا جاتے وقت آپ نے سارے اختیارات مجھ سے چھین کر لیزنا کو نہیں دے یۓ تھے۔؟''

استقفِ اعظم بولا:

"ہاں! دے دیئے تھے اور ہمارا وہ فیصلہ بالکل صحیح تھا۔!"

ڈانا بولی:

"تو میرے مقدس فادر! میں اُسے کس طرح روکتی۔؟ وہ پوری آزادی کے ساتھ حکم سارے کلیسا پر چلاتی تھی اور جہاں کسی نے چون و چرا کی فوراً آپ کی انگشتری دکھا اُسے خاموش کر دیتی تھی۔ آپ ہی اشارہ فرمایئے پھر کس کی ہمت تھی کہ کچھ بول سکتا۔؟"

اسقفِ اعظم نے بڑی معصومیت سے پوچھا:

"تو کیا وہ میری انگشتری بھی لے گئی۔؟"

روتے روتے ڈانا ہنس پڑی اور کہنے لگی:

"اور کیا مجھے دے جاتی۔؟"

اسقفِ اعظم نے پھر اپنا سر پیٹ لیا اور بولا:

"یہ تو بڑا غضب ہوا۔ اس انگوٹھی سے تو وہ سارے اُندلس میں اپنا کام نکال سکتی ہے۔ کلیسائے اعظم کی انگوٹھی کے سامنے سر جھکانے سے کون انکار کر سکتا ہے۔؟ کس میں جراُت ہے۔؟"

ڈانا بولی:

"کسی میں نہیں۔!"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"پھر کیا ہوگا۔؟ پھر اب کیا کیا جائے۔؟"

ڈانا کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا:

"صبر......!"

اور بے ساختہ نہ جانے کیا سوچ کر اسقفِ اعظم نے رُکتے رُکتے کہا:

"نہیں! میں صبر نہیں کر سکتا۔ صبر کا پھل لوگ کہتے ہیں کہ میٹھا ہوتا ہے لیکن حد سے بڑھ کر کڑوا پھل میں نے صبر کے علاوہ کسی کا نہیں دیکھا۔"

ڈانا ابھی کوئی جواب نہ دے پائی تھی کہ ایک پادری حاضر ہوا اور وہ سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ اسقفِ اعظم نے پوچھا:

"کیا ہے۔؟ تم کیوں آئے۔؟"

اُس نے سر جھکائے جھکائے کہا:

"مقدس فادر! قصرِ شاہی سے آپ کی طلبی ہوئی ہے۔"

اسقفِ اعظم چونک پڑا اور کہنے لگا:

"قصرِ شاہی سے۔؟"

پادری نے کہا:

"جی مقدس فادر!"

اسقفِ اعظم نے پوچھا:

"بادشاہ راڈرک نے بلایا ہے۔؟"

پادری نے کہا:

"خود وزیرِ اعظم آپ کو لینے کے لئے تشریف لائے ہیں۔"

اب تو اسقفِ اعظم گھبرا گیا۔ اس نے کہا:

"وزیرِ اعظم صاحب کہاں ہیں۔؟"

پادری نے کہا:

"دوسرے کمرے میں۔ تشریف لے چلئے۔!"

اسقفِ اعظم نے کہا:

"چلو! میں چلتا ہوں۔ مجھے خود بھی راڈرک سے ملنا تھا۔"

ڈانا اور پادری واپس چلے گئے۔ اسقفِ اعظم دوسرے کمرے میں پہنچا۔ وزیرِ اعظم اسے دیکھ کر با سروقد تعظیم کے لئے کھڑا ہوا اور کہنے لگا:

"مقدس فادر! مزاج تو اچھے ہیں۔؟"

مقدس باپ نے وقار کے ساتھ بیٹھتے ہوئے کہا:

''ہاں! اچھا ہوں۔ آپ کیسے تشریف لائے۔؟''

وزیرِاعظم نے کہا:

''شہنشاہ راڈرک نے اسی وقت آپ کو یاد فرمایا ہے۔ وہ تخلیہ میں بیٹھے آپ کا انتظار رہے ہیں۔''

اسقفِ اعظم نے اٹھتے ہوئے کہا:

''کیوں۔؟ خیریت تو ہے؟''

وزیرِاعظم نے جواب دیا:

''شاید کوئی اہم مسئلہ زیرِ غور ہے۔''

پھر وہ مسکرایا اور کہنے لگا:

''مقدس فادر کی یاد ہمیشہ ایسے ہی وقت ہوتی ہے۔''

اسقفِ اعظم نے کہا:

''ہاں......! خیر چلئے۔!''

دونوں باہر نکلے۔ ایک اعلیٰ درجہ کی گاڑی انتظار میں کھڑی تھی۔ دونوں اس میں بیٹھے۔ کوچبان نے گھوڑوں کو چابک دکھائی اور وہ ہوا سے باتیں کرنے لگے۔ قصرِ شاہی میں داخلہ کے وقت شہنشاہ راڈرک کی شرفِ باز یابی حاصل کرتے وقت بڑے بڑے لوگوں کو بھی حاجت و دربان کے درجنوں مرحلوں سے گزرنا پڑتا تھا لیکن اسقفِ اعظم بے روک ٹوک آتا جاتا تھا۔ اُسے روکنے اور ٹوکنے کی خود بادشاہ میں بھی ہمت نہ تھی۔ اسقفِ اعظم بادشاہ کے خاص کمرے میں پہنچا تو وہ انتظار میں کھڑا تھا۔ اسقفِ اعظم کو دیکھتے ہی اس نے ادب سے سر جھکا کر کہا:

''خوش آمدید! مقدس فادر۔!''

اسقفِ اعظم نے شفقت سے اُس کے سر پر ہاتھ رکھا اور ایک مقدس فادر کی شان

سے کہا:

''بادشاہ نے مجھے طلب کیا اور میں آ گیا۔!''

بادشاہ نے وزیرِاعظم کی طرف دیکھ کر کہا:

''ہم مقدس فادر سے تخلیہ میں باتیں کریں گے۔!''

یہ سنتے ہی وزیرِاعظم کمرے سے باہر چلا گیا۔ راڈرک اطمینان سے بیٹھ گیا۔ اسقفِ اعظم اس سے بالکل قریب بیٹھا اور پوچھا:

''ہاں! تو وہ کون سی بات تھی، جس کے لئے مجھے طلب کیا گیا۔؟''

راڈرک نے کہا:

''ایسے الفاظ کہہ کر شرمندہ نہ کیجئے۔ مقدس فادر! نادم ہوں کہ میں نے بے وقت آپ کو تکلیف دی۔''

اسقفِ اعظم نے کہا:

''کوئی مضائقہ نہیں۔ میں بادشاہ کی تشویش کا سبب جاننا چاہتا ہوں۔''

راڈرک نے اِدھر اُدھر دیکھ کر آہستہ سے کہا:

فلورنڈا کو میں نے اپنا بنا لیا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے آگے چل کر کوئی فتنہ نہ کھڑا کرے۔''

بے پروائی سے اسقفِ اعظم نے کہا:

''وہ کیا کر سکتی ہے۔؟''

راڈرک نے کہا:

''وہ تو کچھ نہیں کر سکتی، لیکن کاؤنٹ جولین بہت کچھ کر سکتا ہے۔!''

اسقفِ اعظم نے کہا:

''وہ بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ وہ ہم سے مقابلہ کرنے کی تاب نہیں رکھتا۔ ہم ایک وسیع اور سرسبز ملک کے مالک ہیں۔ ہماری فوجیں بہادر اور منظم ہیں۔ ہمارے ذرائع و وسائل اس سے کہیں وسیع ہیں۔ وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اگر لڑے گا تو سمندر میں دھکیل دیا جائے گا۔

بغاوت کرے گا تو سر کچل دیا جائے گا۔ سر اٹھائے گا تو ہمیشہ کے لیے برباد کر دیا جائے گا۔"

راڈرک نے ڈرتے ڈرتے کہا:

"لیکن مسلمان......؟ کیا وہ اپنی بیٹی کو حاصل کرنے کے لیے اور مجھ سے انتقام لینے کے لیے ان سے ساز باز نہیں کرے گا۔؟"

اسقف اعظم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا:

"ہاں! یہ حماقت سرزد ہو سکتی ہے لیکن اگر اس نے یہ غلطی کی تو وہ اپنے ساتھ مسلمانوں کے دبدبہ کو بھی ختم کر دے گا۔ مسلمانوں کا اب تک جن لوگوں سے پالا پڑا ہے وہ کمزور تھے انہیں جیت لینا کچھ زیادہ مشکل نہ تھا لیکن اگر انہوں نے اندلس کی سرزمین پر قدم رکھنے کی جرأت کی تو لوہے کے چنے چبانا پڑیں گے۔ میری ایک آواز پر سارا اُندلس اُمنڈ آئے گا۔ اُندلس کے تمام سردار اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ تو انہیں دنیا کی کوئی طاقت نہیں ہلا سکے گی۔ مقدس کنواریوں کی دعائیں اور خداوند یسوع کی برکتیں ہمارے ساتھ ہوں گی۔!"

اسقف اعظم کی اس رجز خوانی سے راڈرک کو بہت اطمینان ہوا۔ اس کا اترا ہوا چہرا پھر بحال ہو گیا۔ اس نے شکر گزاری کے لہجہ میں کہا:

"مقدس فادر! ہماری سب سے بڑی طاقت آپ ہیں۔!"

اسقف اعظم نے فخر و غرور کے ساتھ جواب دیا:

"ہاں! اور اس کلیسائی طاقت کو بھی زوال نہیں آ سکتا۔!"

☆☆☆

اسلام کی برتری

لیزنا اور شہزادی مریم کے درمیان اب اکثر مسلمانوں اور عیسائیوں کے بارے میں باتیں ہوا کرتیں۔ ایک روز شہزادی مریم نے کہا:

"تم نے مسلمانوں کے بارے میں کچھ خاص باتیں کہنی ہیں۔؟"

لیزنا نے کہا:

"ہاں! خوب یاد دلایا۔!"

پھر لیزنا بولی:

"تم نے کہا تھا کہ یہ مسلمان بڑے وحشی اور سفاک ہوتے ہیں۔؟"

شہزادی مریم نے جواب دیا:

"ہاں! کہا تھا اور سچ کہا تھا۔!"

لیزنا نے سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا:

"اگر مسلمان وحشی اور سفاک ہوتے تو جہاں جہاں وہ فاتح کی حیثیت سے پہنچے ہیں وہاں پھر کوئی بغاوت کیوں نہیں ہوتی۔؟ بلکہ خود مفتوح ان کے نام پر جان کیوں دینے لگے ہیں۔؟"

شہزادی مریم چپ رہی۔ لیزنا نے کہا:

"تم نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ زبردستی لوگوں پر اپنا مذہب تھونپتے ہیں۔؟"

شہزادی مریم نے جواب دیا:

"ہاں! میں مکرتی تو نہیں۔! کہا تو تھا۔!"

لیزنا نے کہا:

"انصاف اور ایمان سے بتاؤ اگر یہ بات ہوتی تو مسلمانوں کی حکومت میں یہ اور عیسائی آزادی اور اطمینان کی زندگی بسر کرتے۔؟ ان کے عبادت خانے ہوتے۔؟ انہیں اپنے مذہب پر عمل کرنے کی اجازت ہوتی۔؟ حالانکہ جہاں جہاں گئے عیسائیوں، یہودیوں اور دیگر اقوام کے مذہب کو انہوں نے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ پوری مذہبی آزادی عطا کر دی۔ اگر تاریخ سے تمہیں دلچسپی ہے تو تمہیں معلوم ہو مسلمانوں کے خلیفۂ دوم (امیر المومنین حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جب یروشلم (بیت المقدس) فتح کیا تو عیسائیوں کو مذہبی آزادی کا پروانہ کس دریا دلی عطا کیا تھا۔ کیا ہم یہودیوں سے وہی سلوک کرتے ہیں جو مسلمان کرتے ہیں۔؟ کیا مسلمانوں سے وہی سلوک کرتے ہیں جو وہ عیسائیوں سے کرتے ہیں۔؟"

شہزادی مریم اب بھی خاموش رہی۔

لیزنا نے کہا:

"تم نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ چار چار شادیوں کر کے عیاشی کرتے ہیں۔"

مریم بولی:

"ہاں......! لیکن کچھ غلط تو نہیں کہا تھا......!"

لیزنا جوش کے ساتھ بولی:

"بالکل غلط کہا تھا۔"

شہزادی مریم نے بڑی معصومیت سے کہا:

"یہ لو! یہ بھی غلط ہے۔؟"

لیزنا نے کہا:

"ہاں! غلط اور سراسر غلط۔!"

شہزادی مریم نے پوچھا:

"وہ کیسے۔؟"

لیزنا نے کہا:

"یہ چار شادیاں کرنا کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا اور تم تو اتنا آگے بڑھ گئیں کہ اسے عیاشی تک کہنے لگیں لیکن برا نہ مانو تو ایک بات کہنے کی اجازت چاہوں۔؟"

وہ مسکرائی اور کہنے لگی:

"اجازت ہے......کہو......!"

لیزنا نے کہا:

"بیشک مسلمان چار شادیاں کرتے ہیں، لیکن وہ اپنی بیویوں کے علاوہ کسی اور عورت پر بُری نگاہ نہیں ڈالتے۔ زنا نہیں کرتے۔ دوسری عورتوں اور لڑکیوں کا اغوا نہیں کرتے۔ انہیں اپنے گھر میں بلا کر زبردستی اُن کی آبرو نہیں لوٹتے۔ لاتعداد داشتائیں اور آشنائیں نہیں رکھتے۔ ہمارے مرد چار شادیاں بیشک نہیں کرتے لیکن زنا میں وہ سب سے آگے ہیں۔ اغوا ان کا شعار ہے۔ داشتاؤں کی کوئی تعداد معین نہیں۔ معصوم اور بھولی بھالی لڑکیوں اور شوہر والی بیویوں پر بھی موقعہ پا کر ہاتھ صاف کرنے سے نہیں چوکتے۔ پھر ہم بُرے ہیں یا وہ۔؟ وہ اچھے ہیں یا ہم۔؟"

شہزادی مریم نے سر جھکاتے ہوئے کہا:

"لیکن چار شادیاں بھی وہ کیوں کرتے ہیں۔؟ یہ بھی اچھی بات نہیں۔"

لیزنا نے کہا:

"دیکھو! جذبات کی رو میں نہ بہو۔ سنجیدگی سے حالات پر غور کرو۔ اوّل تو ہر شخص چار شادیاں نہیں کرتا۔ خاص خاص حالات میں اسلام نے اس کی اجازت دی ہے۔ پھر اس اجازت کے ساتھ عدل اور مساوات کی ایسی سخت شرط عائد کر دی ہے کہ وہی مسلمان ایک

سے زیادہ شادی کرسکتا ہے جو واقعی مجبور ہو۔"

شہزادی مریم نے تیوری چڑھا کر کہا:

"مجبوری کیسی۔؟ میں نہیں مانتی کسی مجبوری کو۔!"

لیزنا نے کہا:

"اگر یہ فیصلہ کرلو کہ نہیں مانو گی تو ظاہر ہے پھر کوئی بھی نہیں سمجھا سکتا۔"

شہزادی مریم نے کہا:

"نہیں! اگر سمجھا سکتی ہو تو سمجھاؤ۔ میں سمجھنے کی کوشش کروں گی۔!"

لیزنا بولی:

"ایک آدمی ہے جس کی بیوی کی صحت اچھی نہیں رہتی یا اولاد نہیں ہوتی وہ کیا کرے۔؟"

شہزادی مریم نے بے پروائی سے کہا:

"طلاق دے اور دوسری شادی کرے۔"

لیزنا نے جھلا کر کہا:

"کتنی آسان ترکیب بتائی ہے آپ نے۔؟ ایک بیمار بیوی کو طلاق دینا انسانیت ہے۔؟ ایک لاولد (بے اولاد) بیوی کو چھوڑ دینا معقولیت ہے۔؟ کیا یہ مناسب نہیں کہ اس کے حقوق محفوظ رہیں اور شوہر اپنی تشنگی کی سیرابی کا انتظام کرلے۔؟ طلاق کوئی اچھی چیز نہیں۔ رشتہ توڑنے سے رشتہ جوڑنا بہرحال اچھا ہے۔ وہ بھی اس صورت میں جب کہ کامل عدل اور مساوات کا التزام ملحوظ رہے۔!"

شہزادی مریم نے کہا:

"لیزنا! تم مسلمان کیوں نہ ہوگئیں۔؟"

وہ مسکرائی اور بولی:

"اب تم نے "ذاتیات" پر حملے شروع کردیئے۔ یہ باتیں مجھے پسند نہیں۔"

شہزادی مریم نے کہا:

"سچ کہتی ہوں! مسلمانوں کو تم سے اچھا "ترجمان" میسر نہیں آسکتا۔ اگر تم کچھ روز یہاں اور رہیں تو میرے خیالات بدل دو گی۔ تم بڑی خطرناک بن گئی ہو...... لیزنا......!"

لیزنا نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا:

"مریم! تم نہیں جانتی میں نے کیا کیا دیکھا ہے۔؟ مجھ پر کیا کیا بیتی ہے۔؟ میں نے کیسی کیسی ٹھوکریں کھائی ہیں۔؟ تم اپنی بہن فلورنڈا اور راڈرک کے واقعہ کو بھول گئیں۔؟"

راڈرک کا نام سُن کر شہزادی مریم بھڑک ہی تو اٹھی۔ اُس نے تمتمائے ہوئے چہرے کے ساتھ کہا:

"سچ کہتی ہو......! میں اپنی بہن فلورنڈا کی عصمت سے کھیلنے والے راڈرک کو کبھی نہیں بھول سکتی......! میں اس سے انتقام لوں گی اور جب تک انتقام نہ لے لوں مجھ پر خواب و خور حرام ہے......! اُس نے عیسائیت کے دامن پر دھبہ لگایا ہے......! اُس نے انسانیت کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگایا ہے......! اُس نے ملک کو، ہماری قوم کو اور ہمارے مذہب کو بدنام کیا ہے......! وہ انسان نہیں درندہ ہے......! میں اسے قیامت تک معاف نہیں کرسکتی......! صرف انتقام ہی لینے کے لیے زندہ ہوں......! ورنہ......! میرے لیے اب زندگی میں کوئی دل کشی نہیں رہی......!"

لیزنا نے کہا:

"میں بھی اسقفِ اعظم کو نہیں معاف کرسکتی...... وہ انسانیت کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہے...... اُس نے ہمارے مقدس مذہب کے دامن پر دھبہ لگایا ہے...... اسے رسوا کیا ہے میری زندگی کا مقصد بھی صرف یہ ہے کہ اس سے انتقام لوں...... میں بھی صرف اسی لیے زندہ ہوں...... صرف اسی لیے زندہ رہنے کی تمنا ہے...... مریم......! آؤ......! ہم تم دونوں متحد ہوجائیں اور ان شیطانوں سے انتقام لینے کا عہد کریں......!"

شہزادی مریم جوش کے عالم میں اٹھ کھڑی ہوئی...... اُس نے بلند آواز میں کہا:

"میں عہد کرتی ہوں، وعدہ کرتی ہوں کہ آخر وقت تک تمہارا ساتھ دوں گی۔"

لیزنا بھی جوش سے بے خود ہو کر کھڑی ہو گئی۔ اُس نے کہا:

"دیکھو! اس قول سے اب پھر نہ جانا۔؟"

وہ بولی:

"زمین و آسمان بدل سکتے ہیں لیکن میں نہیں بدل سکتی۔ میری بات پتھر کی لکیر۔ جب راڈرک کا خیال آتا ہے تو میرا دل کانپنے لگتا ہے۔ اس نے میری بہن فلورنڈا کے س جو کچھ کیا اسے اگر میں یا فلورنڈا معاف کر دیں تو ہماری شرافت اور انسانیت پر "! ہے۔"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ نہ جانے کیسے مریم کا چچا اور فلورنڈا کا باپ "اکاؤنٹ جو! آ گیا۔ اُسے دیکھتے ہی دونوں خاموش ہو گئیں اور ادب سے سر جھکا لیا۔ اکاؤنٹ جولین لیزنا کی طرف دیکھ کر اپنی بھتیجی مریم سے پوچھا:

"بیٹی! یہ تمہاری نئی مہمان کون ہیں۔؟"

شہزادی مریم نے کہا:

"چچا جان! یہ میری بڑی مخلص سہیلی ہے۔ اُندلس کے سب سے بڑے ڈیوک نائٹ کی چہیتی بیٹی۔!"

اکاؤنٹ جولین نے پوچھا:

"کب آئی یہاں۔؟"

وہ بولی:

"ابھی چند روز ہوئے۔!"

اکاؤنٹ جولین کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔ اس نے بلند آواز میں کہا:

"لیکن اُندلس کے کسی آدمی کی صورت میدانِ جنگ کے سوا میں کہیں اور نہیں چاہتا۔"

لیزنا اکاؤنٹ جولین کے غصہ سے لرز گئی۔ شہزادی مریم نے کہا:

"میرے عظیم چچا! یہ ہماری دشمن نہیں دوست ہے۔ یہ ایک دوسرے شیطان کی شہید م ہے۔"

اکاؤنٹ جولین نے پوچھا:

"وہ کون۔؟"

شہزادی مریم بولی:

"اسقفِ اعظم...... اندلس کے سب سے بڑے کلیسا کا مقدس باپ......!"

اور پھر اُس نے کہا:

"انتقام کی آگ اس کے سینے میں بھی دہک رہی ہے۔ یہ اسی لیے یہاں آئی ہے۔!"

اکاؤنٹ جولین بیٹھ گیا۔ اس نے کہا:

"بیٹی مریم! تمہیں اس لڑکی پر اعتماد ہے۔؟ یہ دشمن کی جاسوس تو نہیں۔؟"

شہزادی مریم نے کہا:

"اگر آپ مجھ پر اعتماد کر سکتے ہیں تو اس پر بھی کرنا پڑے گا۔ میں اسے بہت دنوں سے جانتی ہوں۔ اس سے بڑھ کر نیک اور شریف میں نے کسی کو نہیں پایا۔ میری بہن فلورنڈا کو اارک کے پنجۂ ہوس سے بچانے کی جتنی کوششیں اس نے کیں کسی نے نہیں کیں۔"

اکاؤنٹ جولین نے شفقت آمیز نظروں سے لیزنا کو دیکھا اور کہا:

"بیٹی! بیٹھ جاؤ۔"

وہ بیٹھ گئی۔ پھر کاؤنٹ جولین نے پوچھا:

"تم پر کیا گزری مجھے سناؤ، تاکہ میری آتشِ انتقام اور زیادہ تیز ہو۔!"

لیزنا نے کہا:

"میں اپنی داستان کا ایک ایک حرف بہن مریم کو سنا چکی ہوں۔"

اکاؤنٹ جولین نے کہا:

"ہاں! لیکن میں بھی سننا چاہتا ہوں۔ کیا مجھے نہ سناؤ گی۔؟۔ یاد رکھو! انتقام میں ل سکتا ہوں اور ضرور لوں گا۔!"

پھر لیزنا نے آنسو بھری آنکھوں سے آہستہ آہستہ لیکن نہایت موثر اور دل گداز الا میں اپنی، مارٹین کی، جارج کی، روکسین اور یہودا کی ساری کتھا بادشاہ اکاؤنٹ جولین کو دی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اکاؤنٹ جولین اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس نے لیزنا کا سر ا سینے سے لگایا اور بڑے جوش کے ساتھ کہا:

"بیٹی! جس طرح میں اپنی بیٹی فلورنڈا کے آنسو پونچھنے اور اس کا انتقام لینے کا عہد چکا ہوں، اسی طرح تیرے آنسو بھی مجھ پر قرض ہیں اور میں عہد کرتا ہوں کہ اس قرض کو از جلد چکا دوں گا۔ آج سے میری دو لڑکیاں نہیں بلکہ تین ہیں۔ فلورنڈا، مریم اور لیزنا۔ ا ہاں! وہ تیرے دوسرے ستم زدہ ساتھی کہاں ہیں۔؟ میرے ساتھ چل! مجھے ان سے ملا۔ ان کے زخم پر بھی مرہم رکھوں۔!"

یہ کہہ کر اکاؤنٹ جولین، لیزنا اور مریم کے ساتھ مارٹین اور یہودا کے کمرے کی طرف چل پڑا۔

☆☆☆

خلیفہ ولید بن عبدالملک اور مفیث

دمشق خلافتِ اسلامیہ کا مرکز ہے۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک تختِ خلافت پر متمکن ہے۔ اموی خاندان کے خلیفہ بادشاہ بن چکے ہیں اور بادشاہت نے اُن کے مزاج اور عادات واطوار میں بھی بہت بڑا تغیر پیدا کیا ہے۔ عہدِ اوّل میں اسلام کا خلیفہ بیتُ المال کا ایک درہم بھی اپنی ذاتی اور نجی ضروریات پر صرف کرنا گناہ سمجھتا تھا، وہ خدا سے ڈرتا تھا اور خدا کے بندوں پر رحم کرتا تھا۔ ان کی خیر گیری کرتا تھا۔ ہر بدو کو یہ حق تھا کہ وہ خلیفۂ وقت کو اس کی معمولی سی لغزش پر بھی برسرِ عام ٹوک دے اور سرزنش کرے۔ اُس کی زندگی بھی خدا کیلئے تھی اور موت بھی۔ وہ خدا کے نام کی سربلندی کیلئے جیتا تھا اور اسی مقصد کے حصول کی خاطر جان دیتا تھا۔ اس میں سادگی تھی۔ وہ معمولی کھانا کھاتا تھا۔ پھٹے کپڑے پہنتا تھا۔ اس کے وقت کا بڑا حصہ عبادت وریاضت میں صرف ہوتا تھا۔ لیکن اب۔؟ اب حالات بالکل بدلے ہوئے تھے۔ اب خلافت بادشاہت میں منتقل ہو چکی تھی اور وہ تمام کمزوریاں بھی پیدا ہو چکی تھیں جو ایک بادشاہ میں ہوتی ہیں۔

لیکن۔ پھر بھی ایک خاص بات تھی۔ اسلام کی بگڑی ہوئی خلافت یعنی بادشاہت بھی دنیا کی مطلق العنان بادشاہت کے مقابلہ میں ایک رحمت تھی۔ مسلمانوں کا بادشاہ اپنی ذات سے جیسا بھی ہو، وہ غیر مسلمانوں کے ساتھ عین روایاتِ اسلام کے مطابق برتاؤ کرتا تھا۔ ان کے معابد محفوظ تھے۔ انہیں پوری مذہبی آزادی حاصل تھی۔ اُن کے جان ومال کی پوری

پوری حفاظت کی جاتی تھی۔ ان پر کسی قسم کا ظلم وستم روا نہیں رکھا جاتا تھا۔ مسلمانوں کی محکومی کو وہ اپنی قومی حکومت کی آزادی پر ترجیح دیتے تھے۔

امویوں کو اس کا احساس تھا کہ وہ خلافت کے بجائے بادشاہت کر رہے ہیں اور اُن کے سامنے اپنے نامۂ اعمال کو روشن طور پر پیش کرنے کیلئے انہوں نے ان گنت ذہن ودماغ کا رخ بدل دیا تھا، یعنی غیر علاقوں پر اسلامی پرچم لہرانے اور انہیں فتح کرنے کی مہم باقاعدہ شروع کر رکھی تھی۔ ''بربر'' کا وسیع علاقہ امویوں ہی کے عہد حکومت میں اسلام کے زیر تصرف آیا۔ افریقہ کی سرزمین مسلمانوں کے یمنِ قدم سے مالا مال ہو چکی تھی۔ بحرِ ظلمات کے ساحل تک اسلامی فوجیں پہنچ چکی تھیں۔ ان فتوحات کے دو فائدے بہت اہم تھے:

1: ایک تو یہ کہ اسلام کی حکومت نئے نئے علاقوں میں قائم ہوتی جاتی تھی، جس سے مسلمانوں کی سطوت وعظمت میں اضافہ ہو رہا تھا۔

2: دوسرے مسلمانوں کے میل جول سے مفتوح اقوام پر اسلام کی سادگی اور صداقت کا بڑا گہرا اثر پڑتا تھا اور ان کا بہت بڑا حصہ بغیر کسی جبر اور دباؤ کے اسلام قبول کر لیتا تھا۔

''بربر'' کو جب موسیٰ بن نصیر نے فتح کیا تو وہ اسلام سے بالکل ناآشنا تھے۔ بت پرستی اور شرک ہی ان کا مذہب تھا لیکن جب انہیں مسلمانوں سے ملنے، اُن کے ساتھ رہنے، ان کے کردار کو پرکھنے اور ان کی سیرت کو آزمانے کا موقعہ ملا تو وہ جوق در جوق اسلام قبول کرنے لگے اور اپنے آبائی مذہب کو انہوں نے ترک کر دیا۔ موسیٰ بن نصیر کے اس کارنامے نے دربارِ خلافت میں ان کی عزت وعظمت بہت زیادہ بڑھا دی تھی۔ آج خلیفہ ولید بن عبدالملک بہت خوش تھا۔ حاضرینِ دربار کے چہروں پر بہت زیادہ رونق تھی۔

ایک درباری نے عرض کیا:

''یا خلیفۃ المسلمین! اُندلس کے بارے میں آپ نے کیا فیصلہ فرمایا۔؟''

خلیفہ نے تبسم کرتے ہوئے کہا:

''موسیٰ بن نصیر کا اصرار ہے کہ اسلامی فوجوں کو جلد از جلد سمندر کی طرف بڑھ کر اُندلس پر قبضہ کر لینا چاہیے لیکن میں ابھی اجازت دینے میں تامل کر رہا ہوں۔''

ایک دوسرے درباری نے کہا:

''امیر المومنین! اگر گستاخی نہ تصور فرمائیں تو یہ دریافت کرنے کی جرأت کروں کہ اس فیصلہ میں کیا مصلحت ہے۔؟ جب ہمارا سپہ سالار آگے بڑھنے کیلئے بے چین ہے اور ہماری فوجیں میدانِ جنگ میں کودنے کیلئے بے قرار ہیں تو پھر کیوں نہ انہیں اجازت دی جائے کہ وہ اسلام کی قلمرو کو وسیع کریں اور اسلام کا بول بالا کریں۔؟''

خلیفہ نے کہا:

''ہاں! میں بھی ایک عرصہ سے یہی سوچ رہا ہوں، لیکن ابھی کوئی فیصلہ نہیں کر سکا۔ مسلمان کی جان بہت قیمتی ہوتی ہے۔ نہ میں اسے ضائع کرنا چاہتا ہوں، نہ خطرے میں ڈالنا چاہتا ہوں۔ میں اس وقت اپنی فوجوں کو آگے بڑھنے کا حکم دوں گا جب یقین ہو جائے گا کہ حالات سازگار ہیں۔''

خلیفہ کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ ''حاجب'' سامنے آ کر ادب سے کھڑا ہو گیا۔

خلیفہ نے اس پر ایک نظر ڈالی اور دریافت کیا:

''کیا بات ہے۔؟''

اس نے ادب سے عرض کیا:

''سپہ سالار موسیٰ بن نصیر کا ''نامہ'' لے کر ایک ''بربر'' حاضر ہوا ہے اور شرفِ باریابی حاصل کرنے کا متمنی ہے۔ اگر حکم ہو تو پیش کیا جائے۔؟''

خلیفہ نے کہا:

''موسیٰ بن نصیر کا پیامبر آیا ہے اور تم مجھ سے پوچھنے آئے ہو۔؟''

حاجب لرزنے لگا۔

خلیفہ نے کہا:

"جاؤ! اسے فوراً اعزاز و اکرام کے ساتھ لاؤ۔!"

حاجب چلا گیا۔ خلیفہ نے تبسم کرتے ہوئے کہا:

"موسیٰ بن نصیر کا آدمی آیا ہے اور دیکھ لینا وہ پھر اصرار کرے گا کہ اُندلس پر فوج کشی کی اجازت دی جائے۔"

درباریوں نے سر جھکا کر اپنے خلیفہ کی یہ باتیں سنیں۔ اتنے میں موسیٰ بن نصیر کا آ غلام زرق برق کپڑے پہنے شان و شوکت کی تصویر بنا ہوا سامنے آیا۔ اُس نے سر جھکا کر عقیدت کا اظہار کیا اور خاموشی کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔

خلیفہ نے اسے ہم کلامی کی عزت بخشی اور کہا:

"تم بربر کے قبیلہ سے آئے ہو۔؟"

اس نے کہا:

"یا امیر المومنین! ہاں! میں بربر سے حاضر ہوا ہوں۔ آپ کے خادم اور میرے موسیٰ بن نصیر نے مجھے بھیجا ہے۔"

خلیفہ نے بڑی شفقت کے ساتھ پوچھا:

"موسیٰ بن نصیر اچھے تو ہیں۔؟"

غلام نے کہا:

"اچھے ہیں، لیکن اب ان سے بے کار نہیں بیٹھا جاتا۔ وہ چاہتے ہیں کہ امیر المو اجازت دیں تو وہ اپنے کارناموں میں اور اضافہ کریں۔"

خلیفہ نے پوچھا:

"یعنی اُندلس پر حملہ کر دیں۔؟"

یہ کہہ کر خلیفہ نے پھر تبسم کیا۔ غلام نے بڑے ادب سے کہا:

"امیر المومنین کی روشن ضمیری کا کیا کہنا۔؟ ہاں! موسیٰ بن نصیر یہی چاہتے ہیں۔"

خلیفہ نے کہا:

"لیکن کیا انہیں یقین ہے کہ اس مہم کو وہ سر کر لیں گے۔؟"

غلام نے کہا:

"اتنا ہی یقین ہے جتنا رات کے بعد دن کے ہونے کا۔"

خلیفہ نے دریافت کیا:

"کیا تم موسیٰ بن نصیر کا خط لائے ہو۔؟"

غلام نے کہا:

"لایا ہوں! امیر المومنین۔!"

غلام نے اپنی "ہمیانی" سے ایک لفافہ نکالا اور ہاتھوں پر رکھ کر ادب سے کھڑا ہو گیا۔

خلیفہ نے اپنے کاتب سے کہا:

"خط کھولو اور ہمیں سناؤ۔!"

کاتب نے خط غلام سے لے لیا۔ لفافہ چاک کیا اور یوں پڑھنا شروع کیا:

"موسیٰ بن نصیر کی طرف سے خلیفہ ولید بن عبدالملک کے نام!

یا امیر المومنین......!

بربر کے علاقے فتح ہو چکے...... یہاں کے لوگ اب اسلام کے پرستار ہیں...... جہاد کا جذبہ ان کے سینوں میں مچل رہا ہے...... وہ تقاضہ کرتے ہیں کہ اُن سے اسلام کی خدمت لی جائے...... میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں اور اب بھی نہایت ادب سے پھر استدعا کرتا ہوں کہ ہمیں اُندلس پر چڑھائی کی اجازت دی جائے...... بیشک ہمارے راستے میں سمندر حائل ہے...... لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ سمندر کی سر بہ فلک موجیں ہمارے قدم چومنے کیلئے بے قرار ہو رہی ہیں...... بلاشبہ میں جانتا ہوں کہ وہ ایک نیا ملک ہے...... لیکن میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ وہاں کی سرزمین ہماری آمد کی منتظر ہے...... میں جانتا ہوں کہ وہاں کے لوگ اسلام سے ناآشنا ہیں...... مسلمانوں سے ناواقف ہیں...... لیکن مجھے یقین ہے کہ ان کے قلوب میں اسلام قبول کرنے کی صلاحیت ہے...... وہاں کی فضائیں اسلامی پرچم کے

مظارے کیلئے تڑپ رہی ہیں...... وہاں کے لوگ اسلام کی راہ دیکھ رہے ہیں ..... پھر یہ کتنی بڑی بدنصیبی ہوگی کہ انہیں اسلام سے محروم رکھا جائے ......اور وہ نعمت نہ دی جائے جو صرف ہمارے لیے ہی نہیں بلکہ ساری دنیا کیلئے ہے......؟''

خلیفہ نے مسکراتے ہوئے کہا:

''دوسروں کو اپنا ہم خیال بنانے کا موسیٰ بن نصیر میں کتنا اچھا سلیقہ ہے۔؟''

کاتب خاموش ہوگیا تھا۔خلیفہ نے اُس کی طرف دیکھ کر کہا:

''تم چپ کیوں ہوگئے۔؟ پڑھو۔!''

کاتب نے پھر موسیٰ بن نصیر کا خط پڑھنا شروع کیا......جس کے الفاظ کچھ اس طرح تھے:

''یا امیر المومنین......!

اُندلس ہمارے تختِ خلافت کا بہترین پایہ ثابت ہوگا......آسمان وزمین کی خوب صورتی میں یہ ملکِ شام کا جواب ہے......آب وہوا کی لطافت میں یہ یمن کا ہمسر ہے...... پھولوں اور عطریات میں ہند کا نمونہ ہے......زرخیزی اور سرسبزی میں یہ دوسرا مصر ہے...... نیز قیمتی اور بیش بہا معدنیات کے اعتبار سے یہ گویا چین ہے......میں صرف امیر المومنین کے اشارۂ ابرو کا منتظر ہوں......اگر دربارِ خلافت سے اجازت مل جائے تو وعدہ کرتا ہوں کہ......میرا دوسرا نامہ جو آستانۂ خلافت میں پہنچے گا وہ انشاء اللہ! فتح کی خوش خبری پر مشتمل ہوگا......ہماری فوجیں تازہ دم اور چوکس ہیں ...... ہمارے افسر صرف حکم کے منتظر ہیں......اور خود میں اگرچہ بوڑھا ہوچکا ہوں...... لیکن اس مہم کے سر کرنے کیلئے انتہائی بے قرار ہوں...... جتنا ایک مستِ محبت نوجوان اپنی محبوبہ کو دشمن کے پنجے سے چھیننے کیلئے بے قرار اور مضطرب ہوتا ہے......!!!

اللہ جل جلالہ کا بندہ اور مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام:

موسیٰ بن نصیر عفی عنہ''

خط ختم ہوگیا۔خلیفہ نے ایک نظر حاضرین پر ڈالی اور خاموش ہوگیا۔حاضرین کا یہ عالم تھا کہ دم بخود تھے۔کسی میں کچھ کہنے کا یارا نہ تھا۔

خلیفہ نے دریافت کیا:

''تم لوگوں نے موسیٰ بن نصیر کا خط سن لیا۔؟''

آواز آئی:

''سن لیا۔یا امیر المومنین!''

ایک درباری سے مخاطب ہوکر خلیفہ نے کہا:

''پھر کیا رائے ہے تمہاری۔؟''

اس نے ڈرتے ڈرتے کہا:

''امیر المومنین کی رائے سب سے اولیٰ اور افضل ہے۔''

خلیفہ نے دوسرے سے پوچھا:

''تم کیا کہتے ہو۔؟''

اس نے ادب سے جواب دیا:

''امیر المومنین ہم سب میں زیادہ کفیل وفہیم ہیں۔انہیں رائے بتانا آفتاب کو چراغ دکھانا ہے۔!''

خلیفہ نے اپنے وزیر سے پوچھا:

''اور تم۔؟ تم بھی تو کچھ کہو۔!''

وزیر نے کہا:

''میری ناچیز کی رائے یہ ہے کہ موسیٰ بن نصیر کو اجازت دینی چاہیے۔ایسا نہ ہو کہ قیامت میں وہ ہمارا دامن پکڑے۔!''

خلیفہ کے چہرے کا رنگ زرد ہوگیا۔اس نے کہا:

''یعنی اگر اجازت نہ دی گئی تو ہم عتابِ الٰہی کے مستحق ہوں گے۔؟''

وزیر نے کہا:

"جب ہماری فوجیں تیار ہیں۔ ہمارا سپہ سالار آمادہ ہے۔ حالات سازگار ہیں۔ پھ اگر ہم آگے بڑھنے میں تامل کریں تو یقیناً خدا ہم سے پوچھے گا کہ اس فراہم کئے ہو اسباب سے ہم نے اسلام کو فائدہ کیوں نہیں پہنچایا۔؟"

خلیفہ کی برہمی ختم ہوگئی۔ اس کے لبوں پر تبسم کھیلنے لگا۔

اُس نے کہا:

"تم ٹھیک کہتے ہو۔؟"

پھر ذرا خاموش رہ کر کچھ سوچتے ہوئے اُس نے کہا:

"ہم اجازت دیں گے۔!"

پھر اُس نے کاتب سے کہا:

"موسیٰ بن نصیر کو خط لکھ دو کہ ہم اس سے خوش ہیں اور اجازت دیتے ہیں کہ وہ ا بڑھتے ہوئے قدم پیچھے نہ ہٹائے۔ بلکہ آگے بڑھے، بڑھتا رہے اور اُس وقت تک بڑ رہے جب تک خدا کی مرضی پوری نہ ہو جائے۔"

یہ سنتے ہی حاضرینِ دربار پر ایسا عالم طاری ہوا کہ وہ آدابِ دربار کا خیال بھی نہ رکھ سکے اور سب بے ساختہ......

نعرۂ تکبیر کے جواب میں......

"اللہ اکبر۔!"

پکار اٹھے۔

یہ نعرہ سن کر فرطِ مسرت سے خلیفہ کا چہرہ سرخ ہوگیا۔

اُس نے کہا:

"ہاں......!" "اللہ بہت بڑا ہے۔" اور اسی کی بڑائی کا پیام لے کر ہم ایک دوسرے ملک میں قدم رکھ رہے ہیں اور اسی کی یکتائی سے ہم یہ آس باندھے ہوئے ہیں کہ فتح وظفر ہما

ساتھ دے گی۔"

پھر خلیفہ کاتب سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا۔

"موسیٰ بن نصیر کو لکھ دو کہ......

"اے موسیٰ! تمہیں سمندر کا سینہ چیر کر اُندلس کے ساحل پر فاتحانہ یلغار کرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ تم پہلے بربر کے دوسرے علاقوں کو فتح کرو۔ میں عنقریب دوسرا خط لکھ کر تمہیں اُندلس پر یلغار کا حکم دوں گا لیکن یاد رہے کہ فتح وظفر کے جوش میں کامرانی اور فیروزمندی کے نشہ میں کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہونے پائے جو اسلام کے اصول کے خلاف ہو۔!"

خلیفہ نے ذرا بلند آواز سے کہا:

"موسیٰ بن نصیر کو لکھ دو کہ......

"اے موسیٰ! اسلام نے جنگ کو صلح سے زیادہ صبر آزما بنایا ہے۔ خبردار! تمہارا ہاتھ کسی ایسے سپاہی پر نہ اُٹھے جو ہتھیار ڈال چکا ہو۔ تمہاری تلوار کسی ایسے سر پر نہ جھکے جو بھاگ رہا ہو۔ ہرے بھرے کھیت تمہاری فوجیں پامال نہ کرنے پائیں۔ غیر جنگی آبادی پر تمہاری عساکر یلغار نہ کریں۔ کسی بوڑھے، اپاہج بچے اور عورت کو نہ ستایا جائے۔ فصلیں نہ کاٹی جائیں۔ درخت نہ اکھاڑے جائیں۔ جو غیر مسلم ذمی بن جائے اسے وہی حقوق حاصل ہیں، جو کسی مسلمان کو۔ خبردار! کسی غیر مسلم فرد پر ظلم نہ ہو۔ ایسا نہ ہو وہ فریاد کرے اور کوئی سننے والا نہ ہو۔ اس پر ظلم ہو مگر اس کی دادرسی نہ کی جائے۔ اگر ایسا ہوا تو اے حاضرینِ محفل! تمہیں گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں موسیٰ بن نصیر سے اور اس کی فوجوں سے بری الذمہ ہوں۔ پھر ان کے اعمال کا محاسبہ خدا کرے گا اور وہی جواب دہ ہوں گے اور بلاشبہ خدا جتنا رحیم ہے ویسا ہی وہ منتقم بھی ہے۔ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا اور مخلوق پر ظلم کرنے والے کسی ظالم کو معاف نہیں کرتا۔!"

پھر خلیفہ نے کاتب سے کہا:

"ہاں! اے شخص! موسیٰ بن نصیر کو یہ بھی لکھ دے کہ......

"اے موسیٰ! تم اندلس کی سرزمین پر وہاں کے لوگوں کو غلام بنانے کیلئے نہیں بلکہ انہیں غیر اللہ کی غلامی سے آزاد کرانے جا رہے ہو۔ تم وہاں مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لیے نہیں بلکہ اسلام کی نعمتِ لازوال تقسیم کرنے جا رہے ہو۔ خبردار! تمہاری اور تمہارے سپاہیوں کی نیت ہیرے اور جواہرات کے انبار دیکھ کر ڈانواں ڈول نہ ہو جائے۔ خبردار! سرزمینِ مفتوح کی عورتوں اور اُن کی عشوہ طرازیوں کو دیکھ کر تمہارا اور تمہارے سپاہیوں کا دامنِ دل اُلجھ نہ جائے۔ دیکھو دیکھو!!! میں تم سے دور ہوں۔ بہت دور...... لیکن خدا تم سے قریب ہے! بہت قریب۔! میں تمہارے ظاہر اور باطن کو نہیں دیکھ سکتا لیکن خدا سے تم اپنی کوئی بات نہیں چھپا سکتے۔ میری سزا سے تم بچ سکتے ہو لیکن خدا کی تعزیر و عقوبت سے تمہیں کوئی نہیں بچا سکتا۔ تم اپنی چکنی چپڑی باتوں سے مجھے فریب دے سکتے ہو لیکن خدا کو فریب دینا ممکن نہیں۔

اور ہاں حملہ کرنے سے ایک ہفتہ پہلے مجھے دوبارہ خط لکھ دینا۔ میں حالات کا رُخ دیکھ کر یقینی جواب دوں گا۔! جاؤ......! میں تمہیں خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ خدا کی حفاظت میں دیتا ہوں۔ خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تمہیں فتح و برکت عطا فرمائے۔ اس لیے کہ تم ایک غیر ملک کی سرزمین پر کسی ذاتی مقصد کیلئے نہیں بلکہ صرف خدا کیلئے، خدا کا پیام پہنچانے اور خدا کے دین کی تبلیغ کیلئے جا رہے ہو۔!"

آخری الفاظ کہتے کہتے خلیفہ کی آواز بھرّا گئی اور وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر خدا سے دعا کرنے لگا:

"اے خدا......!

اے دلوں کے بھید جاننے والے......!

اے کھوٹے کھرے کو پرکھنے والے......!

اے سمیع و بصیر......!

اگر میرے دل میں کھوٹ ہے تو اسے دور کر دے......!

اگر میری نیت فاسد ہے تو اسے صالح کر دے......!

اگر حرص و ہوس نے میرا پیچھا کر رکھا ہے تو مجھے اس مصیبت سے بچا......!

مجھے اپنی رحمت اور نعمت سے قریب تر کر دے......!

مجھے اپنے نیک بندوں میں شمار کر......!

مجھے اپنے قہر و غضب سے دور رکھ......!

مجھے اپنی رحمت اور نعمت سے قریب تر کر دے......!

مجھے ان لوگوں کے راستے پر نہ چلنے دے جو تجھ سے بچھڑ چکے ہیں...... جو تیرے بنائے ہوئے راستے پر نہیں چلتے...... اور جو تیرے غضب کے سزاوار بن چکے ہیں......!

اے ارحم الرحمین......!

اے مالکِ روزِ جزا......!

ہم گنہگار ہیں تو ہمیں اپنے رحم کی چادر میں ڈھانپ لے......!

ہم گمراہ ہیں تو ہمیں صراطِ مستقیم دکھا اور اس پر چلنے کی توفیق مرحمت فرما......!

ہمارے خیالات آلودہ ہیں تو انہیں بے لوث کر دے......!

ہمارے دل کج ہیں تو انہیں سیدھا کر دے......!

تیری قدرت وسیع، تیری حکمت ہمہ گیر، تیری قوت و قدرت سب پر حاوی اور محیط ہے......!

اے اللہ! ہم پر رحم فرما......!"

یہ کہتے کہتے خلیفہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور وہ رونے لگا۔

حاضرینِ دربار کی بھی یہی کیفیت تھی کہ ان کی آنکھیں پُرنم تھیں اور ان کے قلوب پر خوف اور خشیتِ الٰہی کا دبدبہ قائم تھا۔ جب کاتب خط لکھ چکا تو خلیفہ نے کہا:

"اس خط کو لے کر کون جائے گا۔؟"

سب خاموش رہے۔ موسیٰ بن نصیر کا غلام بدستور کھڑا تھا۔ خلیفہ نے غلام سے کہا:

"تمہاری امانت اور دیانت میں شبہ نہیں...... جب موسیٰ بن نصیر کو تم پر اعتماد ہے تو ہمیں بھی ہے......لیکن وہ ایک خاص مہم پر جا رہا ہے...... اس کے اعزاز و تکریم کا تقاضہ یہ ہے کہ میرا کوئی خاص آدمی یہ خط لے کر اس کے پاس جائے......!"

موسیٰ بن نصیر کے غلام نے سر جھکا کر کہا:

"امیر المومنین نے صحیح ارشاد فرمایا۔"

خلیفہ نے ایک نظر دربار پر دوڑائی۔ کونہ میں ایک حسین اور خوب رو نوجوان بیٹھا تھا۔ جلالت اور شجاعت اس کے چہرے سے آشکار تھی۔ رعب و دبدبہ کا یہ عالم تھا کہ گو وہ سب سے آخر میں بیٹھا تھا لیکن پھر بھی خلیفہ نے اس کی طرف دیکھا اور آواز دی:

"مفیث۔!"

نوجوان اپنی جگہ سے اٹھ کر خلیفہ کے سامنے آیا اور مودب کھڑا ہو گیا۔

خلیفہ نے کہا:

"اگر اس کام کیلئے تمہارا انتخاب کروں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہ ہوگا۔؟"

"مفیث نے بھاری بھر کم آواز میں کہا:

"امیر المومنین کے ہر حکم کو بجا لانا اپنی زندگی کا مقصدِ واحد سمجھتا ہوں۔!"

خلیفہ نے پوچھا:

"تم "بربر" جاؤ گے۔؟"

وہ عزم کے ساتھ بولا:

"جاؤں گا...... یا امیر المومنین......!"

خلیفہ نے کہا:

"میں نے ابھی جو کچھ کہا اور جو باتیں کیں انہیں تم نے اچھی طرح سُن لیا۔ سمجھ لیا۔؟"

وہ بولا:

"میں نے سمجھ لیا۔ یا امیر المومنین۔!"

خلیفہ نے کہا:

"خط دینے کے علاوہ موسیٰ بن نصیر کے سامنے تم میری یہ باتیں بھی دُہرانا۔!"

مفیث نے عرض کیا:

"ایسا ہی ہوگا۔ امیر المومنین!"

خلیفہ گویا ہوا:

"تو اب تم جاؤ...... تیاری کرو...... اور نمازِ فجر کے بعد موسیٰ بن نصیر کے غلام کو اپنے ساتھ لے کر روانہ ہو جانا......!"

مفیث نے کچھ جواب نہ دیا۔ سر جھکا کر خاموش کھڑا رہا۔

خلیفہ نے کہا:

"تم کچھ کہنا چاہتے ہو......؟ مفیث......!"

مفیث نے کہا:

"اگر امیر المومنین سنیں۔!"

خلیفہ نے کہا:

"ہاں ہاں......!!! شوق سے کہو۔ میں نے تمہاری کوئی بات کبھی رد نہیں کی۔"

مفیث نے بڑے ادب سے کہا:

"یہ خانہ زاد جانتا ہے کہ آقا نے اس کی ہمیشہ حوصلہ افزائی کی ہے۔"

خلیفہ نے شفقت کے لہجہ میں کہا:

"تو کہو۔ کیا کہنا چاہتے ہو۔؟"

مفیث نے عرض کیا:

"میں چاہتا ہوں کہ مجھے فوج کا ایک دستہ مرحمت فرمایا جائے۔!"

خلیفہ مسکرایا اور کہنے لگا:

"ہم سمجھے! شوقِ جہاد تمہارے دل میں بھی چٹکیاں لے رہا ہے۔؟"

مفیث کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ اُس نے کہا:

"میری تمنا ہے کہ میں موسیٰ بن نصیر کی فوج کا ایک ادنیٰ سپاہی بنا لیا جاؤں۔"

خلیفہ ولید بن عبدالملک نے کہا:

"تمہارا یہ عزم قابلِ تبریک ہے۔ تمہیں اجازت دی جاتی ہے۔"

پھر خلیفہ نے کاتب سے کہا:

"خط میں موسیٰ بن نصیر کو یہ لکھ دو کہ......

"اے موسیٰ! ہم اپنے معتمد اور پُر جوش مجاہد "مفیث" کو یہ خط دے کے بھیجتے ہیں اسے موقعہ دو کہ میدانِ جنگ میں یہ بھی اپنی شجاعت اور بہادری کے جوہر دکھائے۔!"

کاتب نے یہ الفاظ بڑھا دیئے۔

خلیفہ نے مفیث سے کہا:

"اب تم جا سکتے ہو۔!"

مفیث رخصت ہو کر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد خلیفہ، وزیر اور حاضرینِ دربار نے اس کی شجاعت اور جذبۂ جہاد کی بہت تعریف کی۔ مفیث کا باپ ایک سپاہی تھا۔ جس نے میدانِ جنگ میں جامِ شہادت نوش کیا تھا۔ مفیث، اس کی بیوہ ماں اور چھوٹی بہن یہی کنبہ تھا۔ مفیث نے اپنی قابلیت اور شجاعت کا سکہ بہت جلد خلیفہ ولید بن عبدالملک کے دل پر بٹھا لیا۔ خلیفہ اس کی نوعمری کے باوجود اس کا بہت لحاظ کرتا تھا۔ ایک مرتبہ شکار میں مفیث ہی نے خلیفہ کی جان بچائی تھی۔ تب سے وہ خلیفہ کے باڈی گارڈوں میں شامل ہو گیا تھا۔ اگر جہاد کا معاملہ نہ ہوتا تو خلیفہ ہرگز اسے اپنے سے جدا نہ کرتا۔

مفیث کی ماں اپنے بیٹے کا انتظار کر رہی تھی۔ کھانے کا وقت ہو گیا تھا اور وہ اب تک نہیں آیا تھا۔ اس کی چھوٹی بہن جس کی عمر 14 یا 15 سال کی تھی ماں سے کہہ رہی تھی:

"بھیا اب تک نہیں آئے۔ ہمیں بھوک لگ رہی ہے۔"

ماں نے کہا:

"عالیہ! تیرا بچپن اب تک نہیں گیا۔ ذرا دیر اور انتظار کر لے۔!"

وہ بولی:

"نہیں! ہم نہیں کرتے۔!"

ماں نے کھانا نکالا اور بیٹی کے سامنے رکھ دیا اور کہنے لگی:

"لے کھا لے۔!"

وہ ضد کرنے لگی:

"تم بھی میرے ساتھ کھاؤ۔"

ماں نے کہا:

بیٹی! مفیث آتا ہوگا۔ میں اس کے ساتھ کھا لوں گی۔ تجھے تو دے دیا۔؟"

عالیہ نے کھانا الگ رکھ دیا اور کہنے لگی:

"تو ہم بھی نہیں کھاتے۔"

اتنے میں مفیث آ گیا۔ ماں نے کہا:

"بڑی دیر لگا دی بیٹا!"

اس نے کہا:

"اماں! تمہیں ایک خوش خبری سناؤں۔؟"

ماں کا مرجھایا ہوا دل پھول کی طرح کھل گیا۔ اس نے کہا:

"ہاں بیٹا! سناؤ!"

عالیہ بولی:

"ترساتے کیوں ہو بھیا! سناتے کیوں نہیں۔؟"

مفیث نے جوشِ مسرت سے بے تاب ہو کر کہا:

"خلیفہ نے مجھے جہاد پر جانے کی اجازت دے دی۔ میں بربر جارہا ہوں۔ و
سے اندلس جاؤں گا۔ اماں! دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ یا تو مجھے کامیابی عطا فرمائے یا پھر د
شہادت۔!"

ماں کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اپنا اجڑا ہوا سہاگ
آ گیا۔ عالیہ ساری شوخی اور شرارت بھول گئی۔ سہم کر چپ چاپ کھڑی ہو گئی لیکن مغیث کی
ایک مجاہد کی بیٹی، ایک مجاہد کی بیوی اور ایک مجاہد کی ماں تھی۔ وہ بہت جلد اپنے دل پر قا
آ گئی۔ اُس نے مضبوط آواز میں کہا:

"دل سے آمین کہتی ہوں بیٹا!"

مغیث خوشی سے اتنا بے قابو ہو رہا تھا کہ ماں کے دل میں مچلتے ہوئے طوفان کا ذر
اندازہ نہ کر سکا۔ اُس نے کہا:

"آؤ اماں! کھانا کھالیں۔ عالیہ تو نے کھا لیا۔؟"

وہ بولی:

"ابھی نہیں۔؟"

مغیث نے جلدی جلدی منہ ہاتھ دھوتے ہوئے کہا:

"تو آؤ پھر۔؟"

اور تینوں ساتھ ساتھ دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا کھانے میں مشغول ہو گئے۔

☆☆☆

بے سہارا درِ اسلام پر

خلافتِ اسلامیہ دمشق کی طرف سے موسیٰ بن نصیر افریقہ کے والی تھے۔ موسیٰ بن نصیر کو سب سے زیادہ اعتماد اور ناز اپنے غلام طارق بن زیاد پر تھا، جسے انہوں نے طنجہ کا گورنر بنا رکھا تھا۔ طارق بن زیاد فی الحال طنجہ میں لب ساحل اپنے امرائے حکومت میں ہدایتیں لینے اور صلاح مشورہ کرنے حاضر ہوا کرتے تھے۔ اس وقت بھی وہ موجود تھے اور کہہ رہے تھے:

"میرے آقا! دمشق سے کوئی جواب نہیں آیا۔؟"

موسیٰ بن نصیر نے مسکرا کر طارق بن زیاد کو دیکھا اور کہا:

"آ جائے گا میرے عزیز! اس مرتبہ انشاء اللہ! یقیناً امیر المومنین ہمیں ضرور اندلس پر چڑھائی کی اجازت دے دیں گے۔"

طارق بن زیاد نے کہا:

"تو پھر میں اپنے سپاہیوں کی تیاری کا حکم دوں۔؟"

موسیٰ بن نصیر نے جواب دیا:

"سپاہیوں کو تیاری کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ وہ صرف اشارہ کے منتظر رہتے ہیں"

طارق بن زیاد گویا ہوئے:

"میرے آقا! میں آپ کا مطلب سمجھ گیا۔ آپ مطمئن رہیں۔ آپ کا اشارہ پاتے ہی

فوجیں بلاتاخیر وانتظار اندلس کی طرف بڑھ رہی ہوں گی۔"

موسیٰ بن نصیر نے جواب دیا:

"جزاک اللہ خیرالجزاء فی الدنیا والآخرۃ! مجھے تم سے یہی اُمید تھی۔!"

تھوڑی دیر باتیں کر کے طارق بن زیاد چلے گئے۔ان کے جاتے ہی مفیث دمش
سے وارد ہوا اور فوراً ہی وہ موسیٰ بن نصیر کی خدمت میں پہنچا۔مفیث کو دیکھتے ہی موسیٰ بن نص
بے تابی اور اشتیاق کے عالم میں کھڑے ہو گئے۔

"مفیث! تم کہاں۔؟"

اُس نے زیر لب تبسم کے ساتھ کہا:

"آپ کی کشش کھینچ لائی۔"

موسیٰ بن نصیر نے مفیث سے معانقہ کیا اور کہا:

"خیریت تو ہے۔؟"

وہ بولا:

"جی ہاں! خدا کا فضل ہے۔امیر المومنین نے اپنا نامہ دے کر خاص طور پر مجھے آ
کی خدمت میں بھیجا ہے۔"

یہ کہہ کے مفیث نے خلیفہ ولید بن عبدالملک کا نامہ پیش کیا۔موسیٰ بن نصیر نے بڑ
ادب واحترام کے ساتھ اسے لیا، پڑھا اور مفیث سے مخاطب ہوئے:

"میں امیر المومنین کا ممنون ہوں کہ انہوں نے میری درخواست قبول فرمائی لیکن
دوبارہ اجازت لینے میں کیا حکمت ہو سکتی ہے۔؟ یہ مجھے علم نہ ہو سکا۔"

مفیث نے موسیٰ بن نصیر کے سوال کا کوئی جواب نہ دیا پھر اس نے وہ تمام باتیں
بتائیں جو خلیفہ نے درباریوں کے سامنے کی تھیں اور کہا:

"مجھے بھی جہاد کا شوق کھینچ لایا ہے۔اب میں وطن اسی وقت واپس جاؤں گا، جب
آپ اندلس کو فتح کر چکے ہوں گے۔"

پھر مفیث نے کہا:

"عنقریب خلیفہ آپ کو ایک اور نامہ بھیجیں گے اس کے بعد آپ کو اندلس پر یلغار
کرنے کی اجازت ہو گی۔اس سے پہلے آپ خوب تیاری کر لیں۔"

موسیٰ بن نصیر گویا ہوئے:

"ضرور......!!ضرور......!!!"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ خادم نے حاضر ہو کر موسیٰ بن نصیر سے کہا:

"کچھ لوگ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

موسیٰ بن نصیر نے کہا:

"مجھ سے ملنے کیلئے اجازت کی ضرورت نہیں۔میرے خیمہ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا
ہے۔ہر مسلمان ہر وقت آ سکتا ہے۔"

خادم نے کہا:

"لیکن وہ لوگ مسلمان نہیں ہیں۔چہرے بشرے سے غیر مسلم معلوم ہوتے ہیں۔
غالباً عیسائی ہیں۔وہ یہاں کے رہنے والے بھی نہیں ہیں۔کہیں باہر سے آئے ہیں۔"

موسیٰ بن نصیر نے کہا:

"جاؤ بلا لاؤ۔!"

خادم خاموش کھڑا رہا۔

موسیٰ بن نصیر نے کہا:

"جاتے کیوں نہیں۔؟"

وہ ذرا ہچکچاتا ہوا بولا:

"وہ لوگ کہتے ہیں ہم تخلیہ میں سپہ سالار موسیٰ بن نصیر سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔"

موسیٰ بن نصیر نے حیرت سے کہا:

"تخلیہ میں۔؟"

خادم نے عرض کیا:

''جی! انہیں اس پر اصرار ہے۔!''

موسیٰ بن نصیر نے پوچھا:

''آخر یہ کون لوگ ہیں۔؟''

خادم نے کہا:

''میں نہیں جانتا میرے آقا!''

کچھ دیر تامل کے بعد موسیٰ بن نصیر نے مغیث سے کہا:

''تم خیمہ کے پچھلے حصہ میں جا کر بیٹھ جاؤ۔ وہاں سے یہاں کا منظر بخوبی نظر آئے گا اور تم ان لوگوں کی باتیں بھی سن سکو گے۔؟''

مغیث نے کہا:

''لیکن میں آپ کو تنہا چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ یہ لوگ نہ جانے کون ہیں۔؟ کس نیت اور کس ارادہ سے آئے ہیں۔؟ تخلیہ میں ان کا ملاقات پر اصرار میرے دل میں شکوک پیدا کر رہا ہے۔ کہیں کچھ دال میں کالا تو نہیں۔؟ میں آپ کی خدمت میں یہیں حاضر رہوں گا۔!''

موسیٰ بن نصیر نے کہا:

''میرے بیٹے! بیشک میں بوڑھا ہو چکا ہوں لیکن میری تلوار اور میرے بازوؤں میں ابھی دم ہے۔ اگر یہ لوگ بُری نیت سے آئے ہیں تو کیفر کردار کو پہنچیں گے۔ مصیبت زدہ ہیں اور طلب امداد کے لیے آئے ہیں تو ان کی مدد کی جائے گی۔ جاؤ! تم اپنی جگہ پر بیٹھو۔!''

مغیث کے جانے کے بعد موسیٰ بن نصیر نے خادم سے کہا:

''جاؤ۔! انہیں بلا لاؤ۔!''

فوراً خادم پانچ آدمیوں کو جو لبادے میں لپٹے ہوئے تھے، لے کر آیا۔

موسیٰ بن نصیر نے خادم سے کہا:

''تم جاؤ۔!''

وہ اُلٹے پاؤں واپس چلا گیا۔ پھر موسیٰ بن نصیر نے ان لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا:

''ہاں! میرے نووارد دوستو! اپنے آنے کا مقصد بیان کرو۔!''

پانچوں میں سے ایک آگے بڑھا۔ اُس نے کہا:

''یہ موسیٰ بن نصیر ہیں۔ ان ہی کی ذات سے ہماری اُمیدیں وابستہ ہیں۔ ہمیں اپنا ظاہر و باطن ان سے چھپانا نہیں چاہیے۔ اپنے چہروں سے کپڑے اتار دو۔!''

سب نے اپنا اپنا نقاب اتار دیا۔ یہ باتیں کرنے والا شخص جارج تھا اور باقی یہودا، وسین، مارٹین اور لیزنا۔ ان عورتوں کو دیکھ کر موسیٰ بن نصیر کو حیرت ہوئی۔

اُنہوں نے کہا:

''کہیے! آپ کو کیا کہنا ہے۔؟''

جارج نے کہا:

''مجھے سبتہ کے بادشاہ اکاؤنٹ جولین نے بھیجا ہے۔''

موسیٰ بن نصیر نے کہا:

''اکاؤنٹ جولین نے۔؟ ہاں پھر۔؟''

جارج نے کہا:

''وہ آپ سے صلح کرنا چاہتے ہیں۔؟''

موسیٰ بن نصیر گویا ہوئے:

''صلح کرنے والوں سے ہم کبھی نہیں لڑتے اور جنگ کا شوق رکھنے والوں کے سامنے سے ہم پیچھے نہیں ہٹتے۔''

جارج بولا:

''آپ نے بجا فرمایا۔ یہی اصول ہمارے بادشاہ اکاؤنٹ جولین کا بھی ہے۔''

موسیٰ بن نصیر بولے:

''اکاؤنٹ جولین کو اگر صلح منظور ہے تو اسے خود آنا چاہیے۔''

جارج نے کہا:

''اگر آپ انہیں بلائیں گے تو وہ ضرور حاضر ہوں گے لیکن وہ چاہتے ہیں کہ آپ سو
میں تشریف لائیں اور وہ آپ کی شایانِ شان دعوت کریں۔''

موسیٰ بن نصیر نے فرمایا:

''جب کہو میں چلوں گا لیکن صلح کی تکمیل کے بعد۔ ہاں! صلح کا پیمان یہیں میرے
خیمہ میں باندھا جائے گا۔ ہماری طرف سے صرف ایک شرط ہے۔''

جارج بولا:

''وہ کیا۔؟''

موسیٰ بن نصیر نے کہا:

''اطاعت یا جنگ۔؟''

جارج نے خوش طبعی کے ساتھ کہا:

''وہ جنگ نہیں چاہتے۔ وہ صلح کے متمنی ہیں۔!''

موسیٰ بن نصیر بولے:

''بڑا مبارک ارادہ ہے لیکن لڑتے لڑتے یک بیک انہیں صلح کا خیال کیسے آیا۔؟''

جارج بولا:

''اس لیے کہ انہوں نے اپنی غلطی محسوس کر لی۔ انہوں نے جان لیا کہ مسلمانوں پروا
غالب نہیں آ سکتے۔''

موسیٰ بن نصیر نے فرمایا:

''لیکن مسلمانوں سے انہوں نے کوئی خاص شکست نہیں کھائی۔ پھر یہ خیال کیسے
آیا۔؟''

جارج نے کہا:

''بہتر ہوتا کہ آپ یہ بات ان ہی کی زبان سے سنتے۔ لیکن میں آپ کو انتظار میں نہیں

رکھنا چاہتا۔ ہمارے بادشاہ اکاؤنٹ جولین مسلمانوں پر غالب آنے سے مایوس یوں ہوئے
کہ مسلمانوں کی مضبوط سیرت اور فولادی کردار کا ان کی قوم مقابلہ نہیں کر سکتی۔!''

موسیٰ بن نصیر نے حیرت سے جارج کو دیکھا اور کہا:

''کیا مطلب۔؟''

جارج نے جواب دیا:

''عیسائی عیسائیوں کی حفاظت نہیں کر سکتے، مسلمان کر سکتے ہیں۔''

موسیٰ بن نصیر نے کہا:

''ہاں! تم ٹھیک کہتے ہو۔ ہماری ریاستوں میں یہودی، عیسائی اور بت پرست سب
ہی موجود ہیں اور ہم ان سے ذرا بھی تعرض نہیں کرتے۔ انہیں پوری آزادی حاصل ہے۔''

جارج بولا:

''صرف یہی نہیں۔ یہ بھی کہیے کہ مسلمان غیر عورتوں کو بری نیت سے نہیں دیکھتے۔ ان
کی متاعِ عصمت پر ڈاکہ نہیں ڈالتے۔ ان کے مردوں کو غلام نہیں بناتے۔ انہیں ذرا ذرا سی
بات پر قتل نہیں کرتے۔ ان کے مال و دولت پر للچائی نظریں نہیں ڈالتے۔''

موسیٰ بن نصیر نے فرمایا:

''ہاں ٹھیک ہے۔ مسلمان اس طرح کی حرکتیں ہرگز نہیں کرتے۔''

جارج بلند آواز سے بولا:

''اور مجھ سے یہ بھی سنیے کہ عیسائی یہ سب کچھ کرتے ہیں۔ ان کے دندانے عیسائیوں
پر بھی تیز ہوتے ہیں اور یہودیوں پر بھی۔ ان کی عیاشی اور ہوس کا ہدف عیسائی لڑکیاں بھی
بنتی ہیں اور یہودی دوشیزائیں بھی۔ میں اُندلس کا رہنے والا عیسائی ہوں۔ آج مجھ سے بڑھ
کر اُندلس کے بادشاہ ''راڈرک'' اور وہاں کے سب سے بڑے کلیسا کے ''اسقفِ اعظم'' کا
کوئی دشمن نہیں۔''

جارج لیزنا کی طرف اشارہ کر کے بولا:

"یہ اُندلس کے سب سے عالی مرتبت خاندان کی لڑکی ہے۔ اس کے دینی اخلا
اندازہ اس سے کیجئے کہ یہ عالمِ اشوب و جمال کی مالک ہوتے ہوئے بھی نن بن گئی
وہاں ہمارے اسقفِ اعظم نے اس کے ساتھ جو برتاؤ کیا اس کا انجام یہ ہوا کہ آج یہ کلیسا
اینٹ سے اینٹ بجانے پر تیار ہے۔"

پھر وہ یہودا کی طرف اشارہ کر کے بولا:

"یہ بہت بڑا دولت منداور وطن پرست یہودی تھا، لیکن آج اپنے ملک میں عیسائ
کے ہاتھوں سب کچھ لٹا کر جلاوطن کیا جا چکا ہے۔"

پھر جارج مارٹین کی طرف اشارہ کر کے بولا:

"یہ یہودا کی لڑکی ہے۔ کون سا ننگِ انسانیت ظلم ہے جو ہمارے کلیسا نے اس پ
توڑا ہو۔ محض اس جرم میں کہ اس کا مذہب عیسوی نہ تھا۔ کیا ایسی حکومت سے وفاداری
جا سکتی ہے؟ آپ ہی ارشاد فرمائیے۔؟"

موسیٰ بن نصیر خاموشی سے جارج کی باتیں سن رہے تھے اور جارج بلند اور دردنا
آواز میں کہہ رہا تھا:

"ہم کشتگانِ ستم کے علاوہ اور بھی لاکھوں انسان ہیں جو موت اور زندگی کی کشمکش
گرفتار ہیں۔ جو حسرت سے آسمان کی طرف دیکھتے ہیں کہ خدا اُن کی مدد کرے۔"

موسیٰ بن نصیر بولے:

"تم کن لاکھوں آدمیوں کا ذکر کر رہے ہو۔؟"

جارج نے کہا:

"میری مراد اُن لاکھوں کسانوں سے ہے...... جو کھیت جوتتے ہیں...... اناج
کرتے ہیں...... لیکن پھر بھی انہیں فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرنی پڑتی ہے...... جن کا پیدا کیا
اناج چھین لیا جاتا ہے...... اور روکھی سوکھی روٹی بھی جنھیں نہیں ملتی...... ان کے علاوہ
ہزاروں یہودی اور عیسائی جو غلام ہیں...... جن سے جانوروں کی طرح دن رات کام لیا

ہے...... جن کا قصاص کوئی نہیں لے سکتا......!"

موسیٰ بن نصیر نے زور سے کہا:

"اس خدائے واحد قیوم کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ میں ظالموں سے انتقام لوں گا اور ان مظلوموں کو پنجۂ ستم سے چھڑاؤں گا۔ مجھے ہرگز اندازہ نہیں تھا کہ معاملات کی نزاکت یہاں تک پہنچ چکی ہے۔"

جارج بولا:

"میرے قابلِ عزت سردار! میں آپ کو کیا بتاؤں وہاں کیا کیا ہوتا ہے۔؟ تو سنیے۔! شوہر اپنی بیوی کی لاج نہیں بچا سکتا۔ باپ اپنی بیٹی کی عصمت محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ بھائی اپنی بہن کا ناموس چھنتے دیکھتا ہے اور کچھ نہیں کر سکتا۔ ہمارے ملک کا قانون یہ سب کچھ دیکھتا ہے، مگر بے بس ہے۔ ہمارے ملک کا بادشاہ ان جرائم کی سرپرستی کرتا ہے۔ ہمارے ملک کا اسقفِ اعظم ایسے بادشاہ کو اپنی برکتوں اور دعاؤں سے نوازتا ہے۔!"

موسیٰ بن نصیر نے فرمایا:

"لیکن اس کی ذمہ داری کس پر ہے۔؟"

جارج نے کہا:

"کیا راڈرک کے علاوہ کوئی اور بھی ذمہ دار قرار دیا جا سکتا ہے۔؟"

موسیٰ بن نصیر بولے:

"ہاں! خود تم۔! تمہاری قوم۔! تمہاری عوام۔!!"

جارج بولا:

"یہ کیوں کر؟ میرے سردار!"

موسیٰ بن نصیر بولے:

"اسقفِ اعظم کو مسندِ کبریائی پر بٹھانے والا اور راڈرک کو تختِ حکومت پر متمکن کرنے والا تمہارے سوا کون ہے۔؟ کیا اسقفِ اعظم میں یا راڈرک میں اتنی طاقت ہے کہ وہ اُندلس

کے تمام باشندوں کو قتل کر سکیں۔؟"

جارج نے کہا:

"نہیں میرے سردار!"

موسیٰ بن نصیر نے فرمایا:

"پھر تم کیوں بیدار نہیں ہوتے۔؟ پھر کیوں زندگی کا ثبوت نہیں دیتے۔؟ کیا وجہ ہے کہ تم اس ظلم اور سفاکی کے خلاف سردھڑ کی بازی نہیں لگاتے۔؟"

جارج نے کہا:

"اب ہم بیدار ہو چکے ہیں۔ اب زندگی کی حرارت ہمارے اندر بیدار ہو چکی ہے۔ اب سردھڑ کی بازی لگانے کیلئے تیار ہیں۔"

موسیٰ بن نصیر بولے:

"سچ کہتے ہو۔؟"

جارج نے کہا:

"بالکل سچ میرے آقا! یہ تو اتفاق ہے کہ سبتہ کا بادشاہ اکاؤنٹ جولین ہمارا ساتھ دینے پر اپنی مجبوریوں کے باعث آمادہ ہو گیا۔ ورنہ! اگر وہ تیار نہ ہوتا تو بھی ہم آپ کے دروازے پر دستک دیتے اور انسانیت کے نام پر اپیل کرتے کہ ہماری فریاد سنئے۔ ہماری مدد کیجئے۔!"

موسیٰ بن نصیر بولے:

"میں یقیناً تمہاری آواز پر لبیک کہتا۔"

یہودا نے کہا:

"مسلمانوں کی برتری کا راز بھی نیک اور مقدس جذبہ ہے۔"

لیزنا بولی:

"لیکن اکاؤنٹ جولین کی اعانت سے حصولِ مقصد میں آپ کو بہت جلد کامیابی

ہو گی۔!"

موسیٰ بن نصیر ذرا بگڑ کر بولے:

"ہم خدا کے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کرتے۔ ہماری مددگار یہ شمشیرِ بے پناہ ہے۔ میدانِ جنگ میں اس سے بڑھ کر فیصلہ کُن کوئی چیز نہیں۔ اکاؤنٹ جولین کی ہم مدد کر سکتے ہیں۔ وہ ہماری مدد نہیں کر سکتا۔"

جارج بولا:

"لیکن وہ دل سے راڈرک کا مخالف ہے۔ راڈرک سے پہلے جو خاندان اُندلس کا شہنشاہی خاندان تھا اکاؤنٹ جولین اس کا ایک معزز فرد ہے۔!"

موسیٰ بن نصیر بولے:

"تم ٹھیک کہتے ہو! وہ اچھا آدمی ہوگا اور اگر واقعی وہ اچھا آدمی ہے تو ہم بھی اس کے اچھے دوست ثابت ہوں گے، لیکن جنگ کے میدان میں ہم کسی غیر کی مدد پر نہیں کودتے۔ ہم صرف اپنے خدائے واحد کی امداد و نصرت پر بھروسہ کرنے کے عادی ہیں۔ ہم مکاری کی لڑائی نہیں لڑتے۔ ہم سازش نہیں کرتے۔ ہم مکر و فریب سے کام نہیں لیتے۔ کھلی لڑائی لڑتے ہیں اور یہی لڑائی بڑی اچھی ہوتی ہے۔!"

یہودا بولا:

"مرحبا! مرحبا! عرب سردار! واقعی تو دنیا کی سرداری کا سزاوار ہے۔!"

لیزنا بولی:

"جارج! دیکھتے ہو تم ان کو۔؟ ان کے کردارِ صالح کو۔؟"

جارج بولا:

"بیشک!"

مارٹین بولی:

"اے عرب سردار! ایک آرزو میرے دل میں مچل رہی ہے اور صرف تو ہی اس کی

تکمیل کر سکتا ہے۔"

موسیٰ بن نصیر نے مارٹین پر ایک نگاہ ڈالی اور فوراً جھکالی۔ پھر کہا:

"اگر میرے امکان میں ہوا۔"

مارٹین بولی:

"میں وہی بات کہوں گی جو تیرے قبضۂ اختیار میں ہے۔"

موسیٰ بن نصیر نے کہا:

"تو کہو۔؟"

مارٹین بولی:

"میں چاہتی ہوں اسلامی فوجوں کے ساتھ میں بھی رہوں۔"

موسیٰ بن نصیر نے فرمایا:

"یہ کیوں۔؟"

مارٹین بولی:

"میں ان غازیوں کی خدمت کرنا چاہتی ہوں جو حق کے راستے میں زخمی ہونگے اا شہادت کے درجہ پر فائز ہوں گے۔"

موسیٰ بن نصیر نے کہا:

"جزاک اللہ! بیٹی! تیری اس سعادت مندی سے خوشی ہوئی لیکن میں تم کو اجاز نہیں دے سکتا۔ ہاں! اللہ تعالیٰ تجھے اس کا اجر ضرور دے گا۔!"

یہودا بولا:

"اے عرب سردار! اگر چہ میں بوڑھا اور ناتواں ہوں۔ میری زندگی کے دن تم چکے ہیں۔ موت روز بروز مجھ سے قریب ہوتی جارہی ہے۔ مگر میں گھر کے بجائے ۱۴ جنگ میں مرنا چاہتا ہوں۔"

موسیٰ بن نصیر بولے:

"لیکن مجھے کچھ تامل ہے۔"

یہودا بولا:

"میرے محسن! جیسے آپ کی منشاء۔!"

جارج نے کہا:

"اے عرب سردار! میری رگوں میں تنومند خون دوڑ رہا ہے، میرے بارے میں آپ کا کیا فیصلہ ہے۔؟"

موسیٰ بن نصیر بولے:

"میں تم دونوں کے اس جذبہ کی قدر کرتا ہوں، لیکن میں آپ کو میدانِ جنگ میں مسلمانوں کی طرف سے لڑنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

جارج نے کہا:

"یہ آپ کا ذاتی معاملہ ہے۔ میں سبتہ کے بادشاہ اکاؤنٹ جولین کو یہ خوش خبری جا کر سناتا ہوں کہ سپہ سالار موسیٰ بن نصیر ہم مظلوموں کی امداد واعانت پر آمادہ ہیں۔ راڈرک اور اسقف اعظم کو سبق دینے کیلئے ان کی فوجیں تیار ہورہی ہیں۔!"

موسیٰ بن نصیر نے ذرا ٹھہر کر کہا:

"ہاں! تم کہہ سکتے ہو۔"

پھر کچھ دیر بعد موسیٰ بن نصیر نے فرمایا:

"تم سب ستم زدہ ہو۔ تم فی الحال سبتہ میں رہائش پذیر رہو اور اکاؤنٹ جولین کو میری طرف روانہ کرو۔ میں پھر کوئی فیصلہ کروں گا۔"

گفتگو کے بعد موسیٰ بن نصیر خیمہ کے دروازے تک ان مہمانوں کو رخصت کرنے آئے اور یہ لوگ شکر وسپاس کے الفاظ ادا کر کے رخصت ہوگئے۔ ان لوگوں کے جانے کے بعد موسیٰ بن نصیر اپنے خیمہ میں واپس آئے۔ مغیث کو بلایا۔ وہ پیچھے ہی تو بیٹھا تھا۔ فوراً سامنے آکر کھڑا ہوگیا۔

موسیٰ بن نصیر نے کہا:

''بیٹھتے کیوں نہیں۔؟ بیٹھو!''

وہ بیٹھ گیا۔ موسیٰ بن نصیر نے کہا:

''تم نے ان لوگوں کو دیکھا۔؟ ان کی باتیں سنیں۔؟''

مغیث نے جواب دیا:

''ایک ایک بات سن لی۔!''

موسیٰ بن نصیر بولے:

''کیا خیال ہے۔؟''

مغیث نے کہا:

''میں اسے تائیدِ غیبی سمجھتا ہوں۔!''

جارج...... مارٹین...... یہودا...... روکسمین...... اور لیزنا...... اکاؤنٹ جولین کے پاس گئے...... اسے اور اس کی بھتیجی مریم کو موسیٰ بن نصیر کی ملاقات کے بارے میں تفصیلاً بتایا۔ اکاؤنٹ جولین نے موسیٰ بن نصیر کو ملنے سے پہلے طارق بن زیاد سے مشورہ کرنا مناسب سمجھا۔

☆☆☆

کاؤنٹ جولین کی سچائی

اُندلس پر یوں تو ''گاتھ خاندان'' کی حکومت تھی...... لیکن درپردہ اقتدار پادریوں ، ہاتھ میں ہی تھا...... جو مذہب کے نام پر عوامی طاقت کے ساتھ بادشاہوں کے پر تلوار بن کر لٹک رہے تھے......!

گاتھ خاندان کے بادشاہ ''ویٹرا'' نے پادریوں کے اقتدار کو ختم کرنے کی بہت کوشش ...... لیکن وہ ناکام ہوا...... پادریوں نے اس کے خلاف بغاوت کروا کر اسے تخت سے ول کروا دیا...... اور اس کے خاندان کے جائز حقداروں کے موجود ہونے کے ود ایک ''راڈرک'' نامی جرنیل کو شاہی تخت پر بیٹھا کر اس کی سرپرستی کرنی شروع دی......!

گوکہ ''راڈرک'' کا تعلق گاتھ خاندان سے نہ تھا...... لیکن حکومت وہ گاتھ خاندان کے پر ہی کر رہا تھا...... اور اس طرح وہ تاج وتخت کا غاصب تھا...... اسی چیز کو مدِنظر رکھتے ے اس نے تخت نشین ہوتے ہی امراء اور حکام حضرات کے لڑکے اور لڑکیوں کو شاہی تی میں لینے کا آرڈر جاری کیا...... تاکہ ان کی بہتر سے بہترین، اعلیٰ سے اعلیٰ اور اچھی اچھی تربیت ہو سکے۔ حالانکہ مقصد یہ نہیں تھا۔ مقصد تو یہ تھا کہ جب ان حکام اور امراء کے لڑکیاں میرے قبضے میں ہوں گے تو کوئی بھی حاکم اپنے لڑکے یا لڑکی کی زندگی داؤ ر خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہ ہوگا...... یعنی کوئی بھی حاکم اس کے خلاف بغاوت

کرنے کی کوشش نہ کرے گا......اور نہ ہی اس کو معزول کروا سکے گا......اس طرح اس کا تاج وتخت سلامت رہے گا......!

شاہی حکام و امراء کے لڑکے لڑکیوں کو تربیت کے بہانے لانا ایک قسم کا یرغمال تھا اب یہ قانون اس ملک کی ''قانون دانی'' میں لکھا جا چکا تھا...... اسی قانون کے تحت ''راڈرک'' نے یونانی امیر ''اکاؤنٹ جولین'' کی حسین وجمیل بھتیجی شہزادی مریم اور اس کی بیٹی فلورنڈا کو بھی سرپرستی میں لے لیا...... جو کہ پہلے ہی اپنا دل طارق بن زیاد کو دے چکی تھیں......!

جونہی ''فلورنڈا'' محل میں داخل ہوئی اس کے حسن کا چرچا سارے ملک میں پھیل گیا ......شاہی ملازمین کے علاوہ رعایا اور ملک کے کونے کونے میں شاعروں اور داستان لکھنے والے لوگوں نے اس کے حسن کی داستانیں اس طرح پھیلا دیں کہ ہر فرد اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بے قرار رہنے لگا...... ہر طرف اس کی باتیں ہونے لگیں...... شاہراہوں پر، گھروں میں، محلوں میں، غرض کہ ہر طرف ''فلورنڈا'' کے حسن کی دھوم پڑ گئی......! بچہ بچہ اس کے حسن سے آگاہ ہو گیا...... من گھڑت کہانیاں بننے لگیں...... ایک جگہ اکٹھے ہو کر شہزادی ''فلورنڈا'' کی بناوٹی داستان پڑھی جاتی...... جس کو لوگ بڑے شوق سے سنتے...... ان لوگوں کے گروہ میں بوڑھے، بچے، جوان اور عورتیں بھی شامل ہوتے......اب تو سبتہ کا چا، شہزادی ''فلورنڈا'' ہر دل کی دھڑکن بن گئی تھی......!

جب شہنشاہ ''راڈرک'' تک یہ خبریں پہنچیں تو اس بے شرم نے فوراً شہزادی ''فلورنڈا'' کو اپنے خلوت کدہ میں طلب کر لیا...... پھول کی طرح شگفتہ اور معصوم شہزادی ''فلورنڈا'' بادشاہ ''راڈک'' کے سامنے پہنچی تو وہ اس کے حسن کو دیکھ کر بے تاب ہو گیا......اور شہزادی کے باپ ''اکاؤنٹ جولین'' کی حیثیت اور رتبے کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اس بے شرم نے معصوم شہزادی ''فلورنڈا'' کی زبردستی عزت لوٹ لی......اور اسے اپنے حرم کدے کی زینت بنا لیا......!

یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی پھیلتی شہزادی کے باپ ''اکاؤنٹ جولین'' تک ...لیکن وہ شہنشاہ کے اقتدار سے ٹکر لینے کی طاقت نہیں رکھتا تھا......اس حادثے ...اس کے اندر انتقام کی آگ لگا دی...... اس نے اپنی بیوی کی بیماری کا بہانہ بنا کر اپنی ...''فلورنڈا'' کو واپس لانا چاہا...... لیکن شہنشاہ ''راڈرک'' نے انکار کر دیا......اور فلورنڈا کی اس کے چچا کی بیٹی اور اکاؤنٹ جولین کی بھتیجی شہزادی مریم کو واپس بھیج دیا......!

اس دور میں اُندلس کی سرحدوں سے ملحقہ شمالی افریقہ میں مسلمانوں کی حکومت قائم ...ی تھی......اور موسیٰ بن نصیر یہاں کے والی تھے...... ''اکاؤنٹ جولین'' کی دوستی طارق ...یاد کے ساتھ تھی...... جو والیٔ ''طنجہ'' تھے...... ''اکاؤنٹ جولین'' نے جا کر اپنی تباہی کی ...ان غمخوار موسیٰ بن نصیر کی بجائے اپنے دوست اور موسیٰ بن نصیر کے نائب طارق بن زیاد ...ائی......اور ان کو اُندلس پر حملے کی دعوت دیتے ہوئے تعاون کا پرزور یقین دلایا......!

اس سے قبل موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد ''سبتہ'' پر دو بار حملہ کر چکے تھے......لیکن ...اؤنٹ جولین'' نے مداخلت کر کے اسے ناکام بنایا تھا......لہٰذا طارق بن زیاد نے موسیٰ ...یر اور ''اکاؤنٹ جولین'' کی ملاقات کروانے کا مسئلہ حل کرتے ہوئے موسیٰ بن نصیر ...بھرپور سفارش کی......!

''اکاؤنٹ جولین'' نے براہِ راست اپنی اطاعت کا یقین دلاتے ہوئے موسیٰ بن نصیر ...یک مرتبہ پھر سبتہ آنے کی دعوت دیتے ہوئے اپنی امداد کا یقین دلایا...... ''اکاؤنٹ ...ن'' نے وہاں کے باشندوں کے اختلافات، وہاں کے سیاسی حالات اور غیر شاہی ...ان فرد ''راڈرک'' کے برسرِ اقتدار آ جانے کے بارے میں بتایا اور مہم آرائی میں ...ت کا بھی بار بار یقین دلایا......!

موسیٰ بن نصیر بڑے عاقل، دانشمند اور رموزِ حکومت سے باخبر انسان تھے...... لہٰذا ...ں نے تمام حالات سن لینے کے بعد اطمینان کے لیے کہ...... کہیں اس میں کوئی سیاسی ...ل نہ ہو ''اکاؤنٹ جولین'' کو آزمایا اور اسے فرمایا:

"اگر تم اس سلسلے میں مخلص ہو تو پہلے تم حکومتِ اُندلس پر حملہ کرو تا کہ تمہارے اور حکومتِ اُندلس کے تعلقات کھلے عام کشیدہ ہو جائیں۔"

"اکاؤنٹ جولین" نے جواب دیتے ہوئے کہا:

"میں تیار ہوں لیکن اتنی بڑی طاقت سے پنجہ لڑانا میرے بس کی بات نہیں۔"

موسیٰ بن نصیر نے جواب دیا:

"اس کی فکر مت کر۔ تمام اسلامی لشکر تمہاری پشت پناہی کے لیے ہر وقت تیار رہے گا۔"

لہٰذا "اکاؤنٹ جولین" نے اس بات پر عمل کرتے ہوئے اپنی فوج کے ایک بڑے حصے کو جہازوں کے ذریعے اُندلس کے ساحلی جزیرے سے "خضرا" پر حملہ کرنے اور لوٹ مار کر کے واپس لوٹنے کا حکم دیا۔ اس کی فوج نے ایسا ہی کیا کہ وہ لوٹ مار کر کے واپس لوٹ آئی۔ اب موسیٰ بن نصیر کو "اکاؤنٹ جولین" کی سچائی کا یقین ہو چکا تھا، لہٰذا انہوں نے اُندلس پر فوج کشی کرنے کے لیے خلیفۂ وقت سے اجازت طلب کی۔

خلیفہ ولید بن عبدالملک نے موسیٰ بن نصیر کو لکھا:

"اے موسیٰ بن نُصیر! مسلمانوں کو ایسے بحرِ زخار کی ہلاکت آفرینیوں میں نہ ہی ڈالا جائے تو بہتر ہے۔!"

جواب میں موسیٰ بن نصیر نے تحریر کیا:

"اُندلس کا ساحل سامنے نظر آ رہا ہے۔ فوج کی بربادی کا کوئی اندیشہ نہیں۔"

اس کے ساتھ ہی یہاں کے اندرونی خلفشاروں کی تفصیل تحریر کر کے تیز رفتار قاصد کے ہاتھ اپنا خط دارالخلافہ روانہ کر دیا۔ جس کے جواب میں موسیٰ بن نصیر کو اندلس پر حملہ کرنے کی اجازت مل ہی گئی۔ خلیفہ کی طرف سے اجازت ملتے ہی موسیٰ بن نصیر نے فوج کے ایک مختصر دستے کو حقیقتِ حال معلوم کرنے کے لیے 91 ہجری میں اُندلس کی طرف روانہ کیا۔ یہ دستہ "طریف بن مالک" کی سربراہی میں جا رہا تھا جس کی کل تعداد چار سو مجاہدین پر مشتمل تھی۔ یہ فوج چار کشتیوں میں سوار ہو کر روانہ ہوئی اور

اُندلس کے ایک شہر میں جا اتری۔ جس کا نام بعد میں اس لشکر کے یہاں اترنے کی وجہ "جزیرۂ طریف" پڑ گیا۔

یہ مجاہدین "جزیرۂ خضرا" میں اترے۔ یہاں بھی ایک کثیر تعداد میں مالِ غنیمت ں کیا اور قیدی بنائے۔ ماہِ رمضان المبارک میں واپس موسیٰ بن نصیر کے پاس لوٹ ۓ۔ انہوں نے سارے حالات موسیٰ بن نصیر کو سنائے۔ اس اطمینان کے بعد موسیٰ بن نے اُندلس پر حملہ آور ہونے کا اعلان فرمایا۔

لوگ طریف کی کامیاب مہم اور مالِ غنیمت کی کہانیاں سن کر خوشی سے اس جہاد میں ہونے کے لیے آمادہ ہو گئے۔ اس طرح ایک عظیم لشکر تیار ہو گیا۔ موسیٰ بن نصیر نے اسلامی لشکر کی قیادت کے لیے اپنے قابلِ اعتماد معاون اور آزاد کردہ غلام طارق بن زیاد ب کیا اور انہیں اُندلس پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔

اسلامی لشکر کے حملے سے قبل ہی افریقہ میں آباد وحشی بربری قوم نے اپنے قائد راغہ" کے ساتھ مال و دولت کے لالچ میں اپنے بہادر اور وحشی قبیلے کے افراد کی بھاری د کے ساتھ (جن کی تعداد ایک ہزار افراد تھی) افریقہ سے چل کر "جزیرۂ خضرا" پر حملہ

"جزیرۂ خضرا" والے پہلے ہی لٹ چکے تھے۔ اب جو انہوں نے اس وحشی ٹولے کو ا تو جان بچانے کے لیے آس پاس کی آبادیوں میں بھاگ گئے۔ ان وحشیوں نے بری ح اس جزیرے کو لوٹا۔ جو لوگ سامنے مل گئے انہیں قتل کر دیا۔ اس شہر کی بڑی تعداد نے غارت گروں سے بچنے کے لیے ایک کلیسا میں پناہ لی۔ جونہی ان وحشیوں کو اس بات ہوا تو انہوں نے کلیسا کو آگ لگا کر وہاں موجود لوگوں کو زندہ جلا ڈالا۔

ان وحشیوں کی ظالمانہ حرکات اس پر ختم نہ ہوئیں، بلکہ انہوں نے چند قیدیوں کو بے ی سے ذبح کر کے، ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے، ان کا گوشت دیگوں میں ڈال کر، پکنے لیے آگ پر چڑھا دیا اور چند ایک غلاموں کو آزاد کر دیا تا کہ یہ تمام ملک میں پھیل کر اس

واقعہ کی تشہیر کریں کہ یہ ظالم آدم خور لوگ انسانوں کو بھون کر کھا جاتے ہیں۔اس سے ان کا مقصد صرف یہی تھا کہ لوگ ان کی دہشت اور خوف سے مغلوب ہو کر ان سے مقابلے کی جرأت نہ کریں۔

بربری حبشیوں کی یہ جماعت باغی تھی۔اس لیے ان کی غارت گری کی ذمہ داری کسی بھی طریقے سے اسلامی سلطنت پر نہیں آتی۔اسلامی حکومت افریقہ کے فرستادہ لشکروں کے سالار طریف اور طارق بن زیاد تھے اور ان کو ''ابوزراعہ'' سے کوئی واسطہ نہ تھا بلکہ وہ تو موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد کا پکا دشمن تھا اور ہر وقت ان کو ختم کرنے کی تدبیریں سوچتا رہتا تھا۔اس لیے یہ لشکر جو ''ابوزراعہ'' کے ساتھ تھا اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ تھا۔یہ لوگ محض لوٹ مار کی غرض سے اکٹھے ہو کر جو کچھ کر سکتے تھے کر گزرے۔لشکرِ اسلام کے سپاہیوں اور سپاہ سالاروں کا دامن اس سے پاک ہے۔الحمدللہ علیٰ ذلک!

طارق بن زیاد بربری نسل میں سے تھے اور افریقہ کے باشندے تھے۔''اکاؤنٹ جولین'' سے ان کے مراسم پہلے سے تھے۔اس کے علاوہ اُندلس پر حملہ کرنے والی فوج کے اکثر مجاہدین بربری قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔ اسی چیز کو مدِ نظر رکھتے ہوئے صاحب بصیرت موسیٰ بن نصیر نے اس مہم کی قیادت طارق بن زیاد کے سپرد کی تھی۔پھر ویسے بھی طارق بن زیاد کی پرورش انہی کی سرپرستی میں ہوئی تھی اس لیے بھی موسیٰ بن نصیر کو طارق بن زیاد کی شجاعت، حکمت اور قیادت پر پورا بھروسہ تھا۔

''اکاؤنٹ جولین'' نے اپنے وعدے کے مطابق اس لشکر کے لیے چار جہاز افریقہ روانہ کیے اور طارق بن زیاد سات ہزار مجاہدین کا لشکر لے کر اُندلس کی طرف روانہ ہوئے۔ ان سات ہزار مجاہدین میں سے صرف ایک سو عرب تھے، باقی سارے بربری قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔یہ لشکر طارق بن زیاد کی قیادت میں پانچ رجب کو اُندلس کی ایک پہاڑی پر اترا۔جس کا نام بعد میں طارق بن زیاد کی وجہ سے ''جَبَلُ الطَّارِق'' پڑ گیا اور اسی نام سے وہ مشہور ہے۔اس پہاڑی کا پہلا نام ''جبرالٹر'' تھا۔

طارق بن زیاد عبادت گزار اور ایک اسلامی سپہ سالار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک سچے عاشقِ رسول ﷺ بھی۔ اس کی دلیل ان کا وہ خواب ہے جو انہوں نے اپنے سفر کے دوران دیکھا تھا۔ طارق بن زیاد ابھی ''آبنائے'' کے وسط میں تھے اور اندلس کے ساحل تک نہیں پہنچے تھے کہ ان پر غنودگی طاری ہو گئی۔اس عالم میں انہوں نے خواب میں حضور نبی کریم، رؤف ورحیم، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کی زیارت کی۔انہوں نے خواب میں دیکھا کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرماتے ہیں:

''طارق! اندلس تمہارے ہاتھ پر فتح ہو جائے گا۔!''

اس کے فوراً بعد طارق بن زیاد کی آنکھ کھل گئی اور ان کو اپنی فتح کا کامل یقین ہو گیا۔

ابن خلدون نے اسلامی لشکر کی تعداد پر بات کرتے ہوئے کہا ہے:

''اسلامی لشکر میں سے تین سو عرب اور دس ہزار بربری قبائل کے مسلمان مجاہد تھے۔''

جبکہ ابن بشکول نے فوج کی مجموعی تعداد بارہ ہزار کے لگ بھگ لکھی ہے۔امتِ مسلمہ کی یہی تعداد تھی جو اُندلس کی لاکھوں کی تعداد پر مشتمل فوج سے لڑنے جا رہی تھی۔

''جبلُ الطارق'' کے شمالی ساحل پر قدیم تاریخی شہر ''قرطاصہ'' آباد تھا۔ طارق بن زیاد نے ''عبدالملک معافری'' کو ایک دستہ دے کر اس شہر کی طرف روانہ کیا۔ یہ دستہ شہر میں بغیر کسی مدافعت کے داخل ہو گیا۔ چونکہ اہلِ شہر اس سے قبل وحشی بربری لوگوں کی آدم خور داستانیں سن چکے تھے، اس لیے وہ اسلامی لشکر کو بھی ان ہی آدم خوروں میں سے سمجھے اور شہر کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔اس طرح یہ شہر بغیر کسی لڑائی کے فتح ہو گیا۔

اس کے بعد عبدالملک معافری ''جزیرۂ خضرا'' کی طرف بڑھے اور وہاں بھی مزاحمت کرنے والا کوئی موجود نہ تھا۔چونکہ اس سے قبل یہ شہر طریف کے ہاتھوں اسیر ہو چکا تھا۔اس لیے شہر میں داخل ہونے والے دستے کو ان کی قیادت میں ہی روانہ کیا گیا اور طریف نے اب اس شہر کو باضابطہ فتح کر کے اسلامی سلطنت میں شامل کر لیا۔

اسی طرح ''جبل الطارق'' کے اردگرد کے شہروں خضرا، قرطاصہ وغیرہ پر قبضہ ہوتے

ہی طارق بن زیاد نے ان شہروں کے قلعے اور فصیلوں کو درست کروایا اور پھر اُندلس کے شاہی لشکر سے کھلے میدان میں مقابلے کی تیاریاں کرنے لگے۔

طارق بن زیاد نے ''جبل الطارق'' سے اتر کر صوبہ ''مرسیہ'' پر حملہ کیا۔ ''مرسیہ'' کے حاکم ''تھیوڈومیر'' نے جم کر مقابلہ کیا۔ دونوں فوجوں میں کہرام کی جنگ ہوئی۔ دونوں طرف سے بہادر سپاہ نے دادِ شجاعت دینی شروع کر دی۔

''تھیوڈومیر'' نے شہنشاہ ''راڈرک'' کی طرف ایک قاصد روانہ کیا اور فوجی مدد کی درخواست کرتے ہوئے جنگ کے حالات سے آگاہ کیا۔ اُندلس کا شہنشاہ ''راڈرک'' ان دنوں شمالی علاقے ''بسکے'' میں دشمنوں سے نبرد آزما تھا کہ ''تھیوڈومیر'' کے قاصد نے اسے خط دیا جس میں ''تھیوڈومیر'' نے تحریر کیا تھا۔

''شہنشاہِ محترم! ہماری زمین پر ایک قوم اتر آئی ہے جو بڑی مختصر سی ہے مگر بڑی ہی سخت جان اور بہادر بھی ہے۔ ہم نہیں جانتے یہ بلا آسمان سے نازل ہوئی ہے یا زمین سے نکل پڑی ہے۔ اگر اس کا محاسبہ نہ کیا گیا تو یہ ہماری فوج کی طرح پورے ملک میں پھیل جائے گی۔ میری فوج ان کی پیش قدمی کو روکنے سے قاصر ہے۔ لہٰذا جلد ہی فوج کا ایک لشکر بھیجا جائے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ خود ہماری ہی سلطنت کا امیر غداری پر اتر آیا ہے اور ان کی مدد کر رہا ہے جس کا نام ''اکاؤنٹ جولین'' ہے اور یہ ''سبتہ'' کا حاکم ہے۔''

دوسرے ہی دن مجاہدینِ اسلام نے اللہ ﷻ اور رسول ﷺ کے فضل سے زبردست حملہ کر کے دوسری فوج کے پاؤں اکھیڑ دیئے اور ان کو شکست فاش دے دی۔

شہنشاہِ اُندلس ''راڈرک'' کو ''تھیوڈومیر'' کی شکست کی خبر ہوئی تو وہ بوکھلا گیا اور بھا سے ''قرطبہ'' چلا آیا۔ جس کو اس نے ''طلیطلہ'' کی بجائے دارُالحکومت بنایا تھا۔ اس نے آتے ہی اُندلس کے سب بڑے بڑے جاگیرداروں کو دشمن سے اپنا ملک بچانے کے لیے خط و کتابت کی اور اس کے ساتھ ساتھ مزید فوج بھرتی کرنے کا اعلان کر دیا۔

''راڈرک'' نے اسقف اعظم کے ذریعے اس جنگ کو مذہبی رنگ دے کر

سائیوں میں پیش کیا۔ تمام جاگیردار اور عوام الناس مذہب کے نام پر جنگ کرنے کے یے جوق در جوق عیسائی لشکر میں داخل ہو رہے تھے۔ اسقف اعظم نے مذہبی رنگ دیہاں تک ہوا دی کہ باوجود حکومت سے مخالفت اور دشمنی کے گاتھ خاندان کے تین ہزادے بھی اپنے حلقۂ اثر سے فوج اکٹھی کر کے دارُالحکومت کی طرف روانہ ہوئے۔

چونکہ ''راڈرک'' غاصبِ سلطنتِ اُندلس تھا اس لیے ان شہزادوں کو اس پر اعتماد نہ ھا۔ اسی وجہ سے وہ شہر میں داخل ہونے کی بجائے ''قرطبہ'' سے باہر ''وادیٔ کبیر'' کے اس ر ''مقام نقسندہ'' میں خیمہ زن ہو گئے۔ اس طرح یہ علاقہ فوجی چھاؤنی کی صورت فتیار کر گیا۔ رفتہ رفتہ تمام جاگیردار بھی اپنی اپنی فوج کو لے کر اسی مقام پر قیام پذیر ہو گئے ور اس طرح مسلمانوں کے مقابلے کے لیے اہلِ اُندلس کی فوج کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچ گئی۔

دوسری طرف جب طارق بن زیاد کو دشمن کی کثیر تعداد کا علم ہوا تو انہوں نے بھی موسیٰ بن میر سے مزید فوج بھیجنے کی درخواست کی۔ موسیٰ بن نصیر ان حالات سے باخبر تھے اسی لیے ہوں نے کشتیاں تیار کر رکھی تھیں۔ چنانچہ مزید فوج کی درخواست پر انہوں نے پانچ ہزار کا لشکر ان کشتیوں کے ذریعے روانہ کر دیا۔

''راڈرک'' ایک لاکھ افراد پر مشتمل فوج کو لے کر پیش قدمی کرتا ہوا جنوبی اُندلس کی طرف روانہ ہوا۔ اس خبر کے ملتے ہی طارق بن زیاد اسلامی لشکر کو لے کر مقابلے کے لیے آگے بڑھے۔ اس اسلامی لشکر کی تعداد اب بارہ ہزار ہو چکی تھی۔

شہنشاہِ اُندلس ''راڈرک'' چونکہ ایک لاکھ کا لشکر لے کر مقابلے کے لیے روانہ ہو چکا تھا۔ اس لیے جونہی اسکی فوج کی آمد کا اسلامی لشکر میں چرچا ہوا تو اسلامی سپاہ دشمن کی کثیر فوج کی خبر سن کر چہ منگوئیاں کرنے میں مصروف ہو گئے۔ طارق بن زیاد نے جب اپنی فوج میں اضطرابی کیفیت دیکھی تو غیرت اور جوش دلانے کے لیے انہوں نے فوراً حکم دیا کہ سمندر میں موجود لشکر کی تمام کشتیاں جلا دی جائیں۔ مجاہدینِ اسلام نے حیرت سے اس فیصلے کو سنا

اور پھر سمندر میں جلتی ہوئی کشتیاں دیکھی تو چند ایک بے خوف سپاہیوں نے دبے لفظوں اپنے سالار کو کہا:

"سالار صاحب! اس کے باوجود کہ آپ کو دشمن کی کثیر تعداد کا علم ہے پھر بھی آپ نے واپسی کے یہ ذریعے جلا کر کیا فوجی حکمتِ عملی کا ثبوت دیا ہے۔؟ کیا کشتیاں جلانا خودکشی کے مترادف نہیں۔؟"

طارق بن زیاد نے بڑی دلیری اور ہمت و استقلال کے ساتھ جواب دیتے ہوئے فرمایا:

"میرا مقصد ان لوگوں کے لیے ضرور خودکشی کے مترادف ہے جن کے جسموں میں گردش کرتا ہوا خون سرد ہو چکا ہے...... لیکن جن لوگوں کے خون میں غیرت کی حرارت موجود ہے...... جو جہاد کے نشے میں سرشار ہو کر صرف اللہ ﷻ و رسول ﷺ کے لیے آئے ہیں...... جن کا ایمان ہے کہ ان کے ہادی اور رہبر، ساقیِ کوثر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہاتھوں میں جام لیے ان کے منتظر ہیں...... وہ جامِ شہادت نوش کرنے کے لیے بے چین ہیں......! مسلمانو......! جنت کے تمام دروازے تمہارے لیے کھول دیئے گئے ہیں...... اور ربُ العالمین تمام فرشتوں کو اکٹھا کر کے فرما رہا ہے:

"اے فرشتو! دیکھو آدم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے ان بیٹوں کو جو میری دی ہوئی جان کا حق کس طرح ادا کر رہے ہیں......!"

پھر طارق بن زیاد نے فرمایا:

"مجھے قسم ہے ربُ العالمین کی......! جو فتح و شکست کا مالک ہے......! میرے ذہن کے کسی گوشے میں بھی یہ خیال نہیں کہ ہمیں اُندلس کے اس شہر سے واپس جانا پڑے گا! میں تو یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ دشمن کی فوج اور ملک کو تخت و تاراج کرتا ہوا ان کے دار الخلافہ پر جا کر اسلامی پرچم لہراؤں گا......! یاد رکھو......! قسم بخدا! میں نے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے ابنِ زیاد......! یہ ملکِ اندلس تم فتح کر لو گے......!!!"

بھائیو......! کیا اب بھی تمہیں یہ کشتیاں جلانا خودکشی کرنے کے مترادف معلوم ہوتا ہے......؟ یاد رکھو......! عزت کی موت ذلت اور رسوائی کی زندگی سے بدرجہا بہتر ہے...... ہمیں اپنے خدا کی مدد اور رسول اللہ ﷺ کی نظرِ کرم پر پورا بھروسہ ہے......!"

طارق بن زیاد کی اس بہادری پر یہ شعر گواہ ہے......!!!

کافر ہے تو شمشیر پہ رکھتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

اس کے بعد طارق بن زیاد نے با آوازِ بلند "......نعرۂ تکبیر......" کہا جس کے جواب میں "......اللہ اکبر......" اور "......نعرۂ رسالت......" جس کے جواب "......یا رسول اللہ......" کی صدائے بے نیام سے دشت و جبل گونج اٹھے۔ اس کے بعد مجاہدین درود و سلام کے ترانے پڑھتے ہوئے اپنے گھوڑوں کے پاؤں سے ساحلِ اُندلس کی مٹی کو روندتے ہوئے "بحرِ محیط" کے ساحل سے سات میل کے فاصلے پر جا رُکے۔ اس وادی کا نام "وادیِ لکہ" تھا، جہاں شہنشاہِ اُندلس "راڈرک" ایک لاکھ سپاہیوں کے ساتھ موجود تھا۔ "وادیِ لکہ" میں دونوں فوجوں نے آمنے سامنے ڈیرے ڈال دیئے اور جنگ کی تیاریوں میں مگن ہو گئے۔

اُندلس کے بادشاہ "راڈرک" کی فوج کے سردار لوہے کی زرہ میں ملبوس بلکہ سر سے لے کر پاؤں تک لوہے میں غرق تھے۔ اس کی فوج کے پاس قیمتی اسلحہ تھا اور شاندار گھوڑے بھی۔ اس کی سپاہ نے زرق برق لباس زیب تن کیے ہوئے تھے۔ ان کے مقابلے میں اسلامی فوج کے پاس ڈھال تک نہ تھی۔ بلکہ آدھے سے زائد سپاہی گھوڑوں سے محروم تھے۔ نہ ہی ان کے پاس لمبے اور چمک دار نیزے تھے اور نہ ہی یہ زرہ بکتر سے ملبوس تھے۔ نہ ہی ان کے پاس لوہے کے لباس تھے کہ جن میں سے تلوار بمشکل گزرتی ہے لیکن یہ تمام اشیاء "راڈرک" کی فوج کے پاس وافر مقدار میں موجود تھیں۔

اسلامی فوج کے مجاہدین پھٹی ہوئی قباؤں میں ملبوس تھے اوران پر بھی کئی کئی پیوند لگ ہوئے تھے۔ان کے پاس نیام کی قید سے آزاد برہنہ شمشیریں تھیں اور بعض کے پا توصرف نیزے ہی تھے۔اکثر فوجی ڈھالوں تک سے محروم تھے کہ ان سے کسی کا وار روک لیں،لیکن اس کے باوجود حوصلے بڑے بلند تھے،جذبات میں بجلیاں کوند رہی تھیں اور یہ شہادت کے متوالے شہادت کے شوق میں اُندلس کے شہنشاہ کے تاج گھوڑوں کی ٹاپوں تلے روندنے چلے آرہے تھے۔

دوسری طرف ''راڈرک'' گوکہ مذہب،وطن اورقوم کی غیرت کا مسئلہ بناکر ایک لاکھ انسانوں کواکٹھا کرلایا تھا لیکن نہ توان کے پاس ایمان کی قوت موجود تھی اور نہ ہی جذبہ جہاد۔عیش وعشرت میں پلے جاگیرداروں اور سرداروں کی فوج لڑائی سے جان بچا رہی تھی۔ان میں وہ گاتھ خاندان کے شہزادے بھی موجود تھے جو''راڈرک'' کواپنا سب سے بڑادشمن اوراپنے تاج وتخت کا غاصب بھی سمجھتے تھے۔گویا کہ بارہ ہزار شیروں کے مقابلے میں ''راڈرک'' ایک لاکھ بھیڑیوں کواکٹھا کرلایا تھا۔

والیِ سبتہ ''اکاؤنٹ جولین'' اسلامی لشکر کا ہمرکاب تھا اور وہ اپنی وفاداری کا وعدہ نبھا رہا تھا۔اس کے خاص آدمی جو اُندلس کے باشندے تھے ''راڈرک'' کی فوج میں جا ملے اوراسلامی سلطنت کے لیے جاسوسی کے فرائض ادا کرنے کے علاوہ وہ عیسائی فوج میں تفرقہ اندازی کی حکمتِ عملی اختیار کیے ہوئے تھے۔

والیِ سبتہ ''اکاؤنٹ جولین'' اپنی حکمتِ عملی سے گاتھ خاندان کے شہزادوں کوساتھ ملانے میں کامیاب ہوگیا۔اس نے شہزادوں کی کھوئی ہوئی جاگیر اورعظمت واپس دلانے کا وعدہ کرکے انہیں مسلمانوں کی اطاعت قبول کرلینے پرآمادہ کرلیا تھا۔چنانچہ ان شہزادوں نے اپنی موروثی جائیداد کی واپسی اوراپنی جاگیریں واپس ملنے کی شرط پر اسلامی لشکر کی مدد اوراطاعت کرنے کی حامی بھرلی۔یہ شاہی جاگیریں نہایت زرخیز علاقوں میں تین ہزار کی تعداد میں تھیں۔

طارق بن زیاد نے شہزادوں کی شرطیں منظور کرلیں۔اس رازدانہ معاہدے کے بعد اتھ خاندان کے شہزادوں نے فوج میں یہ خیالات پھیلانے شروع کردیئے کہ ''راڈرک'' لطنت کا غاصب ہے۔شاہی خاندان سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔اس کو بچانے کے لیے اہی اور بربادی کیوں مول لی جائے؟ اس سے کہیں بہتر ہے کہ مسلمانوں کی اس قوم وجوکہ مالِ غنیمت کے لیے حملہ آور ہوئی ہے اوراس ملک میں حکومت کرنے کا ارادہ یں رکھتی،ان کو مال ودولت دیکر ان کے ہاتھوں ''راڈرک'' جیسے ظالم اورغاصب انسان سے ملک کو بچایا جائے۔انسانی جانیں ضائع ہونے سے بچالی جائیں پھر جب مسلمان مال ولت لے کرلوٹ جائیں توشاہی تاج وتخت کے لیے کسی کومنتخب کرلیا جائے۔

''راڈرک'' ان باغیانہ خیالات کے پھیلنے سے بے خبر اور جنگی تیاریوں میں مگن تھا۔ انچہ اس کے بھی جاسوس اسلامی لشکر میں موجود تھے اورانہوں نے ''راڈرک'' کوآکر اطلاع تھی کہ اسلامی لشکر سے مقابلہ کرنا آسان نہیں۔ان کے ایمان اتنے مضبوط ہیں اورارادے نے پختہ ہیں کہ یہ یا تواپنی موت چاہتے ہیں یا پھر وہ زمین جوآپ کے قدموں تلے ہے۔اس سرزمین پرآنے والوں نے واپسی کے تخیل کومٹادینے کے لیے اپنے جہازوں تک لادیا ہے۔ان کے لیے ہماری زمین پر ایسی کوئی جگہ نہیں جہاں وہ پناہ لے سکیں۔اسی لیے لاد کی دیوار بن کرسامنے آئے ہیں،لیکن جاسوسوں نے اسلامی لشکر میں یہ خبر ضرور پھیلادی ی کہ ''راڈرک'' کے ساتھ فی الحال ایک لاکھ فوج موجود ہے لیکن اس کی مدد کے لیے ایک کے دو لشکر تیار حکم کے منتظر کھڑے ہیں۔

فوج کی اس کثیر تعداد کی خبر سے مسلمان سپاہی بھی گھبرا گئے۔اسلامی فوج کے سپہ ار طارق بن زیاد بھی اس سے بے خبر نہ تھے۔لہٰذا انہوں نے رات کوعشاء کی نماز کے شکر کا دل بڑھانے کے لیے اوران میں جذبۂ جہاد،جوش وولولہ اورعزم واستقامت کی ح پھونکنے کے لیے جوتقریر کی وہ تاریخ میں سنہری حروف سے لکھی گئی۔آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور حضور اکرم ﷺ پر درود وسلام بھیجنے کے بعد فوج سے خطاب کرتے

ہوئے کہا:

''مسلمانو......! یہ خوب سمجھ لو کہ تمہارے آگے دشمن کا یہ لشکرِ جرار کھڑا ہے اور تمہارے پیچھے ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر...... پیچھے ہٹنے کے لیے کوئی جگہ موجود نہیں...... خدا کی قسم......! اب سوائے پامردی اور استقلال کے تمہارے لیے کوئی چارہ نہیں...... تمہارے دشمن اپنی فوج اور سامانِ جنگ کے ساتھ تمہارے سامنے آچکے ہیں...... ان کے پاس سامان رسد کا وافر ذخیرہ اور عمدہ قسم کے ہتھیار بھی موجود ہیں...... جب کہ تمہارے پاس سوائے تلواروں کے کچھ نہیں...... کوئی رسد نہیں سوائے اس کے کہ تم یہ عمدہ قسم کے ہتھیار اور سامان رسد ان دشمنوں سے چھین لو...... یہ وافر سامانِ رسد اور یہ اعلیٰ ہتھیار تمہارے لیے ن ہیں...... اس جزیرے پر جو کچھ بھی ہے تمہارا ہے...... خدا کی اس عطا کو حاصل کرنے کے لیے دشمن کو نیست و نابود کر دو...... اور روند ڈالو ان کے تکبر و غرور سے اٹھے ہوئے سروں کو...... یہی وہ لوگ ہیں جو امیر کی حمایت کرتے ہیں اور غریبوں پر ظلم...... ہم اس ملک سے ظلم کا خاتمہ کرنے آئے ہیں...... اللہ تعالیٰ کے قانون کو نافذ کرنے آئے ہیں...... اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو روند ڈالو اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں تلے......! یہ ہیرے جواہرات سے ج ہوئے اطلس اور کم خواب کے لباس ان کے جسموں سے نوچ ڈالو......! اور میں بھی تم میں سے ایک ہوں...... تم مجھے صفِ اول میں پاؤ تو میری پیروی کرنا...... اللہ کی قسم......! ک دشمن کی فوج کے پہلے حملے کو میں اپنے سینے پر روکوں گا...... اور اپنی تلوار لے کر صفوں کو کا ہوا فوج کے قلب تک پہنچ کر ''راڈرک'' کا سر اڑا دوں گا......! یاد رکھو......! تم اس جزیر پر اللہ کریم جل جلالہ اور اس کے نبی اکرم ﷺ کے نام پر ان کے دین کو سربلند کرنے آ ہو...... اللہ تعالیٰ جل جلالہ اپنے حبیب کریم ﷺ کا صدقہ تمہاری مدد فرمائے گا تمہیں دشمن قوم پر غالب کرے گا...... اور وہی بہتر انعام اور جزا دینے والا ہے......!''

طارق بن زیاد کی اس تقریر نے مجاہدینِ اسلام کے جسموں میں اسلام کی سربلندی جوش بھر دیا اور مجاہدین بڑی بے صبری سے صبح کا انتظار کرنے لگے۔ روزہ رکھنے کے

سحری کا بندوبست کیا گیا۔ سحری تناول کرنے کے بعد نوافل ادا کیے گئے۔ جب طلوع فجر ہوئی اور مسلمان فجر کی نماز سے فارغ ہوئے تو جنگ کا طبل بجا دیا گیا۔

بارہ ہزار افراد کی یہ مٹھی بھر فوج ''رمضان المبارک'' کے دنوں میں روزوں کی حالت میں اپنے ٹوٹے پھوٹے تیروں اور تلواروں کے ساتھ ایک لاکھ بہادر شاہی فوج کی طرف لپٹ پڑی۔

☆☆☆

اندلس کی شاہی فوج کی دو ہاتھ

92 ہجری کا ناقابلِ فراموش دن اور رمضان المبارک کی "27" تاریخ کی یادگار تھی۔ معرکۂ حق و باطل شروع ہوا۔ اتنی خون ریزی ہوئی کہ ہر طرف خون کی ندیاں بہ نکلیں اور ان ندیوں میں کٹے ہوئے پُرغرور سر، قوی ہیکل بازو، مضبوط ٹانگیں اور تنومند تنکوں کی طرح تیرتے ہوئے نظر آرہے تھے۔

اسلامی تلواریں زرہ پوش دشمن کی زرہ کاٹتی ہوئی ان کے جسم تک جا تھیں۔ مجاہدینِ اسلام کے نیزے آہن پوش دشمنوں کے فولادی لباس کو پھاڑتے ہو پسلیوں سے گزر گئے تھے۔ بے نیام تلواریں اس طرح قضاءِ الٰہی بن کر چمک رہی تھیں آسمانی بجلی کی طرح تیز تلوار بازو کو بھی دھوکا دے جاتی تھیں۔ پیدل کے دو دو اور سوار چار ٹکڑے ہو کر زمین پر تڑپتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔

"......نعرۂ تکبیر......" اور اسکے جواب میں "......اللہ اکبر......" کی گونج سے د کانپ رہے تھے۔ اسکے علاوہ ہر مجاہد کی زبان پر درود و سلام کا ترانہ بھی جاری تھا۔ درود و سلام اور نعرے کی وجہ سے مسلمانوں میں ایک ہل چل اور ایک عظیم قوت اُجاگر ہ تھی جس سے دشمنوں کے پتے پانی بن کر بہہ رہے تھے۔ اسلامی شیروں کی کچھ اتنی دہ عیسائیوں پر طاری تھی کہ وہ جم کر مقابلہ کرنے کی بجائے جان بچا کر بھاگنے کا راستہ تلا کر رہے تھے۔

اسکے علاوہ گاتھ خاندان کے شہزادوں کی فوج اور دوسرے سردار جو اندرونِ خانہ مسلمانوں کے دوست اور "راڈرک" کے دشمن تھے، صرف وفائی جنگ لڑ رہے تھے۔ شہنشاہِ اندلس "راڈرک" خود فوج کی کمان سنبھالے ہوئے تھا اور بڑی ہوشیاری سے جنگ کر رہا تھا۔ اس نے فوج کے تیور دیکھ کر معلوم کر لیا تھا کہ ضرور کوئی سازش ہوئی ہے مگر اس کے پاس کثیر فوج اور سامانِ رسد کا وافر ذخیرہ موجود تھا۔ یہ اس کا اپنا وطن تھا، اپنی زمین تھی اور لڑائی میں ہر قسم کی سہولت پیدا کرنے کے ذرائع بھی موجود تھے اور ہر شاہراہ اس کی دیکھی بھالی تھی۔

دوسری طرف صرف بارہ ہزار مجاہدینِ اسلام۔ وہ بھی پردیسی۔ نہ ملک اپنا، نہ زمین اپنی اور نہ کھانے پینے کا وافر انتظام، بلکہ رمضان کا مہینہ اور سب مجاہدین روزہ کی حالت میں۔ اسکے علاوہ نہ اعلیٰ ہتھیار، نہ بہترین گھوڑے، نہ اچھی پوشاکیں، نہ مضبوط ڈھالیں، نہ ہی زرہیں جو دشمن کے وار کو روک سکیں، بلکہ انہیں تو دشمن سے ہی چھین کر اپنے لیے سامان مہیا کرنا تھا۔ مقام اجنبی اور راستے نامعلوم تھے۔ یہ اپنی کشتیاں بھی جلا چکے تھے۔ اب انکو ہمت واستقلال اور عزم کے ساتھ آہنی دیوار بن کر میدانِ جنگ میں کھڑے رہنا تھا۔ انسانوں کے اس وسیع و عریض جنگل کو کاٹ کر انہوں نے اپنے لیے راستہ بنانا تھا۔ اسی لیے یہ مٹھی بھر مجاہدین جن کی تعداد بارہ ہزار تھی دشمن کی ایک لاکھ فوج پر بھاری نظر آرہے تھے۔ ان کے سردار طارق بن زیاد بجلی کی طرح ایک سرے سے شروع ہو کر دشمن کی صفیں الٹاتے ہوئے دریا کی روانی کی طرح دوسری طرف جا نکلتے تھے۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے:

جہاں میں اہلِ ایمان صورتِ خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

ایسا لگتا تھا جیسے بدر اور حنین کا کوئی مجاہد طارق بن زیاد کی صورت میں آ گیا ہو۔ آخر ے کے مطابق گاتھ خاندان کے شہزادے پسپا ہونے لگے یہاں تک کہ دشمن کی فوج

کے دونوں بازو کمزور ہو گئے۔ گاتھ خاندان کے شہزادے گھوڑے دوڑاتے ہوئے طارق بن زیاد سے آملے۔ شہزادوں کا علیحدہ ہونا تھا کہ دشمن کی فوج میں ہلچل مچ گئی۔ اس وقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے طارق بن زیاد نے ایک زوردار نعرہ بلند کرتے ہوئے شدید حملہ کیا۔

اب مجاہدین نے بھی سالار کی پیروی کرتے ہوئے بڑی بے پرواہی سے حملہ کیا۔ ایسا لگتا تھا کہ ان کو بجلیاں چھو گئی ہوں۔ دشمن کی فوج کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ اس کے ساتھ ہی پیچھے کے سپاہیوں نے اگلی صفوں کو خالی دیکھا تو دوڑنا شروع کر دیا، لیکن ''راڈرک'' بڑا بہادر اور جانباز بادشاہ تھا۔ وہ بدلی ہوئی جنگ کی صورت حال کے باوجود ثابت قدمی سے فوج کے درمیان میں ڈٹا رہا اور سپاہیوں کا دل بڑھاتا رہا۔

یہ جنگ جو ستائیس رمضان المبارک کو شروع ہوئی تھی، پانچ شوال تک جاری رہی۔ مجاہدین نے اپنی عید کو بھی اللہ جل جلالہ، اسکے رسول اکرم ﷺ اسلام اور مسلمانوں کی خاطر راہ جہاد میں گزار دیا اور دشمن کے سامنے ڈٹے رہے۔ آخر جنگ کی طوالت سے گھبرا کر ایک دفعہ پھر طارق بن زیاد نے مسلمانوں کے خون کو گرماتے ہوئے اس قدر جوانمردی سے حملہ کیا کہ وہ دشمن کی صفوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹتے ہوئے قلب میں جا گھسے جہاں ''راڈرک'' موجود تھا۔

مجاہدین کی تلواریں بجلی کی طرح کڑک رہی تھیں اور وہ اپنے سردار کی پیروی کرتے ہوئے دشمن کو لکڑیوں کی طرح کاٹ رہے تھے۔ دشمنوں کے سر دھڑوں سے جدا ہو کر اُچھل اُچھل کر گھوڑوں کے پاؤں تلے کچلے جا رہے تھے۔ ''راڈرک'' نے طارق بن زیاد کو کئی مرتبہ اپنی مخصوص فوج کے نرغے میں لینے کی کوشش کی، کیونکہ طارق بن زیاد تلوار اسلامی سے دشمنوں کی لاشوں کے انبار لگا رہے تھے۔ کئی بار طارق بن زیاد ''راڈرک'' کی مخصوص فوج کے نرغے میں قید ہوئے لیکن اپنی جانبازی اور اسلام کی سربلندی کے لیے تلواروں کی دیواروں اور نیزوں کے حلقے کو توڑ کر نکل جاتے۔ سورج دن بھر سفر کرنے کے بعد اب غروب ہونے کو تھا۔ سائے لمبے ہو چکے تھے لیکن مجاہدینِ اسلام کے بازوؤں میں ذرا سی بھی

سستی نہ آئی تھی۔ وہ جسموں پر زخموں کے تمغے سجائے دشمن فوج کی لاشوں کے ڈھیر لگا رہے تھے۔ دشمن کی فوج دل ہار بیٹھی تھی۔ دیکھئے اللہ جل جلالہ کا کیسا کرم تھا کہ بارہ ہزار فوج سے ایک لاکھ افراد پر مشتمل فوج بھاگے جا رہی تھی اور مقابلہ کرنے کی تاب نہ رکھتی تھی۔

پھر طارق بن زیاد نے بڑی بہادری اور شجاعت کے ساتھ دشمن کی صفوں میں راستے بناتے ہوئے ''راڈرک'' تک پہنچنے کی کوشش کی تو وہ آپ کو دیکھ کر بھاگ نکلا۔ وہ اتنی تیزی سے بھاگا کہ مڑ کر اپنی فوج کا حشر بھی نہ دیکھا۔ ''راڈراک'' کے بھاگتے ہی اس کی فوج نے بھی سر پر پاؤں رکھ لیے اور بھاگ کھڑی ہوئی۔

اس جنگ میں تین ہزار مسلمانوں کو راہِ خدا میں شہید ہونے کا اعلیٰ مرتبہ اور اعزاز ملا، جبکہ عیسائی قوم کے بے شمار فوجی ہلاک ہوئے۔ اس جنگ میں مسلمان مجاہدین کے ہاتھ بے حساب مالِ غنیمت کے طور پر گھوڑے اور ہتھیار آئے جنہیں دشمن چھوڑ کر فرار ہو گئے تھے۔

دیکھتے ہی دیکھتے میدان خالی ہو گیا۔ اب میدان میں صرف مسلمان مجاہدین ہی تھے۔ عیسائیوں کی ساری فوج بھاگ گئی تھی۔ یہ فوج جب دریائے ''والڈیٹ'' کے کنارے پہنچی تو وہاں شہنشاہِ اُندلس ''راڈرک'' بھی موجود تھا۔ اس نے اس دریائے ''روز والڈیٹ'' کے کنارے اپنی ساری فوج کو جمع کیا اور انہیں غیرت دلاتے ہوئے کہا:

''لعنت ہے تم پر......! تم لوگوں نے بزدلی کی انتہا کر دی...... جنگجو لوگ تو میدانِ جنگ میں کٹ جاتے ہیں...... لیکن میدان چھوڑ کر بھاگتے نہیں...... تلوار کی دھار کسی کی جاگیر نہیں...... بہادر وہ ہے جو اس کا حق ادا کرتے ہوئے مرنا یا مارنا جانتا ہو......! مسیح کی قسم......! ہمارے پاس کثیر فوج بھی موجود ہے...... اور رسد کے انبار بھی لگے ہیں...... اس کے علاوہ ''قرسطالیہ'' سے تازہ دم اور سپاہی آنے والے ہیں...... ہمارے قلعے اتنے مضبوط ہیں کہ ان سے ٹکریں مارتے مارتے مسلمان مر جائیں گے لیکن ان کی ایک اینٹ کو بھی نہ ہلا سکیں گے...... گھبراؤ نہیں......! خداوندِ مسیح ہمیں اُن پر فتح عطا کریں گے......! صبح کے

ماننے والو......! مسیح کے نام کی لاج رکھ لو......! ماں مریم کے تقدس کی قسم......! اگر تم نے ان مسلمانوں کے دانت کھٹے نہ کیے تو یہ اپنا زہر تمام عیسائی قوم کے جسم میں اتار دیں گے ......اور دینِ مسیح کی بجائے تمہاری سرزمین پر اور تمہارے ملک پر اسلامی پرچم لہرائیں گے......اور تمہاری خوبصورت عورتوں کو لونڈیاں بنالیں گے......شرم کرو......! شرم......! تم ایک لاکھ فوج مٹھی بھر مسلمانوں سے اپنے دین کی حرمت کو نہیں بچا سکتی......؟ آندھی اور طوفان بن کر اٹھو......! اور ان مٹھی بھر مسلمانوں کو اپنے خش و خاشاک کی طرح بہا لے جاؤ......!!!"

ایک مرتبہ پھر غیرت میں آ کر عیسائی سپاہیوں نے تلواریں اٹھائیں اور جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ طارق بن زیاد نے بھی تلوار لہراتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے کہا:

"بہادر شیرو! بھیڑوں کا غلہ جمع ہو کر تمہارے سامنے آ رہا ہے۔ آگے بڑھو! اور اس میدانِ جنگ کو عیسائیوں کا قبرستان بنا دو۔!!!"

مسلمان سپاہیوں نے بھی اپنے گھوڑوں کو دریائے "روز والڈیٹ" کے کنارے ہی کھلا چھوڑ دیا اور میدانِ جنگ "والڈیٹ" کے کنارے گرم ہوا۔ دونوں فوجیں ایک مرتبہ پھر ایک دوسرے میں پیوست ہوئیں۔ مجاہدینِ اسلام کے حوصلے بلند تھے۔ اس لیے انہوں نے عیسائیوں کو اپنی تلوار کی دھار پر رکھتے ہوئے گاجر مولی کی طرح کاٹنا شروع کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے جنگ کا میدان انسانی لاشوں سے بھر گیا۔ ہر طرف خون ہی خون نظر آ رہا تھا اور اس میں تیرتے ہوئے انسانی اعضاء دکھائی دے رہے تھے۔ ہتھیاروں کے ٹکراؤ اور زخمیوں کی چیخ و پکار سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ تلواروں کی جھنکار سے بجلیاں کوند رہی تھی۔ مجاہدینِ اسلام نے اس طرح تیغ زنی کی کہ بالآخر عیسائی فوج میدانِ جنگ میں بے شمار لاشیں چھوڑ کر بھاگ نکلی اور پھر انہوں نے "استجہ" کے مقام پر پہنچ کر دم لیا۔ یہ مسلمانوں کی دوسری فتح تھی۔

طارق بن زیاد نے اس وقتی فتح پر خوش ہونے کی بجائے مکمل طور پر عیسائیوں کو شکست

دینے کے ارادے کی وجہ سے آرام کرنے کی بجائے دشمن فوج کا تعاقب کیا۔ مسلمانوں کے دل بڑھے اور انہوں نے عیسائی فوج کو "استجہ" کی دیواروں تلے جالیا اور پھر عیسائی فوج کو جان بچا کر بھاگنے کی بھی مہلت نہ دی۔

"راڈرک" میدانِ جنگ سے بھاگ نکلا۔ طارق بن زیاد نے اس کا تعاقب کیا اور تھوڑی دور جانے کے بعد طارق بن زیاد نے اس کا گھوڑا دلدل میں پھنسا ہوا دیکھا۔ "راڈرک" کے انجام کے متعلق قیاس آرائیاں ہیں۔ درست یہ ہے کہ وہ گھوڑے کے پھنس جانے کی وجہ سے دریا میں کود گیا اور دریائے "روز والڈیٹ" کی لہریں اسے اپنے ساتھ بہا لے گئیں اور بہتے بہتے ہی اس کی موت واقع ہوئی۔

☆☆☆

فلورنڈا مصیبتوں کے کٹہرے میں

غمخوار شہزادی ''فلورنڈا'' نے اپنی ہیرے کی انگوٹھی دے کر ایک سپاہی سے خنجر حاصل کرلیا۔ شاہی محل میں شہنشاہ ''راڈرک'' کی موت پر کہرام مچا ہوا تھا۔ شہنشاہ ''راڈرک'' کی بیوہ نے رو رو کر اپنا برا حال کرلیا تھا۔ صبح سے اس کا بھائی ''لرزیق'' جو ''راڈرک'' کے ساتھ میدانِ جنگ میں شامل تھا اور شکست خوردہ فوج کے سرداروں میں سے تھا، اپنی بہن کو تسلیاں دیتے ہوئے کہہ رہا تھا:

''سسٹر! اگر غدار ''اکاؤنٹ جولین'' مسلمانوں کے ساتھ نہ مل جاتا تو ہماری فتح یقینی تھی۔!''

سبتہ کے حاکم ''اکاؤنٹ جولین'' کے نام پر ملکہ بھڑک اٹھی اور اس نے غصے سے کہا

''باپ نے دینِ مسیح کے ساتھ غداری کرکے پوری عیسائی قوم کا سر جھکا دیا ہے اور بیٹی محل میں میرے سینے پر مونگ دَل رہی ہے۔ میں اس کتیا کو پل بھر بھی اور برداشت نہیں کرسکتی۔''

ملکہ انتہائی غصے کی حالت میں ''فلورنڈا'' کے کمرے کی طرف چل دی۔ بیچاری ''فلورنڈا'' اپنے کمرے کی بالکونی میں حزن وملال کی صورت بنی حسرت دیاس سے تکتے ہوئے چاند کو مخاطب کرکے کہہ رہی تھی:

''اے چاند......! تو میرا گواہ ہے......میں نے آج تک اپنے سپاہی کی محبت لا

ر رکھا......لیکن آج اقرار کرتی ہوں کہ ''فلورنڈا'' نے اگر کسی مرد کو زندگی میں چاہا ہے
ا سپاہی ہے......لیکن تقدیر نے میری پھول جیسی جوانی کو جہنم کی آگ میں جھونک دیا
میں نے کئی بار مرنے کی کوشش کی ہے......لیکن مجھ پر پہرے بیٹھا دیئے گئے
..جو مجھے زندہ رہنے پر مجبور کرتے ہیں......لیکن آج وہ ظالم اور عیار اپنے کیف و
پہنچ گیا ہے......جس نے میری جوانی لوٹ کر مجھے سنگِ مرمر کی ان دیواروں کے
میں بند کر رکھا تھا......اور میرے جسم کو میرے سپاہی سے جدا کر دیا تھا......تو آج
روح آزاد ہو جائے گی......پھر میں رات دن سایہ بن کر اپنے سپاہی کے ساتھ
لی......!''

جونہی ''فلورنڈا'' نے خنجر اپنے سینے میں اتارنا چاہا تو جھٹکے سے ایک تلوار کے وار نے
ور پھینک دیا۔ ''فلورنڈا'' نے غصے سے دیکھا تو اس کے قریب ہی ''راڈرک'' کی ملکہ
کا سالار کھڑے تھے۔

ملکہ نے غصے سے کہا:

''غدار باپ کی غدار بیٹی! تجھے اتنی آسانی سے نہیں مرنے دوں گی۔ تیرا باپ بھی کافر ہوگیا
تو بھی۔ میں تجھے بھیک کے ٹکڑے مانگنے کے لیے مجبور کردوں گی۔ ابھی اور اسی وقت اس
سے نکل جا سیاہ ناگن! تو نے میرے سہاگ، میرے شوہر کو ڈس لیا ہے۔ ناگن جتنی حسین
ی زیادہ زہریلی ہوتی ہے۔''

شہزادی ''فلورنڈا'' نے جواب دیتے ہوئے کہا:

''ملکہ! بادشاہ کو میں نے نہیں مسلمانوں کی تلواروں نے قتل کیا ہے۔ میرا باپ کافر نہیں
نے تو اپنی غیرت کی دھجیاں اڑانے والے سے بدلہ لینے کی خاطر ایک ایسی قوم
ر الیا ہے جو خود بھی غیرت مند ہے اور دوسروں کی غیرت کی حفاظت بھی کرتی ہے۔''

ملکہ نے دانت پیس کر اپنے بھائی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''سن لیا لرزیق! یہ لڑکی بھی عیسائی مذہب کی منکر ہے اور مسلمانوں کی تعریف کرکے

اس نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ بھی کافر ہے۔ ابھی اور اسی وقت اسے دھکے دے کر محل سے نکال دو۔"

ملکہ کے بھائی نے جواب دیا:

"نہیں سسٹر! ایسا نہ کرنا، اس کافر لڑکی نے عیسائیت پر اسلام کی برتری بیان کر کے جو جرم کیا ہے وہ قابلِ معافی نہیں۔ میں اسے مذہبی عدالت میں پیش کروں گا۔ میں اس شہنشاہ "راڈرک" کا انتقام لوں گا۔"

شہزادی "فلورنڈا" نے طنزیہ جواب دیا:

"تم اور کر بھی کیا سکتے ہو۔؟ میدانِ جنگ میں مسلمانوں سے بدلہ لینے کی بجائے بھاگ کر جان بچانے والے کمزور عورتوں سے ہی بدلہ لیا کرتے ہیں۔ بہتر ہے تلوار اٹھانے کی بجائے ہاتھوں میں چوڑیاں پہن لو۔ اگر تم بہادر ہوتے تو مسلمانوں کی تلواریں شہنشاہ تک نہ پہنچ سکتیں۔ شہنشاہ کو مسلمانوں نے نہیں بلکہ تم جیسے ڈرپوک، بزدل اور ناکارہ سپاہیوں نے قتل کیا ہے۔"

پھر اس سے پہلے کہ "لرزیق" کی تلوار "فلورنڈا" کا سر قلم کر دے اس کے وار کو ایک غلام نے اپنی تلوار پر لے لیا۔ "لرزیق" اور ملکہ نے غصے سے دیکھا کہ ایک سیاہ فام سپاہی یہاں موجود تھا جس نے اس کی تلوار کو روکا تھا۔ ملکہ نے قہر بھری نظروں سے دیکھ کر سوال کیا

"اس نمک حرامی کا مقصد۔؟"

سپاہی نے سر جھکا کر جواب دیا:

"نمک حرامی نہیں نمک حلال کر رہا ہوں۔ مادر ملکہ! آپ کو علم ہے کہ میں شہنشاہ "راڈرک" کا زرخرید غلام ہوں۔ شہنشاہ کے حکم سے آج تک ملکہ "فلورنڈا" کی زندگی کی حفاظت کرتا رہا ہوں اور جب تک زندگی ہے میں اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کرتا رہوں گا۔!"

"نائٹ لرزیق" نے ملکہ سے کہا:

"چلو سسٹر! بھائی صاحب نے بھی اپنی آستین میں نہ جانے کتنے سانپ پال رکھے

ہیں۔ میں ان سب کو دیکھ لوں گا۔"

اُندلس کی سلطنت پارہ پارہ ہو چکی تھی......اور جو حاکم جہاں موجود تھا وہ اپنی خودمختاری کا اعلان کر چکا تھا......اس لیے اس شیرازے کو یکجا کرنے اور اپنی برتری قائم رکھنے کے لیے حکومت کی مشاورتی کمیٹی میں موجود تمام پادریوں نے باہم مشورے سے "اسقفِ اعظم" کے ایک عیاش اور بدمعاش بھتیجے کو کٹھ پتلی حکمران بنا کر تخت پر بیٹھا دیا......اس طرح حکومت کی باگ دوڑ پوری طرح پادریوں کے قبضے میں آ گئی......!

یہ خبر تمام اُندلس میں پھیل گئی کہ "راڈرک" کی جگہ پادریوں نے تخت پر بہادر حاکم "تھیوڈوم" کی بجائے "اسقفِ اعظم" کے اوباش بھتیجے "مارکوس" کو بیٹھا دیا ہے......یہ لوگ پہلے ہی پادریوں کے اقتدار سے تنگ آئے ہوئے تھے اور پھر اب تمام علاقوں کے حاکم گویا خودمختار بھی ہو چکے تھے......ان کو یہ بات کب گوارہ تھی......پھر اُندلسی اس غلط فہمی کا شکار تھے کہ طارق بن زیاد مالِ غنیمت لے کر واپس لوٹ جائیں گے......لیکن جب انہوں نے اسلامی فوج کی پیش قدمی دیکھی تو تمام امراء پایۂ تخت "طلیطلہ" میں جمع ہوئے......ان تمام میں "تھیوڈوم" کو زیادہ امتیاز حاصل تھا......اس نے تمام بکھرے ہوئے شیرازے کو اکٹھا کر کے سب کو ایک جھنڈے تلے جمع ہونے کا مشورہ دیا......لیکن کلیسا کے اکابر پادریوں نے اس شرط پر الحاق کرنا تسلیم نہ کیا......وہ چاہتے تھے کہ اُندلس کی تمام فوج کی کمان "اسقفِ اعظم" کے بھتیجے "مارکوس" کے ہاتھ دے دی جائے اور اسے اُندلس کا فرمانروا تسلیم کر لیا جائے......!

ظاہر ہے یہ بات دوسروں کے لیے قابلِ قبول نہ تھی......وہ تو فوج کی کمان "تھیوڈوم" کے ہاتھ میں دینا چاہتے تھے......جو ایک بہادر سپاہی اور جنگ آزما سپہ سالار تھا......لہٰذا پادریوں کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے اُندلس میں کئی خودمختار ریاستیں قائم ہو گئیں......اور اُندلسی شہنشاہ "راڈرک" کے بعد مسلمانوں کی مداخلت کے لیے کوئی بڑی فوج بھی نہ کر سکے......ان حالات کو دیکھتے ہوئے "اکاؤنٹ جولین" نے (جو اپنی

بیٹی ''فلورنڈا'' کے لیے بے چین تھا) طارق بن زیاد سے مشورہ کیا کہ وہ اسلامی لو
کو اندلس کے تمام بڑے صوبوں میں پھیلا کر علیحدہ علیحدہ علاقے فتح کریں۔

تاریکی کے عالم میں اپنے کمرے میں موجود ''فلورنڈا'' اپنے پلنگ پر پڑی
لے رہی تھی کہ اچانک کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''فلورنڈا'' نے سر اٹھا
تو ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ سجائے ''لرزیق'' کھڑا تھا۔ ''فلورنڈا'' نے زہر خند نگا
سے دیکھ کر غصے سے پوچھا:

''اس وقت تم میرے کمرے میں کیوں آئے ہو۔؟''

لرزیق نے جواب دیا:

''شعلے پر شبنم کی بارش کرنے۔ اپنی پھول سی جوانی کو کیوں کانٹوں میں الجھا
ہے۔؟ بوڑھا اور ظالم ''راڈرک'' مر چکا ہے۔ اب اگر تم ان جوان بازوؤں کا سہارا
کرلو تو عمر بھر ملکہ بن کر رہ سکتی ہو۔!''

یہ سن کر شہزادی ''فلورنڈا'' زخمی شیرنی کی طرح اُٹھ کھڑی ہوئی اور اس نے گر
ہوئے جواب دیا:

''نکل جا شیطان! میرے کمرے سے۔! میں تیرے منہ پر تھوکنا بھی پسند نہیں
کرتی۔!''

''نائٹ لرزیق'' نے قدرے برہم ہو کر کہا:

''فلورنڈا! تمہیں احساس نہیں کہ تم تلوار کی دھار پر کھڑی ہو۔ میرے اشارے پر تم
خوشیوں سے دامن بھی بھر سکتی ہو اور انگاروں سے جل بھی سکتی ہو۔ میں چاہوں تو اس پھول
کو زبردستی مسل بھی سکتا ہوں اور میری راہ میں کوئی حائل بھی نہیں ہو گا۔''

ایک غلام نے جواب دیا:

''یہ آپ کی غلط فہمی ہے نائٹ! گلوں کے ساتھ خار بھی ہوتے ہیں۔ شاید گلوں کی
حفاظت کے لیے۔''

''نائٹ لرزیق'' نے غصے سے مڑ کر دیکھا کہ ایک محافظ حبشی تلوار کے قبضے پر گرفت
مضبوط کیے کھڑا تھا۔

''نائٹ لرزیق'' نے دانت پیس کر جواب دیا:

''کتے! نمک حرام! تیری یہ ہمت۔؟''

پھر اس سے پہلے کہ غلام کوئی جواب دیتا یا وار کرتا اس کی گردن دھڑ سے جدا
ہو کر زمین پر آ گری۔ شہزادی ''فلورنڈا'' کے حلق سے فلک شگاف چیخ نکل کر محل میں گونج گئی
اور پھر کئی محافظ اپنے بھاری قدموں سے رات کے سناٹے میں آواز پیدا کرتے
ہوئے ''فلورنڈا'' کی خواب گاہ کی طرف دوڑے۔ ان کے ہمراہ محافظوں کا حاکمِ اعلیٰ بھی
تھا۔ جونہی وہ کمرے میں داخل ہوئے اور محافظ کی لاش کو دیکھا تو اس نے ''نائٹ
لرزیق'' سے سوال کرتے ہوئے کہا:

''شہزادے! آپ؟ یہاں؟ اسوقت؟ کیا آپ نے اس غلام کو قتل کیا ہے۔؟''

''نائٹ لرزیق'' نے کہا:

''ہاں! میں نے ہی اس غدار کو قتل کیا ہے۔ کیوں کیا ہے اس کا جواب میں کلیسا کی
عدالت میں دوں گا۔ اگر تم سچے مسیحی ہو تو اس لڑکی کو حراست میں لے لو۔ جو قوی غدار بھی
ہے اور مسلمانوں کی طرف دار بھی۔''

محافظوں کے حاکم نے حیرت سے ''فلورنڈا'' کی طرف دیکھا جو سکتہ کے عالم
میں حبشی غلام کی لاش کو دیکھ رہی تھی۔

''نائٹ لرزیق'' نے کہا:

''اس کی معصومیت کو نہیں اس کے گرد زہریلے کانٹوں کو دیکھو۔ جانتے ہو مسلمانوں کی
فوجیں مسلسل فتح کیوں حاصل کرتی جا رہی ہیں۔؟ اس لیے کہ ہمارے درمیان ایسے معصوم
اور حسین جاسوس موجود ہیں جو ہمارے خفیہ رازوں سے انہیں مطلع کر دیتے ہیں۔''

☆☆☆

فردِ جرم......شہر استجہ کی فتح

یہ کلیسا کی مذہبی عدالت ہے۔اس عدالت میں ''اسقفِ اعظم'' اوراس کے نائب ''لارڈ پادری ڈیوڈ'' کے علاوہ تمام بڑے بڑے پادری موجود ہیں۔اُندلس کا موجودہ شہنشاہ ''مارکوس'' بھی ایک طرف کرسی پر بیٹھا ہے۔ہرطرف خاموشی چھائی ہوئی ہے۔ ہر ایک بیچاری ''فلورنڈا'' کی معصوم صورت کی طرف دیکھ رہا ہے کہ بھلا یہ شہزادی مجرم کیسے ہوسکتی ہے۔؟ ایک طرف ''فلورنڈا'' کٹھیرے میں کھڑی ہے اوردوسری طرف ''نائٹ لرزیق'' بھی موجود ہے۔آخر ''اسقفِ اعظم'' نے بے گناہ ملزمہ ''فلورنڈا'' کومخاطب کیا جس پر جاسوس ہونے کا الزام لگایا گیا تھا۔ہال میں ''اسقفِ اعظم'' کی بھاری اور بارعب آواز گونج اٹھی۔وہ کہہ رہا تھا:

''لڑکی! کیا یہ درست ہے کہ عین اس وقت جب تم اپنے غلام کی معرفت عیسائیوں کے راز مسلمانوں تک پہنچانا چاہتی تھیں کہ ہمارے بہادر ''نائٹ لرزیق'' نے پکڑلیا اور تمہارے غدار محافظ غلام کی مداخلت پر اسے قتل کردیا۔؟ تم اپنی صفائی میں کیا کہنا چاہتی ہو جب کہ کلیسا کے علم میں یہ بات موجود ہے کہ تمہارا باپ ''اکاؤنٹ جولین'' مسلمانوں کی کھلے عام مدد کررہا ہے۔؟ کلیسا کی عدالت کو یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہاں کے تمام راز تم ہی اپنے کافر باپ کو بھیجتی رہی ہو جس سے ہم کو شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے۔''

بے چاری، بے گناہ ''فلورنڈا'' نے حقارت سے ''نائٹ لرزیق'' کی طرف دیکھا اور

ادب سے جواب دیتے ہوئے کہا:

''مقدس فادر! کہنے کے لیے میرے پاس بھی بہت کچھ ہے لیکن حقیقت اتنی تلخ اور بدمزہ ہوتی ہے کہ اسے ہر کوئی آسانی سے حلق سے نہیں اتار سکتا۔مسیح کی قسم! مجھے اب معلوم ہوا ہے کہ دینِ عیسائیت کی شکست کا باعث کیا ہے۔''

اسقفِ اعظم نے پروقار اور نرم آواز میں سوال کیا:

''ہمیں بتاؤ! ہم سننا چاہتے ہیں۔!''

''فلورنڈا'' نے کہا:

''مقدس فادر! ہماری شکست کا باعث ہمارا کردار، ہماری اوباش فطرت، جھوٹ اور مکاری ہے۔مسیح کی قسم! ہم اس دین کے پیروکار ہی نہیں ہیں جس کی تعلیم ہمیں یسوع مسیح نے دی تھی۔ہم ذہنی اور فطرتی طور پر قلاش ہوچکے ہیں اور ہمارے اخلاق کا دیوالہ نکل چکا ہے۔ہم دوسروں کی عزت بچانے کی بجائے اپنی ہی غیرتوں کے چیتھڑے اڑنے کو تیار رہتے ہیں۔جو قوم اخلاقی طور پر اس قدر پستی کا شکار ہوجائے وہ جنگ کبھی نہیں جیت سکتی۔''

اسقفِ اعظم نے کہا:

''خاموش! بے ادب لڑکی! مذہب پر اتنا بڑا الزام لگانے سے پہلے ہم پوچھتے ہیں کیا ثبوت ہے تیرے پاس۔؟''

کٹھیرے میں کھڑی شہزادی ''فلورنڈا'' نے کہا:

''کیا ثبوت کے طور پر میں موجود نہیں ہوں۔؟ مقدس فادر! کاش! میں آپ کی بیٹی ہوتی تو آپ سے پوچھتی کہ جس باپ کی غیرت کو قانون کی آڑ میں لوٹ لیا جائے اس کی کیا حالت ہوتی ہے۔؟ کیا شہنشاہ ''راڈرک'' نے میرے باپ کو دھوکہ دیتے ہوئے اس کی عزت کو پامال نہیں کیا۔؟ اس شیطان ''نائٹ لرزیق'' سے پوچھیے فادر! ایک بیٹی کا باپ بن کر جس نے اپنی ہوس کی سیاہی کو جاسوسی کا الزام بنا کر میرے دامن میں ڈال دیا ہے۔فادر! جنگ عزم

اور بہادری سے جیتی جاتی ہیں، قوتِ بازو سے جیتی جاتی ہیں، جوانمردی اور شجاعت سے
جاتی ہیں، لیکن جس قوم کے پاس یہ سارے ہی جوہر مفقود ہوں وہ اپنی شکست کو کوئی بھی نا
دے سکتی ہے۔ مجھے اور کچھ نہیں کہنا۔ دنیا نے مجھے دُکھوں کے سوا دیا ہی کیا ہے جو جینے کی آ
کروں۔؟ میرا ضمیر مطمئن ہے کہ اس بڑی عدالت میں بیٹھے حضرت یسوع مسیح اور ماں مر
خوب جانتے ہیں کہ میں بے گناہ ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ میرے ساتھ نہ پہلے انصا
ہوا اور نہ اب ہی ہوگا۔!!!''

اسقفِ اعظم نے سانپ کی طرح پھنکارتے ہوئے کہا:

''لڑکی! تو نے مجھ سمیت اس کلیسا کی عدالت میں موجود سارے ہی پادریوں کی توہین
کی ہے۔ تو نے کھلے عام ہمیں الزام دیا ہے کہ ہم انصاف نہیں کریں گے۔ جانتی ہو اس طرح
تم نے خود مسیح کی گستاخی کی ہے۔ جس کے ہم سب نائب اور حواری ہیں۔''

پھر اسقفِ اعظم نے اپنی فوج کے دستے کی طرف دیکھتے ہوئے جو کہ عدالت میں
موجود تھا حکم صادر کرتے ہوئے کہا:

''کلیسا کی توہین کے جرم میں اس لڑکی کو زندان میں ڈال دیا جائے۔!''

اسقفِ اعظم کا یہ حکم سن کر بے گناہ شہزادی ''فلورنڈا'' روتے ہوئے اور اپنے آ
پونچھتے ہوئے بولی:

''شکریہ فادر! بیٹی کے ساتھ خوب انصاف کیا ہے۔ اسے زندگی کی بھیک دے کر
کے عذاب سے دوچار کر دیا ہے۔ بیٹیاں ہوتی ہی بدنصیب ہیں فادر! اتنی معصوم
اور کمزور ہونے کے باوجود نہ جانے سارا معاشرہ ہر قسم کی ذمہ داری کا بوجھ ان بیٹیوں کے
کندھوں پر ہی کیوں ڈال دیتا ہے۔؟ مردوں کے بنائے ہوئے معاشرے نے تو ماں مر
کو مجرم قرار دے دیا تھا۔ میں تو ان کی بدنصیب کنیز ہوں۔!''

اس کے بعد سپاہیوں نے ''فلورنڈا'' کو پکڑ کر جیل خانہ منتقل کر دیا۔

طارق بن زیاد اور حاکمِ سبتہ ''اکاؤنٹ جولین''، شہزادی ''فلورنڈا'' کو حاصل کرنے

کے لیے سارے اُندلس کو روند ڈالنا چاہتے تھے۔ اس لیے ''اکاؤنٹ جولین'' کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے طارق بن زیاد نے اسلامی لشکر کو مختلف حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے سب سے پہلے اُندلس کے شہر ''قرطبہ'' کی طرف توجہ دی۔

افریقہ میں اسلامی فتح اور مالِ غنیمت کی فراوانی کی داستانیں پہنچنے سے لوگ جوق در جوق افریقہ سے اسلامی لشکر میں شامل ہونے کے لیے آرہے تھے اور اسلامی فوج میں دن بدن اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ مسلمان ''روز والڈیٹ'' کی جنگ جیت کر پورے جزیرۂ نما اُندلس کو فتح کرنے کا دروازہ کھول چکے تھے۔

طارق بن زیاد نے خلیفہ ولید بن عبدالملک کے خاص غلام مغیث کو ایک مختصر سی فوج دے کر اُندلس کے شہر ''قرطبہ'' پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ شہرِ ''قرطبہ'' کے تمام امراء وغیرہ ''تھیوڈومر'' کی دعوت پر حالاتِ حاضرہ کے بارے میں پادریوں کی حکومت، انکی ناعاقبت اندیشی اور مسلمانوں کے سیلاب کو روکنے کی تدبیروں پر غور کرنے کے لیے گئے ہوئے تھے۔

''قرطبہ'' میں اس وقت صرف صوبہ دار چار سو سپاہیوں اور شہریوں کے ہمراہ موجود تھا۔ رات کے وقت مغیث نے حملہ کر دیا اور بغیر مزاحمت کے فصیل کے نیچے جا پہنچے۔ صوبے دار نے عام شہریوں کو فوجی وردیاں پہنا کر لا کھڑا کیا تا کہ مسلمان سمجھیں کہ یہاں کافی تعداد میں فوج موجود ہے۔ لہٰذا مسلمانوں نے فصیل پر سیڑھیاں لگا کر چڑھنے کی کوشش شروع کی۔ شہری لوگ کیونکہ طریقۂ جنگ سے واقف نہ تھے، اس لیے وہ پتھر اور کھولتا ہوا تیل وغیرہ مسلمان مجاہدین پر پھینکنے لگے جس سے تھوڑا بہت جانی نقصان ہوا لیکن مسلمان سپاہی جو آزمودہ کار تھے فصیل پر جا پہنچے۔

ناآزمودہ کار شہریوں نے جان بچانے کے لیے ہتھیار پھینک کر امان طلب کیا۔ مغیث نے انہیں امان دے کر اسلامی لشکر کو تلواریں نیام کرنے کا حکم دیا۔ یوں اسلامی لشکر شہر ''قرطبہ'' پر قابض ہو گیا لیکن حاکمِ صوبہ بھاگ کر قلعے میں جا چھپا۔ مغیث نے قلعے

کا محاصرہ کرلیا آخر ایک روز صوبہ دار رات کی تاریکی میں قلعہ چھوڑ کر بھاگ نکلا اور اسلامی فوج نے اسے گرفتار کرلیا۔ اس طرح یہ اسلامی لشکر اُندلس کے شہر ''قرطبہ'' کے صوبے پر قابض ہوگیا۔

اسلامی لشکر نے صرف سات سو (700) سواروں کی مدد سے یہ کارنامہ سرانجام دیا تھا۔ یہ وہی شہر تھا جہاں بیٹھ کر شہنشاہ ''راڈرک'' نے اسلامی لشکر سے مقابلہ کرنے کے لیے فوج کو تیار کیا تھا۔ طارق بن زیاد نے خود اسلامی لشکر کے ساتھ اُندلس کے جنوب مغربی علاقے کا رُخ کیا۔ اس علاقے میں گاتھ خاندان کے شہزادوں کے حامیوں کی تعداد زیادہ تھی اس لیے اسلامی لشکر کو اس علاقے کی فتح میں بڑی آسانی ہوئی۔

طارق بن زیاد نے سب سے پہلے صوبہ ''فارس'' کے مشہور شہر ''شذونہ'' پر لشکر کشی کی اور وہ شہر پناہ تک جا پہنچے۔ شہر کے لوگ مسلمانوں سے اتنے خائف تھے کہ مقابلہ کرنے کی بجائے شہر میں محصور ہو گئے۔ طارق بن زیاد نے خوراک اور پانی والے راستے بند کردیئے لہٰذا پانی اور خوراک کی قلت کے پیشِ نظر ان کا ایک وفد طارق بن زیاد کی خدمت میں حاضر ہوا اور جانی امان کے وعدے پر شہر کے دروازے اسلامی لشکر کے لیے کھول دیئے۔ طارق بن زیاد نے اس شہر کا انتظام ایک معقول سردار کے سپرد کرکے شہر کے مغرب کی سمت ایک دوسرے شہر ''حصن المدوّ'' کا رُخ کیا۔

جونہی اسلامی لشکر فتح و نصرت کے پھریرے لہراتا ہوا اس شہر کے قریب پہنچا تو اسلامی جاہ و جلال کو دیکھتے ہی شہر والوں نے اطاعت قبول کر لی۔ یہ شہر بھی طارق بن زیاد کے حوالے کر دیا گیا۔ لشکر کو آرام کا موقعہ دے کر اور مزید تیاریاں کر کے اب طارق بن زیاد نے صوبہ ''اشبیلیہ'' کا رخ کیا۔ صوبہ ''اشبیلیہ'' سے تیس میل کے فاصلے پر شہر ''قرمونہ'' واقع تھا۔ جب اسلامی لشکر اس شہر میں پہنچا تو شہر کے حاکم نے باہر نکل کر طارق بن زیاد کا استقبال کیا اور اطاعت قبول کر لی۔ اس طرح یہ شہر بھی حکومتِ اسلامیہ میں داخل ہو گیا۔
یہاں سے فارغ ہوتے ہی طارق بن زیاد اسلامی لشکر کے ساتھ ہوا کے دوش

پر اڑتے ہوئے آندھی اور طوفان کی طرح اُندلس کے تاریخی شہر ''اشبیلیہ'' کے دروازے پر دستک دینے جا پہنچے۔ اسلامی لشکر کی آمد سے شہر کے در و دیوار میں زلزلہ سا آ گیا۔ یہ شہر گاتھ خاندان کی حکومت سے مدتوں پہلے اُندلس کا پایۂ تخت رہ چکا تھا۔ اُندلس کے زیادہ تر مذہبی پیشوا اسی شہر میں موجود تھے۔ پادریوں اور عیسائی پیشواؤں نے صلیبِ مقدس کی قسمیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حرمت کا واسطہ دے کر شہریوں میں غیرتِ ملّی پیدا کرنے کی کوشش کی اور اسلامی لشکر کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے انہیں تیار کیا۔ لیکن ان کی یہ کوشش کامیاب نہ ہوسکی۔ حالانکہ لوگوں کی کثیر تعداد نے ان کی بات مانی لیکن پہلے ہی دن اسلامی مجاہدین کی تلواروں نے ایسے جوہر دکھائے کہ ان کا مذہبی جنون خون بن کر بہہ گیا۔

شہری فوج شکست کھا کر قلعہ بند ہوگئی۔ قلعہ کافی مضبوط تھا اس لیے ایک مہینہ تک محاصرہ رکھنے کے بعد بڑی کوششوں اور ہمتوں کے ساتھ طارق بن زیاد کی حکمتِ عملی سے یہ شہر فتح ہوا۔

شہر ''اشبیلیہ'' پر قبضہ کرنے کے بعد طارق بن زیاد کو اطلاع ملی کہ ''راڈرک'' کی شکست خوردہ فوج کے سپاہیوں کی کافی تعداد ''استجہ'' شہر میں جمع ہوگئی ہے۔ یہ شہر بھی صوبہ ''اشبیلیہ'' میں واقع تھا۔ لہٰذا طارق بن زیاد نے بغیر آرام کیے اس شہر پر چڑھائی کردی۔ یہاں ''راڈرک'' کی فوج کے بہادر اور تجربہ کار سپاہی موجود تھے۔ انہوں نے اپنی فوج میں اضافہ کرنے کے لیے شہریوں میں یہ مشہور کردیا کہ مسلمان بڑے ظالم اور سفاک لوگ ہیں۔ یہ مال و متاع لوٹ لینے کے بعد مردوں کو غلام اور عورتوں کو لونڈیاں بنا لیتے ہیں۔ یہ آدم خور قوم میں سے ہیں۔ خوراک کی قلت میں انسانوں کو پکا کر کھانے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ فوج کی ان باتوں نے شہریوں میں اتنا خوف و ہراس پھیلا دیا کہ یہ شہری لوگ اپنی زندگی اور بقا کے لیے مسلح ہوکر سپاہیوں کے ساتھ مل کر جنگ کے لیے صف آرا ہو گئے۔

''روز والڈیٹ'' کی لڑائی کے بعد مسلمانوں کو اتنی کثیر فوج کا پھر سامنا نہ کرنا پڑا۔

جونہی اسلامی لشکر شہر کے قریب پہنچا تو "استجہ" والوں نے شہر سے باہر نکل کر مسلمانوں کے واروں کا بہت سختی سے مقابلہ کیا۔

زبردست جنگ ہوئی اور اس جنگ میں "راڈرک" کی فوج کے سرداروں نے اپنی گزشتہ شکست کی شرمندگی کو مٹانے کے لیے بڑی بہادری اور شجاعت سے جم کر مقابلہ کیا۔ شمشیروں سے شمشیریں اس طرح ٹکرائیں کہ شرارے نکلنے لگے۔ نیزوں کی انیاں زرہ کو کاٹتی ہوئیں پسلیوں میں اتر گئیں۔ پیدل سے پیدل اور سوار سے سوار اس طرح ٹکرائے کہ دور تک ایک دوسرے کی صفوں میں گھستے چلے گئے۔ لڑنے والوں کے سر کٹ کٹ کر زمین پر گر رہے تھے اور ایسے لگتا تھا کہ جیسے آج بادل سے پانی کی نہیں بلکہ کٹے ہوئے انسانی سروں کی بارش ہو رہی ہے۔

سپاہیوں کے ہاتھ پاؤں اور بازو ایسے کٹ کٹ کر گر رہے تھے جیسے کہ تیز آندھی سے پکے ہوئے پھل گرتے ہیں۔ ہتھیاروں کی جھنکار اور مرنے والوں کی چیخ و پکار میں ایک جان لیوا جہاں آباد تھا۔ اس چیخ و پکار کی وجہ سے کان پڑی آواز بھی سنائی نہیں دیتی تھی۔

زمین پانی کی بجائے خون سے لالہ زار ہو چکی تھی اور گھوڑوں کے سم اس خون میں ڈوب رہے تھے۔ اس جنگ میں عیسائی سپاہیوں کے علاوہ مسلمانوں کو بھی عظیم نقصان کا سامنا کرنا پڑا کہ ان کے کئی بہادروں نے جامِ شہادت نوش فرمایا، لیکن اسلامی لشکر موت سے بے خوف میدانِ جنگ میں ڈٹا رہا۔ بالآخر مسلمانوں نے ایسا زوردار حملہ کیا جس کی تاب نہ لا کر مخالف فوج بھاگ کھڑی ہوئی یہاں تک کہ عیسائی فوج شہر کی طرف بھاگی اور شہر کے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔

طارق بن زیاد نے اپنی فوج کے ساتھ شہر کا محاصرہ کر لیا۔ جب محاصرے کو کئی دن ہو گئے تو طارق بن زیاد شہر فتح کرنے کے لیے دن رات تدبیروں میں مصروف ہو گئے۔ وہ رات کی تاریکی میں تنہا شہر پناہ کی فصیل کے ساتھ ساتھ پریشانی سے گھومتے اور فصیل کے کمزور حصے کو تلاش کرتے لیکن کئی دن رات کی کوشش کے بعد بھی طارق بن زیاد کو کوئی ایسی

نہ مل سکی کہ جس میں نقب لگا کر وہ اور ان کی فوج شہر کے اندر داخل ہو جائے۔

ایک رات طارق بن زیاد اسی شش و پنج میں فصیل کے باہر گھوم کر اس کا معائنہ کر رہے کہ انہوں نے چند آدمیوں کو دیکھا جو بڑے بڑے مشکیزے جانوروں پر لاد کر شہر سے نکل "دریائے شنیل" کی طرف جا رہے تھے تاکہ ان مشکیزوں میں پانی بھر کر شہریوں کی ں بجھائیں۔

ابھی طارق بن زیاد دیکھ ہی رہے تھے کہ ان میں اسے ایک آدمی کی نظر طارق بن زیاد پڑ گئی۔ اس نے اپنی تلوار سونت لی اور وہ طارق بن زیاد کی طرف جھپٹا۔ اس کے ساتھی شہر کی طرف اس ڈر سے بھاگ گئے کہ شاید طارق بن زیاد کے ساتھ مسلمانوں کی ی جماعت موجود ہے۔ انہوں نے اپنے آدمی کو تنہا چھوڑ کر شہر کا درواز بند کر دیا۔

اب اس آدمی اور طارق بن زیاد کے درمیان تلوار کے وار ہونے ۔ دونوں میں بڑا زبردست مقابلہ ہوا۔ شہر سے باہر رہنے والا اور طارق بن زیاد سے بلہ کرنے والا آدمی نہایت تجربہ کار، صاحب تدبیر، سخت جان، بہادر اور تیز ترار تھا۔ اس ، طارق بن زیاد کو اسے زیر کرنے کے لیے بڑی ہمت اور کوشش کرنی پڑی تب ر انہوں نے "استجہ" کے اس آدمی کو زیر کیا اور اسے پکڑ کر اسلامی لشکر میں لے آئے۔

آدمی شکل و صورت سے معزز معلوم ہوتا تھا۔ اس لیے طارق بن زیاد نے اس سے شہر حالات پوچھے۔ پہلے تو وہ آدمی خاموش رہا اور بہانے بنانے لگا پھر اس نے کہا کہ وہ فر کی حیثیت رکھتا ہے اور اس شہر میں پناہ لیے ہوئے ہے۔ جب اس آدمی پر سختی کی گئی ں نے اپنی زبان کھول دی۔ یہ شخص اس شہر کا والی تھا۔

آخر شہر کو تباہی سے بچانے اور عوام کے جان و مال کی حفاظت کے خیال سے اس نے ت قبول کرتے ہوئے امان طلب کیا۔ طارق بن زیاد نے اس سے امان کا وعدہ لیا۔ "استجہ" کے حاکم نے جزیہ دینا منظور کر لیا اور حسبِ منشا دونوں شرطیں طے ہیں تو حاکمِ "استجہ" نے جا کر دروازہ کھلوا دیا۔ اسلامی لشکر شہر میں داخل ہوا۔ چونکہ طارق

بن زیاد ان سے امان کا وعدہ کر چکے تھے اس لیے اسلامی لشکر کے سپاہیوں نے اس شہر میں امن وامان قائم رکھا اور اپنی روایات کے مطابق اس شہر کی عوام کے ساتھ نیک سلوک کیا۔

طارق بن زیاد نے شہر کا معائنہ فرمایا تو انہیں معلوم ہوا کہ اس شہر میں پینے کے پانی کی کمی ہے۔لہٰذا طارق بن زیاد نے شہریوں کے لیے پانی کی اس قلت کو دور کرنے کے لیے ''دریائے شعیل'' سے ایک نہر نکال کر شہر تک پہنچا دی۔اب شہر میں پانی کی کوئی قلت نہ تھی۔ ہر ایک پانی کو بغیر کسی کی اجازت کے استعمال کر سکتا تھا۔

اس نہر کے ذریعے شہر والوں میں مسلمانوں کے متعلق جو خوف و ہراس پھیلا ہوا تھا سب دور ہو گیا اور انہوں نے اس مسلمان قوم کو سنائے گئے کاموں اور فعلوں کے برعکس پایا۔ مسلمانوں نے اپنے کردار اور برتاؤ سے شہر والوں کے دل جیت لیے۔لہٰذا انہوں نے طارق بن زیاد کی یاد قائم رکھنے کے لیے اس نہر کا نام ''عَیْنُ الطّارِقِ'' (طارق کا چشمہ) رکھ دیا۔

شہر ''استجہ'' پر مسلمانوں کے قبضہ کرنے کی خبر سن کر اُندلس کے بڑے بڑے امراء اور جاگیردار مسلمان فوج سے خائف ہو کر اپنی دولت کا خزانہ سمیٹ کر ''طلیطلہ'' میں پناہ گزین ہو گئے۔اس شہر کی فصیل مضبوط اور قلعہ ان کے خیال میں ناقابلِ تسخیر تھا۔

دوسری طرف حاکمِ سبتہ ''اکاؤنٹ جولین'' نے طارق بن زیاد کو مشورہ دیا کہ اس وقت اُندلس والوں پر اسلامی فوج کی ہیبت طاری ہے۔یہ لوگ اس وقت بکھرے ہوئے شیرازے کی صورت میں ہیں۔اس سے پہلے کہ یہ لوگ اکٹھے ہو کر کسی ایک کو اپنا حاکم بنا لیں،اس کے علم تلے اکٹھے ہو جائیں اور ان میں شیرازہ بندی ہو جائے ان کو اسی انتشار کی حالت میں فتح کر لیا جائے۔لہٰذا فوری طور پر اُندلس کے دارالسلطنت ''طلیطلہ'' پر قبضہ کر لیا جائے۔

طارق بن زیاد نے اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لیے باہم مشورہ کیا اور اس

دوران ''استجہ'' کو ہی اپنا صدر مقام بنایا۔فوجی طاقت بڑھانے کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنی اس تجویز کی منظوری کے لیے والیِ افریقہ اور اپنے استاذ و آقا موسیٰ بن نصیر سے منظوری طلب کی۔اس دوران انہوں نے لشکر کو چھوٹے چھوٹے دستوں میں تقسیم کر کے مختلف علاقوں میں روانہ کیا تاکہ قریب و جوار کے اہم شہروں کو فتح کر لیا جائے جن میں غرناطہ،طالقہ،قرطبہ اور تدمیر وغیرہ شامل تھے۔

اسی اثناء میں طارق بن زیاد کے پاس موسیٰ بن نصیر کا جواب بھی آ گیا۔موسیٰ بن نصیر نے اس خط میں طارق بن زیاد کی تجویز سے اتفاق نہیں کیا اور حکم دیتے ہوئے لکھا:

''طارق! تم اپنی پیش قدمی روک دو۔ میں خود ہی امدادی لشکر لے کر اُندلس آ رہا ہوں۔حالات کا جائزہ لینے کے بعد جو مناسب ہوگا اس پر عمل کروں گا۔''

موسیٰ بن نصیر کے اس جواب سے طارق بن زیاد کو بہت دکھ ہوا۔وہ اُندلس کے حالات کو موسیٰ بن نصیر سے زیادہ جانتے تھے اور اپنے مقصد میں اس قدر مضبوط اور مطمئن تھے کہ انہوں نے موسیٰ بن نصیر کے اس حکم پر عمل کرنے کی بجائے ''طلیطلہ'' کی طرف یہ سوچ کر پیش قدمی کر دی کہ کہیں موسیٰ بن نصیر کے آنے تک اُندلس کی فوج کا منتشر شیرازہ یکجا ہو کر کوئی بڑی طاقت نہ بن جائے۔

اُدھر موسیٰ بن نصیر کو جب طارق بن زیاد کی حکم عدولی کی خبر ملی تو آپ پر طارق بن زیاد کی یہ حرکت سخت ناگوار گزری۔طارق بن زیاد کی کامیابیوں سے حسد کرنے والے لوگوں نے بھی طارق بن زیاد کی حکم عدولی کرنے اور دوسرے خود ساختہ قصے گھڑ کر موسیٰ بن نصیر کے کان بھرنے شروع کر دیئے۔بالآخر موسیٰ بن نصیر نے طارق بن زیاد کی اس حکم عدولی کو بغاوت پر محمول کیا۔

☆☆☆

طلیطلہ کی فتح

طارق بن زیاد نے موسیٰ بن نصیر کے فیصلے کو نظر انداز کر دیا اور اسے نامناسب سمجھ کر حاکمِ سبتہ ''اکاؤنٹ جولین'' کی راہنمائی میں لشکرِ اسلام کو آندھی اور طوفان بگولوں کی طرح ''طلیطلہ'' کی طرف بڑھایا۔ اسلامی فوج کی آمد کی خبر سن کر اس شہر میں موجود اُندلس کے امراء اور جاگیرداروں نے شہرِ طلیطلہ چھوڑ کر ''کوہِ طلیطلہ'' کی دوسری سمت موجود آبادیوں کی طرف رُخ کیا۔ اس شہر کا مذہبی راہنما اسقفِ اعظم بھی یہاں سے فرار ہو کر روم چلا گیا۔ اسقفِ اعظم یوں اُندلس کا سب سے بڑا عیسائی عالم اور پادری تھا۔

جب یہ روم پہنچا تو اہلِ روم نے اسے بڑا بے عزت اور ذلیل کیا اور اسے کہا:

''اسقفِ اعظم! ایسے وقت میں جب تمہیں عیسائی آبادی کی راہبری کے فرائض ادا کرنے چاہئے تھے، انہیں غیرتِ ملّی دلا کر مسیح کی عظمت پر مر مٹنے کی تقریریں کرنی چاہیے تھیں اور مسلمانوں کو اُندلس سے نکال دینے کا ولولہ عیسائی قوم میں پیدا کرنا تھا تو تم ان میں یہ ولولہ پیدا کرنے کی بجائے انہیں تنہا چھوڑ کر یہاں آگئے ہو؟ جاؤ! انہیں مسلمانوں کی تلواروں کا شکار بنانے کی بجائے مسلمانوں سے تلوار چھین لینے کا سبق دو! ان کی ہمت بڑھاؤ! اور مذہب کے نام پر جنگ کر کے مسلمانوں کے دانت کھٹے کر دو۔ جاؤ! پاک سرزمینِ اُندلس کو اسلامی فوج کا قبرستان بنا دو! اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ہم سمجھیں گے کہ تم مسیح کے سچے حواری نہیں بلکہ بزدل لومڑ ہو۔!''

اسقفِ اعظم اہلِ روم کے اس لعن طعن سے متاثر ہو کر واپس طلیطلہ لوٹ آیا۔ اس نے آتے ہی تقریروں سے عیسائیوں کے دلوں میں جوش اور انتقام کی آگ بھڑکا دی۔ اس نے عیسائیوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا:

''یسوع مسیح کے نام پر جان دینے والے بہادرو...! یہ مسلمان تمہارے مال و متاع کی وجہ سے نہیں بلکہ تم سے اس لیے لڑنے آئے ہیں کہ تم پر فتح حاصل کر کے تمہیں تلواروں کی دھار پر زبردستی مسلمان بننے پر مجبور کر دیں...... یہ افریقہ کے بربری، وحشی اور عرب لٹیرے تمہاری عزت و ناموس کو لوٹ کر عیسائی دوشیزاؤں کو لونڈیاں بنا کر نیلام کر دیں گے...... یہ تمہارے کلیساؤں کو جلا کر راکھ کر دیں گے...... یا پھر ان میں اپنے مذہب کی سربلندی کے لیے اذانیں دیں گے...... یہ صلیب کی عظمت کو پامال کر کے رکھ دیں گے...... اس سے پہلے کہ یہ لوگ تم پر حملہ کریں تم ان پر قضا بن کر ٹوٹ پڑو......! یسوع مسیح کی مدد تمہارے ساتھ ہے......!''

طلیطلہ کیا سارے اندلس والے اسقفِ اعظم کی بڑی عزت کرتے تھے اور اسے ''مقدس باپ'' کہہ کر پکارتے تھے۔ اسقفِ اعظم کی اس شعلہ اور چرب بیانی کا یہ اثر ہوا کہ اہلِ طلیطلہ کے جنگجو اپنی جانیں صلیب کی عظمت پر قربان کرنے کے لیے اسقفِ اعظم کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے اور مسلمانوں کے حملے سے پہلے ہی ''قاشتر مورش'' کے قلعوں کو مع کھانے پینے کے سامان اور وافر ذخیرے کے بند کر دیا گیا۔

طلیطلہ پرانے زمانے سے ہی بیشتر علاقوں پر مشتمل تھا اور رومی عہد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ڈیڑھ صدی پہلے دارالخلافہ بھی رہ چکا تھا۔ اس شہر کو اُندلس کے اسقفِ اعظم کا صدر مقام رہنے کا فخر بھی حاصل تھا۔ غرض کہ دولت و عظمت کے اعتبار سے عیسائیوں کا سب سے بڑا شہر یہی تھا۔ یہ بڑا زرخیز علاقہ تھا۔ یہاں باغات کی فروانی تھی اور پرانے زمانے کے خوبصورت اور مضبوط محلات اس شہر کی خوبصورتی کو دوبالا کیے ہوئے تھے۔

جس وقت اسلامی لشکر نے اس شہر کا محاصرہ کیا اس وقت راڈرک کی حسین و جمیل ما "رکسونا" بھی یہاں مقیم تھی۔ اسقفِ اعظم نے لہو میں ڈوبی صلیب کا علم (جھنڈا) بنا ہوئے اُندلس کے ایک جری اور جنگجو نوجوان "سلطیش" کو فوجوں کا سپہ سالار بنایا۔ نے زہر سے بجھے ہوئے تیروں سے لیس تیرانداز فصیل پر تعینات کئے اور ان فوجیوں کھولتے ہوئے تیل کے کڑاہے، پتھروں کے انبار اور لمبے لمبے نیزے دیۓ۔ شہر کا دروازہ بند کر دیا گیا اور اس کے پہرے پر بڑے جری اور جنگجو پاسبانی کے فرائض ادا کر رہے تھے۔

چاند کی ابتدائی تاریخیں تھیں۔ مطلع بھی ابر آلود تھا۔ سیاہ بادلوں نے آسمان کو ڈھانپ رکھا تھا۔ تاریکی اس قدر تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا لیکن ان سب باتوں کی پرواہ کئے بغیر اسلامی فوج کے سپہ سالار طارق بن زیاد اسلامی فوج کے ساتھ تاریکی کے پردے کو چیرتے ہوئے طلیطلہ کے قریب پہنچ چکے تھے۔ گوکہ تاریکی نے مسلمان مجاہدین کو ڈھانپ رکھا تھا لیکن پتھریلی زمین پر بجتے ہوئے مجاہدین کے گھوڑوں کے سم اور شرارے اڑاتی آوازیں اس بات کی خبر دے رہی تھیں کہ اسلامی لشکر قضا بن کر آن پہنچا ہے۔

جس وقت اسلامی لشکر طلیطلہ کے دروازوں پر دستک دے رہا تھا اس وقت عیسائی فوج کا سپہ سالار سنگِ مرمر کے محلات میں بیٹھ کر دادِ عشق دے رہا تھا اور اس کو شراب کے ارغوانی جام پیش کیے جا رہے تھے۔ اس کے علاوہ اس کے سامنے بارسلونا کی رقاصائیں مور کی طرح رقص کر رہی تھیں۔

ادھر طارق بن زیاد اور آپ کی فوج شہر کے بالکل قریب پہنچ گئی۔ جگنوؤں کی طرح اڑتے ہوئے شراروں اور گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں سن کر فصیل کے محافظ سپاہ نے شب تاب روشنی پیدا کرنے والے گولوں کے دھاگوں کو آگ لگا کر آسمان کی طرف چھوڑ دیا جن کے پھٹتے ہی دور دور تک روشنی پھیل گئی اور رات کی سیاہی بھی مجاہدین کو نہ چھپا سکی۔ محافظ سپاہ نے لشکرِ اسلامی کو دیکھتے ہی ناقوس بجانی شروع کر دی گویا کہ یہ خطرے کا الارم تھا جس

سنتے ہی ایوانوں میں زلزلے لہرائے۔ سردارانِ فوج کے ہاتھوں سے جام کے پیالے چھوٹ پڑے۔ حسین و جمیل رقص والی خوبصورت لڑکیاں ناقوس کی آواز کو سنتے ہی چیختی چلاتی بھاگ گئیں۔ سپہ سالار سلطیش کے ماتھے پر پسینہ آ گیا لیکن اس کے باوجود وہ اپنی کمزوری چھپاتے ہوئے تلوار نکال کر سردارانِ فوج کے ساتھ معائنہ کرنے کے لیے مغربی دیوار میں موجود "برج سٹار" ٹاور پر آ پہنچا۔

یہ "برج سٹار ٹاور" سب عمارتوں سے اونچا ایک مینارے جیسا مکان سا تھا جہاں سے گرد کے دور دراز علاقوں پر نظر جاتی تھی۔ سلطیش نے شہر پناہ کے باہر چاروں طرف بارودی سرنگیں بچھا رکھیں تھیں۔ یہ بارودی سرنگیں زمین کے اندر راستے نکال کر بچھائی گئی تھیں اور پھر اوپر مٹی ڈال دی گئی تھی۔ ان بارودی سرنگوں میں سے دھاگے کے فیتے نکال کر ان کے سروں کو فصیل کے اندر تک لے جایا گیا تھا اور مشعل بردار دھاگوں کو آگ لگانے کے لیے اشارے کے منتظر تھے۔

اسلامی لشکر اس سے بے خبر موجوں کی روانی کے ساتھ بڑھتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ ادھر سلطیش نے پہرے داروں کو حکم دیا کہ وہ بارودی سرنگوں کے فیتوں کو آگ لگا دیں۔ جونہی بارودی فیتوں کو آگ لگی تو ہولناک دھماکوں کے ساتھ سرنگیں پھٹنا شروع ہو گئیں۔ اس لشکرِ اسلام میں موجود بہت سے مسلمان مجاہدین شہید ہو گئے اور کافی زخمی بھی ہو گئے۔ اتنی افراتفری پھیلی کہ مجاہدین کے گھوڑے بدک کر اُلٹے پاؤں بھاگتے ہوئے اپنی ہی فوج کو روندتے چلے گئے۔

اس سراسیمگی کی حالت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سلطیش نے اپنے دستے کے ساتھ دوبدو دست حملہ کر دیا۔ اس دستے میں "صلیقیہ" کے آہن پوش جنگجو لڑاکے سپاہی موجود تھے، جو صلیب کی عظمت پر مر مٹنے کو چلے آئے تھے۔ ان کے آگے اونٹ پر اسقفِ اعظم نے خون آلود صلیب کی تصویر اٹھا رکھی تھی اور یہ سپاہی فولاد میں ڈھلے مجسمے دکھائی دے رہے تھے۔ ان کو اپنی شمشیر زنی پر بڑا فخر تھا۔ افراتفری کے حالات میں گھوڑے دوڑاتے ہوئے عیسائی

سپاہی مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔

طارق بن زیاد نے بڑی مشکل سے ان حالات پر قابو پاتے ہوئے بھاگتی فوج کو اکٹھا کیا اور اسلحے سے لیس عیسائی سپاہیوں سے مقابلہ شروع کر دیا۔کئی مسلمان شہید ہوگئے۔فوج کے داہنے بازو پر طارق بن زیاد اور بائیں طرف مغیث موجود تھے۔لڑائی کا میدان حشر کا میدان دکھائی دے رہا تھا۔تلواریں بجلی کی طرح کوند رہی تھیں۔تیروں کی بارش کی جا رہی تھی۔ڈھالوں پر برستے ہوئے گرزوں کی ضربوں سے میدان گونج رہا تھا۔سر دھڑوں سے اس طرح جدا ہو رہے تھے جیسے کوئی انسانوں کی فصل کاٹ رہا ہو۔لاشوں کے انبار لگ رہے تھے۔خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں۔مسلمان اب بھی ڈٹ کر لڑ رہے تھے۔سلطیش کی کوشش تھی کہ کسی طرح مجاہدین کی صفوں کو الٹ کر وہ طارق بن زیاد یا مغیث تک پہنچ کر ان سے دو دو ہاتھ کرے، جو کمال بہادری اور جوانمردی سے خود بھی لڑ رہے تھے اور اپنی فوج کے حوصلے بھی بڑھا رہے تھے۔

سلطیش بڑا بہادر سالار تھا۔اس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ پانی کی جگہ خون پینے کا عادی ہے۔آخر مغیث نے دیکھا کہ ان کی محافظ سپاہ سلطیش کا راستہ روکے ہوئے ہے تو مغیث نے اپنی فوج کو اشارہ کیا کہ وہ راستے سے ہٹ جائے۔چنانچہ فوج نے ہٹ کر سلطیش کو راستہ دے دیا جو کہ اُندلسی شمشیر زن تھا۔

مغیث کی حیثیت نائب سپہ سالار کی تھی اور طارق بن زیاد کے بعد ان کا ہی درجہ تھا۔ راستہ ملتے ہی سلطیش چیتے کی طرح مغیث پر جھپٹ پڑا۔دونوں بہادروں میں زبردست شمشیر زنی ہوتی رہی۔دونوں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں لگے رہے۔اس مقابلے سے دونوں کے سپاہ میں سستی آ گئی اور وہ اپنے سالاروں کو شاہینوں کی طرح پلٹتے اور جھپٹتے دیکھ رہے تھے۔طارق بن زیاد نے یہ دیکھا تو گھوڑا دوڑاتے ہوئے اس جگہ آن پہنچے اور سپاہیوں کو ڈانٹ کر کہا:

''یہ میدانِ جنگ ہے شعبدہ بازی کا اکھاڑہ نہیں۔! تمہاری تلواریں سست پڑ گئیں تو

دشمن کی حیات میں اضافہ ہوتا جائے گا۔جنگ جاری رکھو اور ان کا عرصۂ حیات تنگ کر دو۔!!!''

طارق بن زیاد کی للکار سنتے ہی دونوں طرف سپاہ میں پھر تیزی آ گئی۔طارق بن زیاد نے جب دیکھا کہ سلطیش مغیث سے مغلوب نہیں ہو رہا تو وہ دونوں کے درمیان آ گئے اور سلطیش کا رُخ اپنی طرف موڑتے ہوئے کہا:

''تو میری طرف متوجہ ہو اے کافر! تیری موت میری تلوار کی دھار پر لکھی ہوئی ہے پھر تو مغیث کی تلوار سے کیسے ذبح ہو سکتا ہے۔؟''

سلطیش نے جواباً کہا:

''میرا نام سلطیش ہے۔سرزمینِ اُندلس میں ابھی تک کسی ماں نے ایسا بہادر بیٹا نہیں جنا جس نے مجھے للکارا ہو۔میری تلوار قضاءِ الٰہی ہے۔میں جب گھوڑے پر سوار ہو کر جنگ کے لیے نکلتا ہوں تو میرے گھوڑے کے قدموں تلے زمین کا کلیجہ دہل جاتا ہے۔میں ایسی ضرب لگاتا ہوں کہ پیدل کے دو اور سوار کے چار ٹکرے ہو جاتے ہیں۔''

اب طارق بن زیاد اور عیسائی فوج کے سالار سلطیش کے درمیان زبردست مقابلہ شروع ہو گیا۔دوسری طرف مغیث کو چند آہن پوشوں نے اپنے گھیرے میں لے لیا۔شیر بھیڑوں کے نرغے میں آ بھی جائے تو وہ شیر ہی ہوتا ہے۔مغیث پر چاروں طرف سے تلواریں برس رہی تھیں لیکن وہ نہ صرف اپنے اوپر ہونے والے وار روک رہا تھا بلکہ دفاع کے ساتھ حملے بھی کر رہا تھا۔

اب مجاہدین آہستہ آہستہ اپنے عزم، ہمت اور شجاعت کی وجہ سے عیسائی سپاہیوں پر بھاری پڑنے لگے۔مجاہدینِ اسلام کے چند جانباز فوجی سیڑھیاں لگا کر شہر پناہ کی فصیل تک پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔عیسائی سپاہی ان مجاہدین پر اوپر سے کھولتا ہوا گرم تیل، پتھر اور زہر آلود تیر برسا رہے تھے۔جوں جوں وہ شہید ہو رہے تھے توں توں جذبۂ جہاد میں جوش اور ولولہ آتا جا رہا تھا۔یہاں تک کہ کئی موت سے نڈر مجاہد فصیل کے اوپر جا پہنچے۔اب یہ

مجاہدین دشمنوں سے نبرد آزما ہو رہے تھے۔

اُدھر طارق بن زیاد اور عیسائی فوج کے کمانڈر سلطیش کی جنگ میں سلطیش نے .. ہاتھ دکھائے کہ طارق بن زیاد دل ہی دل میں اس کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکے۔ دونوں تلواروں کے بعد نیزوں سے ایک دوسرے کو چھید ڈالنے کی کوشش میں پے در پے حملہ کر رہے تھے۔

آخر طارق بن زیاد نے نیزے کا ایک بھرپور وار کیا لیکن سلطیش کے سینے پر ایک فولاد کا سینہ بند موجود تھا جس نے طارق بن زیاد کے وار کو روک لیا۔ یہ وار طارق بن زیاد نے اتنی تیزی اور طاقت سے کیا تھا کہ نیزا سلطیش کے سینے پر موجود سینہ بند سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا۔ سلطیش نے طارق بن زیاد کو اپنے نیزے سے چھید ڈالنا چاہا لیکن طارق بن زیاد نے بجلی کی تیزی سے اپنی تلوار نکال کر اس کے نیزے کو کاٹ ڈالا۔

سلطیش نے بڑی پھرتی سے اپنا ہاتھ تلوار کی طرف بڑھایا لیکن اب دیر ہو چکی تھی کیونکہ طارق بن زیاد نے اتنی دیر میں اپنی تلوار سے وار کر کے اس کا ایک بازو کاٹ ڈالا تھا۔ طارق بن زیاد کی تلوار بازو بند کو کاٹتی ہوئی گزر گئی تھی اور سلطیش ایک بازو سے محروم ہو چکا تھا۔ کٹا ہوا بازو میدانِ جنگ میں چھوڑ کر سلطیش بھاگ نکلا۔ طارق بن زیاد نے ازراہِ مذاق مفیث سے کہا:

"طاقتور بازوؤں کو طاقتور بازو ہی کاٹ سکتے ہیں۔ تلوار کو استعمال کرنے کے لیے طاقتور بازوؤں کی ضرورت ہوتی ہے۔"

مفیث نے طارق بن زیاد کی اس بات کو طنز سمجھا اور ان کے دل میں طارق بن زیاد کی مروت کی جگہ حسد آ گیا۔ یہی بات آگے جا کر طارق بن زیاد کے حق میں بڑی نقصان دہ ثابت ہوئی۔

مفیث نے غصہ اتارنے کے لیے آہن پوش گروہ پر حملہ کر دیا جو مجاہدین کو زخموں پر زخم لگا رہا تھا۔ ان میں ایک سردار بھی تھا۔ اس کے مقابلے میں مفیث نے تلوار کے وہ جوہر دکھائے کہ صلقیہ کے آہن پوش ان کا لوہا مان گئے۔ انہوں نے کئی آہن پوش سپاہی

ہ سمیت کاٹ کر رکھ دیئے۔

آخر ایک آہن پوش نے تلوار کا ایک زبردست وار کر کے مفیث کی تلوار کو کاٹ دیا۔ یث اس وقت آہن پوشوں میں گھیرے ہوئے تھے۔ اب وہ ٹوٹی ہوئی تلوار سے اپنا دفاع کر رہے تھے۔ قریب تھا کہ حملہ آور سردار کی تلوار مفیث کے سینے سے پار ہو جاتی لیکن طارق ن زیاد نے اپنے گھوڑے پر کھڑے ہو کر داؤ لگا کر اس سردار کو گھوڑے سے روندتے ئے زمین پر پھینک دیا۔ اس طرح طارق بن زیاد نے مفیث کی جان بچائی لیکن اس رح طارق بن زیاد کی برتری دیکھ کر مفیث کو اور زیادہ پستی محسوس ہوئی۔

دوسری طرف مجاہدین نے اب عیسائی فوج کی لاشوں کے کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ راستے کی ان دیواروں کو گراتے ہوئے شہر کی دیوار پر نبرد آزما ساتھیوں کی مدد کے لیے چڑھنے لگے۔ اوپر سے ان پر زہریلے تیروں کی بارش ہوتی رہی، کھولتا تیل لا جاتا رہا اور پتھر بھی برسائے جا رہے تھے، لیکن شہادت کے متوالے شہادت کی زو میں پھر بھی ایک سو کے قریب فصیل پر پہنچ گئے۔ یہ منظر دیکھ کر طارق بن زیاد نے ....نعرۂ تکبیر......"بلند کیا جس کے جواب میں"...... اَللّٰہُ اَکْبَرُ......" کی صدا میدانِ ب میں گونجی جس سے مسلمان مجاہدین کے حوصلے اور ولولے اور زیادہ تیز ہو گئے۔

طارق بن زیاد اور مفیث دونوں بجلیوں کی طرح تیزی سے لڑتے لڑتے عیسائیوں کے ے سے بڑے پادری اسقفِ اعظم تک جا پہنچے۔ طارق بن زیاد اور مفیث کو اپنی طرف آتے ئے دیکھ کر اسقفِ اعظم کے ہاتھوں سے صلیب گر پڑی اور وہ بھی عیسائی لشکر کے سپہ سالار لیش کی طرح راہِ فرار اختیار نہ کر سکا۔

سلطیش کی فراری اور اسقفِ اعظم کے قتل کو دیکھ کر عیسائی فوج نے سر پر پاؤں رکھ کر لنا شروع کر دیا۔ دوسری طرف مجاہدین نے فصیل پر لڑتے ہوئے عیسائیوں کو کاٹ فوج کے لیے شہر کا دروازہ کھول دیا۔ اسلامی لشکر شہر میں داخل ہو گیا۔ شہر میں موجود بہت عیسائی قیدی بنا لیے گئے۔ ان قیدیوں میں شہنشاہِ اُندلس راڈرک کی ملکہ رکسونا بھی

تھی۔ جونہی وہ طارق بن زیاد کے سامنے لائی گئی تو طارق بن زیاد نے اس سے پوچھا:

"خاتون! تم کون ہو۔؟"

ملکہ نے جواب دیا:

"مسلمانوں کے سپہ سالار! میں شہنشاہِ اُندلس کی ملکہ "رکسونا" ہوں۔

راڈرک کی ملکہ سے طارق بن زیاد کو شہزادی فلورنڈا یاد آ گئی۔ پھر طارق بن زیاد نے سوال کرتے ہوئے فرمایا:

"ملکہ رکسونا! راڈرک کی دوسری ملکہ فلورنڈا کہاں ہے۔؟"

ملکہ رکسونا نے نفرت سے جواب دیا:

"اس کافر لڑکی پر کلیسا کی توہین کے جرم میں مقدمہ چلا تھا اور اسے زندان میں ڈال دیا گیا تھا۔ اس وقت وہ کہاں ہے مجھے کچھ علم نہیں۔"

طارق بن زیاد کا دل بجھ سا گیا۔ انہوں نے مزید سوال کرتے ہوئے پوچھا:

"آہن پوشوں کا سردار سلطیش کہاں ہے۔؟"

ملکہ نے جواب دیا:

"وہ دونوں سرنگ کے راستے سے فرار ہو گئے ہیں۔ بہادر سردار! مجھے یقین ہے کہ مسلمان میرے ساتھ اچھا سلوک کریں گے۔"

طارق بن زیاد نے جواباً فرمایا:

"کیوں نہیں معزز خاتون! مسلمان دشمن کی غیرت سے نہیں طاقت سے انتقام لیا کرتے ہیں۔ تم آزاد ہو۔ جہاں جانا چاہتی ہو جا سکتی ہو۔ اگر مناسب سمجھتی ہو تو مجھے اس سرنگ کا پتہ بتا دو جس سے سلطیش فرار ہوا ہے۔؟"

ملکہ رکسونا نے طارق بن زیاد کو سرنگ کا راستہ دکھایا۔ کافی تلاش کے بعد پتہ چلا کہ سلطیش جس قدر مال و دولت، ہیرے جواہرات، سونا چاندی اور سامانِ زر ساتھ لے جا سکتا تھا لے جا کر روم جا پہنچا ہے۔ اس کے بعد طارق بن زیاد کو اس قدر دولت

کا انبار یہاں سے حاصل ہوا کہ جو کبھی کسی نے خواب میں بھی نہ دیکھا ہوگا۔

ان کو کلیسا میں موجود شاہانِ اُندلس کے چوبیس سونے کے بنے ہوئے تاج ملے جن میں ہیرے اور قیمتی جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ بعض مؤرخین نے ان تاجوں کی تعداد ایک سو ستر بتائی ہے۔ یہ تاج قوطی (گاتھ) نسل کے بادشاہوں سے منسوب کیے جاتے تھے۔ دستور تھا کہ ہر آنے والا بادشاہ اپنے لیے نیا تاج بنواتا تھا اور پہلے بادشاہ کے تاج کو کلیسا میں رکھ دیا جاتا تھا۔ اس بے پناہ خزانے کو حاصل کرنے کے بعد طارق بن زیاد کو علم ہوا کہ اس سے کئی گنا زیادہ خزانہ یہاں سے پانچ میل دور "قلعۃ النہر" میں موجود ہے۔ یہ خزانہ مسلمانوں کے خطرے کی وجہ سے وہاں محفوظ کر دیا گیا تھا۔ لہٰذا طارق بن زیاد نے اس مقام کا محاصرہ کیا لیکن اس شہر میں کسی نے بھی مزاحمت نہ کی۔ شاید مزاحمت کرنے والے سارے ہی معرکۂ طلیطلہ میں کام آ چکے تھے یا اسیر ہو چکے تھے۔ اس لیے بغیر کسی دشواری کے یہ شہر بھی فتح کر لیا گیا۔ اس شہر میں طلیطلہ سے کہیں زیادہ دولت مسلمانوں کو حاصل ہوئی۔ اس لیے کہ عیسائیوں نے سب قیمتی جواہرات ایک جگہ چھپا رکھے تھے۔

اس بے اندازہ دولت کے علاوہ طارق بن زیاد کو یہاں سے ایک تاریخی میز بھی ملا۔ یہ میز سونے کا بنا ہوا تھا جس کے تین سو پینسٹھ پائے تھے۔ اس میز کے متعلق مشہور تھا کہ یہ میز حضرت سلیمان علیہ الصلوۃ والسلام نے ملکہ صبا کے لیے بنوایا تھا۔ عیسائی اس میز کو "بیت المقدس" سے اٹھا کر یہاں لائے تھے۔ بیت المقدس کی فتح کے بعد سے یہ میز عیسائیوں کے قبضے میں تھا۔

طلیطلہ کا انتظام کرنے کے بعد طارق بن زیاد نے شمالی علاقے کی طرف پیش قدمی جاری رکھی اور صوبہ "لیون" کے شہر "اشتورقہ" کو فتح کیا۔ اس کے بعد اسلامی لشکر نے "جلیقیہ" پر اسلامی پرچم لہرایا۔ اس شہر سے بھی بے پناہ مال و دولت حاصل ہوئی۔ ان تمام فتوحات کا مقصد دولت کو حاصل کرنا نہیں تھا بلکہ طارق بن زیاد اُمراءِ اُندلس کو کسی ایک

محاذ پر اکٹھا ہونے کی مہلت نہیں دینا چاہتے تھے۔

طارق بن زیاد عیسائیوں کے شیرازے کو منتشر رکھتے ہوئے ان کی طاقت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دینا چاہتے تھے۔ اس لیے وہ مال و دولت کو اکٹھا کرتے ہوئے عیسائیوں کے علاقوں کو تاخت و تاراج کرتے ہوئے چل دیئے۔

مسلمانوں نے ایک سال کے عرصے میں قدسیہ، اشبیلیہ، مالقہ، طلیطلہ، اس صوبے کے اہم مراکز جیسے جزیرۂ خضرا، قرطبہ، غرناطہ، تدمیر اور مالقہ جیسے اہم شہروں کو اسلامی سلطنت میں شامل کر لیا اور یہاں اسلامی حکومت بھی قائم کر لی۔

طارق بن زیاد اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکے تھے۔ انہوں نے یہودا، روکسین، مارٹین، جارج اور لیزنا کے دشمنِ جاں اسقفِ اعظم کو قتل کر دیا تھا۔ انہوں نے مزید پیش قدمی کرنے کی بجائے طلیطلہ میں ٹھہرنا پسند کیا جہاں پر تھوڑے ہی دنوں بعد موسیٰ بن نصیر پہنچنے والے تھے۔

☆☆☆

فلورنڈا اور بادشاہ اندلس مارکوس

''گرجے'' کے ایک تہ خانے میں شہزادی فلورنڈا زمین پر پڑی سسکیاں لے رہی تھی۔ اس قید خانے میں رات اور دن کا کچھ پتہ ہی نہیں چلتا تھا۔ ہر وقت اندھیرا رہتا تھا جس کی وجہ سے یہاں سیلن کی بدبو ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ یہاں کھٹمل اور مچھروں کی بھی بہتات تھی۔ زمین پر پڑے ہوئے پتھر ہی بستر تھے۔ ناز و نعمت سے پلی بیچاری فلورنڈا موت سے بھی زیادہ بھیانک عذاب سے دوچار تھی۔ اسے اپنے ماں باپ کے علاوہ اپنے سپاہی طارق بن زیاد کی یاد بھی ستا رہی تھی۔ اسے اپنے سپاہی سے گلہ تھا جو اسے یکسر بھلا چکا تھا۔ اسے سپاہی کے ساتھ گزرے ہوئے لمحات خواب کی طرح یاد آ رہے تھے۔ بہادر، غیرت مند اور بلند کردار والا وہ سپاہی جس نے تنہائی کے باوجود اسے کسی بھی لمحہ غلط نگاہوں سے نہ دیکھا تھا۔ اس سپاہی کے خیالات کی طرح اس کی نگاہوں سے بھی پاکیزگی ہی پاکیزگی پھوٹ رہی تھی۔

وہ سپاہی مسلمان تھا جسے عیسائی کافر کہتے تھے لیکن آج فلورنڈا عیسائیوں میں موجود تھی جہاں ہر نگاہ اسے غلط انداز سے دیکھتی اور ہر شخص شیطانی کردار سے اس پر جھپٹتا تھا۔ جیسے کوئی درندہ معصوم جانور پر جھپٹتا ہے۔ یہاں کسی ایک کے چہرے پر بھی اسے مسیح کی پاکیزگی اور کردار کی بلندی نظر نہیں آئی تھی بلکہ یہاں تو ہر ایک ہوس کے جال میں گرفتار تھا اور اسے ہوس بھری نظروں سے دیکھتا تھا۔

فلورنڈا اسی بات کو سوچ رہی تھی کہ اچانک سلاسل کے بجنے سے اس کے خیالات کا طلسم ٹوٹ گیا۔ اس نے دیکھا کہ زندان کا دروازہ کھل گیا اور اُندلس کا موجودہ شہنشاہ کلیسا کا فرزند اور اسقفِ اعظم کا بھتیجا مارکوس پادریوں کے چوغے میں اندر داخل ہوا۔ اس نے بڑی عیاری سے فلورنڈا کی طرف رحم بھری مگر ہوس طلب نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا

"اے فلورنڈا! تم وہ پاکیزہ پھول ہو جو کلیسا کے گلدانوں میں سجانے کے قابل تھا مگر افسوس! کہ تم کو قید خانے کے اندھیرے میں پھینک دیا گیا ہے۔ مجھے بہت دکھ ہے۔ فلورنڈا! میری ہمدردیاں تمہارے ساتھ ہیں۔ اگر تم میری بن جاؤ تو مسیح کی قسم! اتنی خوشیاں تمہاری جھولی میں ڈال دوں گا کہ جن کا تم تصور بھی نہیں کر سکتی۔"

شہزادی فلورنڈا نے کہا:

"شکریہ! شہنشاہِ اُندلس! کاش...... ! آپ اس خواہش کا اظہار اس مقدس چوغے کو اتار کر کرتے اس لیے کہ اس لباس کے ساتھ یسوع مسیح کا تعلق نظر آتا ہے۔ تم کیسے مسیح ہو کہ جو مسیح کا لباس اپنے بدن پر سجا کر خیالوں میں بھی شیطان کی پرستش کرتے ہو۔؟ تم کس قوم کے فرد ہو جو اپنی بیٹیوں کی عزت اور عصمت کی حفاظت کرنے کی بجائے انہیں بے شرم اور بے حیاء بنانے کی کوشش کرتے ہو۔؟ اپنے شیطانی وسوسوں کے ساتھ واپس لوٹ جاؤ! ورنہ مریم ماں کی یہ ادنیٰ بیٹی تم سے وہ انتقام لے گی کہ زندگی بھر پچھتاتا رہے گا۔!"

شہزادی فلورنڈا کا یہ جواب یہ سن کر شہنشاہِ اُندلس مارکوس نے پوری شیطانیت منہ پر سجاتے ہوئے کہا:

"ہوں...... ! تو گھی سیدھی انگلی سے نکلتا دکھائی نہیں دیتا......؟ گردن تو ٹوٹ گئی مگر اکڑ نہیں گئی......!!!"

پھر شہنشاہِ اُندلس نے ایک زوردار تالی بجائی جس کو سنتے ہی محافظ سپاہی جلدی سے اندر آ گیا تو شہنشاہِ اُندلس مارکوس نے حکم دیتے ہوئے کہا:

"سپاہی! اس زخمی شیرنی کے ہاتھ پاؤں باندھ دو تا کہ یہ کسی بھی قسم کی مزاحمت کے قابل نہ رہے۔"

جونہی سپاہی آگے بڑھا تو فلورنڈا نے کمالِ دلیری سے اس سپاہی کی کمر سے تلوار نکال کر حملہ کیا اور مارکوس کا ایک بازو اس کے تن سے جدا کر دیا۔ سپاہی خوف زدہ ہو کر باہر بھاگ گیا۔ جونہی مارکوس نے بھاگنا چاہا تو شہزادی فلورنڈا دیوار بن کر حائل ہو گئی اور کہنے لگی۔

"اتنی جلدی بھی کیا ہے۔؟ شہنشاہ صاحب! تم سے کہا تھا نا کہ ایسا انتقام لوں گی کہ زندگی بھر پچھتاؤ گے۔؟"

یہ کہہ کر فلورنڈا نے ایک اور زوردار حملہ کیا اور مارکوس کا دوسرا بازو بھی کاٹ کر رکھ دیا۔ خون کے فوارے پھوٹ پڑے، مارکوس زمین پر گرا، خوشامدیں کرنے لگا اور گڑگڑا کر کہنے لگا:

"فلورنڈا...... ! مسیح کے لیے...... ! مقدس ماں مریم کے لیے...... ان دونوں کے صدقے مجھے معاف کر دو...... ! مجھے معاف کر دو...... !"

فلورنڈا نے گرجتے ہوئے کہا:

"مت لے ان مقدس ہستیوں کا نام اپنی گندی اور پلیت زبان سے! تم نے ان پر گناہوں کی سیاہی مل دی ہے۔"

اس کے بعد شہزادی فلورنڈا نے دو وار کیے۔ پہلے وار سے ایک ٹانگ اور دوسرے وار سے دوسری ٹانگ بھی کاٹ دی۔ وہ جوشِ انتقام میں اندھی ہو چکی تھی لیکن پھر جلد ہی محافظ سپاہیوں کے پورے دستے نے اسے قابو کر لیا۔

ایک بار پھر فلورنڈا کو کلیسا کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ اس نے ایک مقدس پادری اور عیسائی قوم کے فرمانروا کو قتل کر دیا تھا۔ جس کے جرم میں اسقفِ اعظم کے نائب لارڈ پادری روڈ نے اسے زندہ جلانے کا حکم سنا دیا۔ آج عدالت میں فلورنڈا نے بآوازِ بلند کہا:

"جس قوم کے فرمانروا اور مذہبی پیشوا شیطانی کردار اور صفات کے مالک ہوں مسیح کی قسم! وہ قوم ذلیل اور رسوا ہو کر رہتی ہے...... وہ نہ صرف محکوم بنا دی جاتی ہے بلکہ ان کے مرد غلام

اور عورتیں کنیزیں بن کر مسلمان فاتحین کی جوتیاں چاٹتے نظر آتے ہیں.....صلیبِ مقدس کی
قسم......! مسیح نے اپنی برکتوں کا دامن سمیٹ لیا ہے۔ تم پر رحم نہیں بلکہ اب تمہاری قوم پر
کا عتاب نازل ہوگا.....آج میں بھری عدالت میں اقرار کرتی ہوں کہ اگر دینِ مسیح یہی ہے
کا مظاہرہ بار بار کیا جا چکا ہے تو میں اس مذہب کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر مسلمان ہو
ہوں.....اس قوم سے ناطہ جوڑتی ہوں جو کردار، شرافت، انصاف اور تمام اعلیٰ صفا
میں تمہارے اس دین سے کڑ درہا درجے بہتر ہیں.....اور تمہارے دین سے ان کا دین ار
ہا درجے زیادہ بلند ہے.....!!!"

یہ سن کر کلیسا کی عدالت کے ہال میں لارڈ پادری ڈیوڈ کی چیخ نما آواز گونجی:

"لے جاؤ......! اس کافر لڑکی کو.....اس کو زندہ جلانے کی رسم ہم خود اپنے ہاتھوں سے
ادا کریں گے.....!"

☆☆☆

شذونہ اور دیگر شہروں کی فتح

موسیٰ بن نصیر تابعین میں سے تھے۔ آپ امیر المومنین حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں "شام" کے "جبلِ جلیل" کے معرکے میں گرفتار ہو کر آئے تھے اور اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد کچھ دیر غلامی کی زندگی گزاری۔ آخر آپ کے حسنِ سلوک اور اسلام سے محبت کو دیکھ کر "بنوامیہ" نے آپ کو آزاد کر دیا۔ آپ حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی کافی عرصہ وابستہ رہے۔ موسیٰ بن نصیر کی سیاسی زندگی کا آغاز خلیفہ عبدالملک کے دور سے شروع ہوا۔

موسیٰ بن نصیر کو "بصرہ" کے خراج کی تحصیل کا افسر مقرر کیا گیا۔ پھر وہ 89 ہجری میں افریقہ کی جانب مغرب کے والی بنا دیئے گئے۔ موسیٰ بن نصیر نے اپنی اور اپنے دونوں بیٹوں "عبداللہ" اور "عبدالعزیز" کی سرکردگی میں افریقہ کے بہت بڑے حصے کو فتح کیا۔ یہاں تک کہ یہاں سے وحشی اور جنگجو بربریوں نے موسیٰ بن نصیر کی مکمل اطاعت قبول کر لی۔

موسیٰ بن نصیر نے اپنے بڑھاپے کی وجہ سے افریقہ کے مختلف حصوں میں اپنے نائب مقرر کیے، کیونکہ وہ اکیلے اتنی بڑی ریاست کا انتظام نہیں سنبھال سکتے تھے۔ جیسا کہ پہلے

ذکر ہوا کہ موسیٰ بن نصیر نے طارق بن زیاد کے کارنامے سے خوش ہو کر ان کو طنجہ کا حاکم بنا دیا اور ان کو آزاد بھی کر دیا۔

جب اُندلس کی مہم پیش آئی تو موسیٰ بن نصیر نے ہی طارق بن زیاد کو بربریوں کا ایک عظیم لشکر دے کر بھیجا۔ آپ کو طارق بن زیاد سے اُنس بھی تھا اور وہ آپ کے بیٹے کے قائمقام بھی تھے۔ طارق بن زیاد بھی ان کو کچھ کم نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ آپ ان کو سردار، حاکم اور اس کے علاوہ ایک مشفق باپ کا رتبہ بھی دیتے تھے۔

طارق بن زیاد نے موسیٰ بن نصیر کی حکم عدولی کی تھی جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ اس حکم عدولی کی وجہ سے طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر کے درمیان خلیج کی ایک بہت بڑی دیوار حائل ہو گئی۔ موسیٰ بن نصیر چودہ ہزار فوجیوں کا لشکر لے کر اُندلس میں آئے اور آتے ہی طارق بن زیاد کی حکم عدولی کرنے کی وجہ سے انکی معزولی کا حکم جاری کیا۔ موسیٰ بن نصیر نے اسی وقت فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی اور طارق بن زیاد کو صفائی کا موقعہ بھی نہ دیا۔ ان سے گفتگو تو دور کی بات بلکہ ملنا بھی پسند نہ کیا۔

موسیٰ بن نصیر کے لشکر میں بہادر عرب اور بربری فوجیوں کے علاوہ عربوں اور بربری قبیلوں کے مختلف ممتاز قائدین وسردار بھی شامل تھے۔ موسیٰ بن نصیر نے رمضان المبارک 93 ہجری میں ''جزیرۂ خضرا'' کی جس پہاڑی پر قیام کیا وہ آج بھی ''جبلِ موسیٰ'' کے نام سے مشہور ہے۔ موسیٰ بن نصیر نے شہنشاہ سبتہ اکاؤنٹ جولین کو راہنمائی کے لیے اپنے پاس بلوایا۔ موسیٰ بن نصیر دربارِ خلافت میں ایسی فتوحات اور کارہائے نمایاں پیش کرنا چاہتے تھے کہ جس کی مثال نہ ملتی ہو۔ اس لیے انہوں نے اپنی فتوحات کو اس طرح وسعت دینے کا پروگرام بنایا کہ وہ اُندلس سے ''قسطنطنیہ'' ہوتے ہوئے سرزمینِ شام میں داخل ہوئے اور دارالخلافہ دمشق کو خشکی کے راستے اُندلس سے ملانے کا پروگرام بنایا۔

انہوں نے اس پروگرام کی منظوری کے لیے پروگرام کی تفصیل دربارِ خلافت میں بھیجی کیونکہ اسلامی لشکر کا حاکم ہوتے ہوئے بھی وہ دربارِ خلافت کے محکوم تھے اور خلیفہ کی اجازت کے بغیر فوجی ان کا حکم ماننے کے مجاز نہ تھے۔ اس لیے انہوں نے دربارِ خلافت کو ساری تفصیل کے ساتھ مطلع فرما کر اجازت طلب کی۔ موسیٰ بن نصیر سخت کشمکش میں تھے کہ کب دارالخلافہ سے اجازت نامہ آتا ہے، کیونکہ وہ اپنی زندگی کے آخری سالوں میں تھے اور ان کی عمر کافی ہو چکی تھی۔ اس لیے اُن کو جلدی تھی اور وہ چاہتے تھے کہ میری زندگی کے اندر ہی اور اسلامی فتوحات میں بہت زیادہ اضافہ ہو جائے، تاکہ مسلمان دوسرے ممالک میں بھی بے چین کی زندگی گزار سکیں۔ موسیٰ بن نصیر طارق بن زیاد کی حکم عدولی کی وجہ سے ان سے ملنا بھی گوارہ نہ کرتے تھے، اس لیے انہوں نے طلیطلہ جانا بھی پسند نہ کیا۔

موسیٰ بن نصیر نے طارق بن زیاد کے مفتوحہ علاقوں کو چھوڑ کر اکاؤنٹ جولین کے مشورے سے غیر مفتوحہ علاقوں کا رُخ کیا۔ ان علاقوں میں وہ علاقے بھی شامل تھے جنہیں طارق بن زیاد نے فتح ضرور کیا تھا اور حکومت بھی قائم کی تھی لیکن طارق بن زیاد کے آتے ہی ان کے سردار باغی ہو گئے تھے، اس وجہ سے وہاں اسلامی حکومت قائم نہ رہ سکی۔

موسیٰ بن نصیر نے ایسے علاقوں کی طرف بھی رُخ کیا اور وہاں اسلامی حکومت قائم کی۔ موسیٰ بن نصیر نے ''شذونہ'' پر لشکر کشی کی اور معمولی مقابلے کے بعد اس شہر پر اسلامی پرچم بلند کر دیا۔

شذونہ میں اسلامی حکومت قائم کرنے کے بعد موسیٰ بن نصیر نے ''اشبیلیہ'' کا رُخ کیا۔ یہ گاتھ خاندان سے پہلے اُندلس کا پایۂ تخت رہ چکا تھا۔ یہاں مضبوط ترین قلعے اور امراء و عمائدین کے شاندار محل موجود تھے۔ اس سے قبل یہاں کے باشندوں نے جزیہ کی شرط پر طارق بن زیاد سے صلح کر لی تھی مگر اطاعت قبول نہ کی تھی۔

اسلامی لشکر کے آنے کی اطلاع ملتے ہی اہلِ شہر محصور ہو گئے اور مسلمانوں سے ایک زبردست معرکہ آرائی کے لیے تیاری کرنے لگے۔ وہاں موجود کلیسا کے پادریوں نے اپنی شعلہ بیان تقریروں سے نوجوانوں کے خون گرما دیئے۔ گرد و نواح کے علاقوں سے بھی نوجوان عیسائی صلیب کی عظمت کو برقرار رکھنے کیلئے بڑی تعداد میں وہاں جمع ہو گئے۔ وہ کلیسا اس شہر کا کلیسا تھا جسے اُندلس میں مرکزیت کی حیثیت حاصل تھی۔

موسیٰ بن نصیر نے آتے ہی شہر کا محاصرہ کرلیا اور اپنے جاسوسوں کو فوجی تعداد معلوم کرنے بھیجا۔ اطلاع کے مطابق اس شہر میں لڑنے مرنے والوں کی تعداد اسلامی لشکر سے تین گنا زیادہ تھی اور ''مالقہ'' وغیرہ سے مزید عیسائی فوجی رضا کار آرہے تھے۔ موسیٰ بن نصیر نے مشورے کے لیے سرداروں کو طلب کیا جن میں العرا الفرم، عرب اور جنگجو بربری شامل تھے جن میں ''جابر'' اور ''قیس بن عامر'' جیسے جری اور شجاعت کے پیکر موجود تھے۔ موسیٰ بن نصیر نے انہیں خطاب کرتے ہوئے کہا:

''اے ایمان والو......! اللہ ﷻ اور رسول ﷺ کے سپاہیو......! گو کہ دشمن کی تعداد ہم سے تگنی ہے، سامانِ جنگ اور رسد کی فراوانی ہے، ان کے قلعے مضبوط ہیں اور فصیلیں نا قابلِ تسخیر ہیں...... لیکن اہلِ ایمان کے سامنے یہ خس و خاشاک کا ڈھیر ثابت ہوں گی...... اپنے اردگرد مضبوط حصار قائم کر کے بھی انسان موت سے فراری حاصل نہیں کر سکتا...... موت نہ تو وقت سے پہلے ہوگی اور نہ وقتِ مقررہ کے بعد ذرا سا بھی موقعہ دیتی ہے...... کافر موت سے ضرور ڈرتے ہیں...... لیکن مومن تو موت کو ساتھ لے کر چلتے ہیں...... بلکہ موت خود مومن کی حفاظت کرتی ہے...... ہمیں شوقِ شہادت ہی یہاں لے آیا ہے...... ہم قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی عظمت کے امین ہیں...... ہم کافروں پر یہ ثابت کردیں گے کہ جنگیں افراد کی کثرت سے نہیں بلکہ ایمان کی قوت اور اللہ ﷻ و رسول

ﷺ کے فضل سے جیتی جاتی ہیں......!''

یہ سن کر سب سرداروں نے یک زبان جواب دیا:

''جنابِ امیر......! ہماری تلواریں نیاموں سے آزاد ہونے کے لیے مچل رہی ہیں...... ہمیں حکم دیں تا کہ ہم ان کی دھاروں سے دشمنوں کے سینے چاک کریں...... ان کے بازوؤں کو ان کے جسم سے الگ کریں...... ان کی گردنیں ان کے تنوں سے جدا کر دکھائیں...... ہم تو وہ طوفان ہیں جو سمندر کا بھی دل ہلا دیتے ہیں...... ہم وہ جیالے ہیں جن کی ہیبت سے پہاڑ بھی رائی بن جاتے ہیں...... ہم جب بگولوں کی طرح اٹھتے ہیں تو صحرا اور دریا ہم سے پناہ مانگتے ہیں......!!!''

یہ سن کر موسیٰ بن نصیر بہت خوش ہوئے اور جواب دیا:

''شاباش......! بیشک مومن کی یہی شان ہے...... بس تو معرکۂ حق و باطل کے لیے تیار ہو جاؤ......! جابر......! قلعے کی دائیں جانب تمہاری زیرِ کمان دستے پیش قدمی کریں...... بائیں طرف سے قیس بن عامر یلغار کریں...... اور وسط سے میں فوج کی قیادت کرتا ہوں اور زوردار حملہ کرتا ہوں......!''

عیسائی فوج بھی مکمل طور پر جنگ کے لیے تیاری تھی۔ لہٰذا خون ریز جنگ شروع ہو گئی۔ عیسائی بھی بھاری اکثریت کے ساتھ قلعے سے باہر آکر مسلمانوں سے نبرد آزما ہوئے۔ حق و باطل کی جنگ تھی۔ دونوں طرف اتنا جوش و خروش تھا کہ دونوں طرف کے سپاہی ایک دوسرے کی صفوں میں جا گھسے اور ایک دوسرے سے پیوست ہو کر رہ گئے۔ مسلسل چار روز تک دونوں فوجوں میں زبردست جنگ ہوئی۔ میدان میں خون ہی خون دکھائی دینے لگا جس میں کٹے ہوئے سر اور اعضائے انسانی تیرتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ جنگ میں بہادروں کے ہاتھوں تلواریں، نیزے اور گرز تک استعمال ہوئے۔

عیسائی فوج نے بڑی کوشش کی کہ وہ مسلمانوں کے اس لشکر کو پسپا کر دیں۔ فصیل سے مجاہدین پر تیروں کی بارش ہوتی رہی۔ منجیقوں سے خشت بھاری بھی کی گئی۔ یہاں تک کہ قلعے کی فصیل سے مسلمانوں پر آتشی گولے بھی پھینکے جانے لگے۔ دشمن کی تلواروں اور نیزوں نے اتنا نقصان نہیں پہنچایا تھا جتنا ان آتشی گولوں اور منجیقوں کی خشت بھاری سے ہوا۔

اس خشت باری اور بموں کے چلنے سے مجاہدین کے گھوڑے بدک رہے تھے اور وہ میدان میں لڑنے کی بجائے خوف کھا رہے تھے کیونکہ گھوڑے بدک کر مجاہدین کو ہی کچلا لگتے اور زخمی کرتے میدان سے باگے جا رہے تھے۔ عیسائی سرداروں نے اپنے گھوڑوں کو شراب پلا رکھی تھی اور وہ بدمست ہو کر مسلمانوں کے گھوڑوں کو کاٹتے اور دولتیوں سے مارتے تھے۔
یہ صورت حال تشویش ناک تھی۔

موسیٰ بن نصیر نے فوج کے تیز تر اردستے کو حکم دیا کہ وہ اپنے تیروں کا رُخ عیسائی گھوڑ سواروں کی طرف کر کے ان کے گھوڑوں پر تیر برسائیں۔ یہ دستہ جو کہ جو بٹوں کی آڑ لیے تھا اور فصیل پر موجود عیسائی تیز اندازوں کا جواب دے رہا تھا۔ جب انہوں نے سپہ سالار موسیٰ بن نصیر کا حکم سنا تو اسلامی تیر اندازوں نے ان کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے سرکش گھوڑوں کی آنکھیں تیروں سے اَندھی کرنی شروع کر دیں۔ یہ حربہ بڑا ہی کامیاب رہا۔
اب بدمست گھوڑے اسلامی سواروں کی بجائے بوکھلا کر اپنی ہی فوج کو روندنے لگے۔

دوسری طرف فصیل سے مسلسل آتشی گولوں کی خشت باری سے تنگ آ کر اسلامی دستے کے سالار جابر نے اپنے لشکر کو مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا اور مختلف مقامات سے فصیل پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اس کے علاوہ خود میدانی افراتفری میں مبتلا اپنی فوج دیکھنے میں مصروف دشمن سپاہیوں پر دائیں، بائیں، آگے اور پیچھے سے حملہ کر دیا اور پل بھر میں ان

کو کاٹ کر رکھ دیا۔ پھر جابر کے لشکر کے مجاہدین نے منجیقوں اور قرابینوں پر قبضہ کر کے ان کا رُخ قلعے کے اندر کی طرف کر دیا اور گولے برسانے شروع کر دیئے۔

بارود کے گولے پھٹنے کی وجہ سے عیسائیوں کے قلعے میں آگ لگ گئی۔ سارا سامان خوراک اور دیگر جنگی سامان کے علاوہ ان کے سپاہی بھی جل گئے۔ قلعے میں قیامت برپا ہو گئی۔ افراتفری کا وہ عالم ہوا کہ بھاگتے ہوئے لوگ خود اپنے ہی آدمیوں کو روندتے اور کچلتے گئے۔ جانوروں نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔ وہ رسے توڑا کر بے مہار ہو گئے اور بھاگتے ہوئے انسانوں کو کچلنے لگے۔ آخر ان حالات کا اثر عیسائی فوج پر پڑا اور وہ بھاگ کھڑی ہوئی۔ میدان میں بچے کچھے عیسائی مسلمانوں کی تلواروں کا شکار ہو گئے۔ مجاہدین نے زوروں کی جنگ کی اور عیسائیوں کا مذہبی جنون خون بنا کر اور کسے بل ڈھیلے کر کے رکھ دیئے۔ آخر عیسائی فوج نے ہتھیار ڈال دیئے اور شہر پر قبضہ ہوتے ہی عیسائی امراء اور عمائدین وہاں سے بھاگ نکلے اور قرآن مجید کی آیت کریمہ......

"جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا٥"

"حق آ گیا اور باطل پیٹھ پھیر کر بھاگ گیا اور بے شک باطل مٹنے والا ہے۔"

کے مصداق بنے۔

موسیٰ بن نصیر نے یہاں مسلمانوں اور یہودیوں کو آباد کیا اور شہر کے انتظام پر حاکم مقرر کرنے کے بعد پیش قدمی کی......!

اشبیلہ کو فتح کرنے اور اس میں اسلامی حکومت قائم کرنے کے بعد موسیٰ بن نصیر مجاہدینِ اسلام کے ساتھ ہوا کے دوش پر اڑتے ہوئے "قرمونہ" شہر میں پہنچے اور اپنی شمشیروں اور تلواروں سے اس شہر کے دروازے پر دستک دی۔ اس شہر میں بھی عیسائیوں نے بڑے پیمانے پر جنگی تیاریاں کر رکھی تھیں اور مرنے مارنے کی ٹھان کر بیٹھے

ہوئے تھے۔ مسلمانوں کے حملے کا ان کو پہلے ہی علم ہو چکا تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کو اپنی طرف آتے دیکھ کر شہر کا دروازہ بند کر لیا اور مضبوط قلعے میں محفوظ ہو کر بیٹھ گئے۔ اس قلعے میں خوراک کا ذخیرہ کافی تعداد میں موجود تھا اور پانی کی بھی کوئی قلت نہ تھی۔

موسیٰ بن نصیر نے یہ حالات دیکھ کر اپنے مخبروں کو بھیجا۔ انہوں نے آپ کو خبر دی کہ یہ عیسائی قلعے میں رہ کر کئی ماہ گزار سکتے ہیں کیونکہ یہاں خوراک کا بڑا وافر انتظام ہے۔ موسیٰ بن نصیر بڑے شش و پنج میں پڑ گئے۔ فصیل انتہائی مضبوط تھی اور اس کے محافظ بھی بڑے مستعد اور جانباز تھے۔ آخر باہم مشورہ کرنے کے بعد موسیٰ بن نصیر نے حاکم سبتہ اکاؤنٹ جولین کی مدد حاصل کرتے ہوئے اسے اور اس کے بعض ساتھیوں کو برے حال اور مصیبت زندگان کی صورت میں شہر میں پناہ گزیں ہونے کے لیے بھیج دیا۔

اکاؤنٹ جولین نے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ مسلمانوں کے ظلم و ستم کی داستان سنا کر اہل شہر سے پناہ مانگی۔ اہل شہر نے انہیں مصیبت اور پریشان حال دیکھ کر شہر کے اندر پناہ دے دی۔ اُدھر موسیٰ بن نصیر نے رات کو حملہ کرنے کے لیے اسلامی لشکر کو تیار کیا۔ جونہی رات کا کچھ حصہ گزرا تو شہر کے عیسائی خوابِ غفلت میں پڑے نیند کے مزے لینے لگے۔

اکاؤنٹ جولین اور اس کے ساتھی رات بھر جاگتے رہے اور موقعہ پاتے ہی اکاؤنٹ جولین اور اس کے ساتھیوں نے شہر کے دروازے کے محافظوں پر حملہ کر کے انہیں قتل کر دیا اور دروازہ اسلامی لشکر کے لیے کھول دیا۔ اسلامی لشکر کے سپہ سالار موسیٰ بن نصیر اسلامی لشکر کے ساتھ شہر میں داخل ہو گئے۔ وہ آندھی اور طوفان کی طرح شہر میں داخل ہوئے اور اس سے پہلے کہ اہل شہر باخبر ہوں مسلمانوں نے صلیب اور شہر پر قبضہ کر لیا۔

قرمونہ کو فتح کرنے کے بعد موسیٰ بن نصیر نے اپنے پلان کے مطابق اُندلس کے غیر مفتوحہ شہر ''ماردہ'' کی طرف رُخ کیا۔ شہر والوں نے جب یہ سنا کہ اسلامی لشکر ان کی طرف

آ رہا ہے تو وہ سارے کے سارے شہر کے اندر بند ہو گئے لیکن ساتھ ساتھ مسلمانوں کے حملے کا بھی بڑی مردانگی سے جواب دیا۔ ان کو جب بھی موقعہ ملتا تو وہ فصیل سے اسلامی لشکر کے اوپر پتھروں اور تیروں کی بارش کر دیتے جس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچتا اور وہ خود آڑ میں ہوتے تھے کہ اسلامی لشکر کے تیر اندازوں کی زد میں نہیں آتے تھے اور محفوظ رہتے تھے۔

آخر موسیٰ بن نصیر نے جنگی حکمتِ عملی کے پیش نظر شہر کے عقب میں موجود ایک پہاڑی میں کمین ہونے کا فیصلہ کر لیا اور رات ڈھلے وہ میدان کو چھوڑ کر اس پہاڑی میں چلے گئے اور تمام سپاہ کو اس پہاڑی میں چھپا دیا۔ موسیٰ بن نصیر نے حکمتِ عملی کے تحت میدان میں ایسے اثرات چھوڑ دیئے جس سے ظاہر ہوا کہ اسلامی فوج محاصرہ اٹھا کر چلی گئی ہے۔

قرمونہ والوں نے جب صبح یہ معاملہ دیکھا کہ میدان صاف ہے اور اسلامی لشکر موجود نہیں تو انہوں نے اپنے خیال میں سوچا کہ اسلامی لشکر ہماری فوجی جمعیت اور اکثریت سے خائف ہو کر محاصرہ اٹھا کر چلا گیا ہے۔

ان کے سرداروں نے باہم مشورہ کیا کہ کیوں نہ اسلامی لشکر کا تعاقب کر کے ان پر کاری ضرب لگا کر ان کو مزہ چکھایا جائے تا کہ باقی شہر ان کی دستکاری سے محفوظ رہیں۔ لہذا چنے ہوئے بہادروں نے اپنے ہتھیار سجائے اور اپنے منہ زور گھوڑوں پر کاٹھیاں ڈال کر بڑی شان سے شہر سے باہر نکلے اور گھوڑوں کے سموں کے نشانات پر چل پڑے۔ جب وہ شہر سے تھوڑی دور نکل گئے تو موسیٰ بن نصیر نے اپنی فوج کو کمین گاہ سے باہر نکلنے کا حکم دیا۔ فوج جب اس پہاڑی سے باہر آئی تو آپ نے ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصے کو قرمونہ والوں کے تعاقب میں روانہ کیا اور دوسرے حصے کے ساتھ شہر پر حملہ کر دیا۔

فصیل پر موجود تیراندوزوں سے بچنے کے لیے موسیٰ بن نصیر نے لکڑی کے بڑے بڑے دبابے تیار کروائے جن کی آڑ میں اسلامی لشکر کے نوجوان فصیل تک پہنچ گئے اور فصیل پر سیڑھیاں لگا کر چڑھنے لگے۔ تیراندازوں کے تیر بیکار ہوگئے اور انہوں نے تلواریں سنبھال لیں۔ لیکن اچھے شمشیرزن تو اسلامی فوج کے تعاقب میں جا چکے تھے۔ فصیل پر موجود سپاہی تیز چلانے کے ماہر ضرور تھے لیکن اچھے شمشیرزن نہ تھے۔ اس لیے مسلمان سپاہ نے ان کی کمزوری کا فائدہ اٹھایا اور فصیل پر چڑھائی کردی اور انہیں تلواروں کے ساتھ کاٹنا شروع کردیا۔

دوسری طرف شہر کی فوج جو اسلامی لشکر کے تعاقب میں گئی تھی اپنے پیچھے ''......نعرۂ تکبیر......'' اور اس کے جواب میں ''......اَللّٰہُ اَکْبَرُ......'' کی صدائیں سن کر پریشان ہوگئی۔ انہوں نے گھوڑوں کی باگیں کھینچ لیں اور مقابلے کے لیے تیار ہوگئے۔ اسلامی لشکر نے اس قدر دلیری سے حملہ کیا کہ کئی سپاہی کاٹ کر رکھ دیئے۔ دونوں سپاہ میں زبردست جنگ شروع ہوئی۔ اب یہ لوگ پچھتائے کہ ناحق وہ شہر کی مضبوط فصیل کو چھوڑ کر کھلے میدان میں آئے۔ اسلامی سپاہ نے انہیں اپنے نرغے میں لے لیا اور بھاگنے کی راہیں بند کردیں۔ واپس جانے کا راستہ بند ہوتے ہی عیسائی بڑی بہادری سے مقابلہ کرنے لگے۔

دوسری طرف سارے ہی شہر کی فوج اور شہری مل کر فصیل والوں کی مدد کو آن پہنچے اور فصیل کے ایک برج پر حملہ کردیا جہاں لڑائی ہورہی تھی۔ اس کثیر تعداد کی وجہ سے یہاں کافی مسلمان شہید ہوئے لیکن جنگ جاری رکھی گئی۔ جب تک کہ شہر والوں کو خبر نہ مل گئی کہ ان کے بہادر اور سورما سپاہی جو مسلمانوں کے تعاقب میں گئے تھے یا تو قتل ہوگئے ہیں یا قیدی بنا لیے گئے ہیں اور اب مسلمانوں کی بقایا فوج واپس آرہی ہے۔ یہ خبر سنتے ہی شہر والوں نے صلح کا پیغام بھیجا جو منظور کرلیا گیا۔ صلح کی شرائط کے مطابق ''جلیقیہ'' بھاگ جانے والے

امراء، حکمران اور کلیسا کا مال و متاع مسلمانوں کے قبضے میں آگیا۔

مسلمانوں نے وعدے کا پاس کرتے ہوئے یہاں موجود عیسائی لوگوں کے مال و متاع پر قبضہ نہ کیا اور نہ ہی ان کو کوئی جانی نقصان پہنچایا۔ اس طرح موسیٰ بن نصیر کی تدبیر سے یہ شہر بھی فتح ہوکر اسلامی حکومت میں شامل ہوگیا۔

☆☆☆

فلورنڈا کو جلانے کی رسم

موسیٰ بن نصیر کے پے در پے حملوں سے اُندلس کے ایوانوں میں زلزلے لہرانے لگے۔ ایک دفعہ پھر اُندلس کا تخت خالی ہو چکا تھا۔ لہٰذا ہر طرف ایک افراتفری کا سماں تھا۔ اسی لیے ابھی تک فلورنڈا کی سزا میں تاخیر ہو رہی تھی لیکن پھر جلد ہی داروغۂ زندان کو اسقفِ اعظم (جو طلیطلہ کے معرکے میں مارا جا چکا تھا) کے نائب لارڈ پادری ڈیوڈ کا حکم نامہ ملا جس میں لکھا ہوا تھا:

"ملزمہ فلورنڈا کو زنجیر و طوق کے ساتھ گھوڑے کے پیچھے باندھ کر کوڑے برساتے ہوئے شہر کے بازاروں سے گزارتے ہوئے قربان گاہ والے میدان میں لایا جائے۔ جہاں لکڑیوں کے انبار کے درمیان ایک صلیب موجود ہے۔"

پھر اہلِ شہر نے یہ نظارہ بھی دیکھا کہ جب کلیساؤں کے نام نہاد جاہل مطلق پادریوں کے حکم سے ایک کمزور، بے گناہ اور معصوم لڑکی کو طوق پہنا کر گھوڑے کے پیچھے باندھ کر جلوس کی صورت میں شہر کے بازاروں سے گزارا گیا۔ اس معصوم شہزادی فلورنڈا پر شہنشاہِ اُندلس مارکوس کے قتل کا الزام تھا۔ اس بے چاری لڑکی کے گلے میں زنجیروں کا بھاری طوق ڈالا گیا۔ تھوڑی دور تک تو فلورنڈا زنجیروں اور طوق کا بوجھ اٹھائے چلتی رہی لیکن جلد ہی اس

کے کمزور اعصاب جواب دے گئے۔ وہ تماشہ دیکھنے والوں سے پانی کا ایک گھونٹ مانگ رہی تھی۔ وہ گڑگڑا کر التجائیں کرتی رہی لیکن اسے اپنوں نے دو گھونٹ پانی بھی نہ دیا۔ بقایا سفر اسے گھوڑا ہی گھسیٹتا لے گیا اور بالآخر وہ انتہائی بری اور زخمی حالت میں اس میدان میں پہنچی جس کا حکم لارڈ پادری ڈیوڈ نے دیا تھا۔ اس میدان میں بے پناہ لکڑیوں کے ڈھیر کے درمیان ایک صلیب بنی ہوئی تھی۔ جلادوں نے اسے اٹھا کر اس صلیب سے باندھ دیا۔

معزول ہونے کے باوجود طارق بن زیاد اپنے ساتھیوں کے ساتھ طلیطلہ میں موجود تھے۔ انکو فلورنڈا کے زندہ جلائے جانے کی اطلاع مل چکی تھی اور اس وقت وہ اپنے جانثار ساتھیوں کے ساتھ آندھی اور طوفان کی طرح پادریوں کے لباس میں اس میدان کی طرف جا رہے تھے جہاں ان کے "چاند" کو زندہ آگ میں جلایا جا رہا تھا۔

طارق بن زیاد اور ان کے ساتھیوں نے رات بھر سفر کیا اور اب سورج طلوع ہو رہا تھا۔ جب وہ شہر میں داخل ہوئے تو پادریوں کے لباس میں انہیں کسی نے نہ پہچانا۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مسلمانوں کا یہ سپہ سالار اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر عیسائیوں کے اس شہر میں مٹھی بھر جماعت کے ساتھ بھی آ سکتا ہے۔

طارق بن زیاد اور ان کے ساتھیوں نے پادریوں کا ایک جلوس نکلتا ہوا دیکھا جو "یسوع مسیح" کی حمد و ثناء کرتا جا رہا تھا۔ طارق بن زیاد بھی اپنے ساتھیوں سمیت اس جلوس میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے یہ سفر نہایت عجلت میں طے کیا تھا لیکن اس کی محنت بیکار نہ گئی۔ ان کو ڈر تھا کہ کہیں ان کے پہنچنے سے قبل ہی فلورنڈا کو زندہ نہ جلا دیا جائے۔ کسی کو بھی اس بات کا علم نہ ہوا۔

جونہی جلوس میدان میں داخل ہوا تو طارق بن زیاد نے دیکھا کہ لکڑیوں کے انبار کے

درمیان ظالموں نے نیم بے ہوشی کے عالم میں فلورنڈا کو ایک صلیب سے باندھ رکھا ہے۔ فلورنڈا کی حالت دیکھ کر طارق بن زیاد کے دل پر بڑی بری چوٹ لگی۔ وہ فلورنڈا کی اس حالت کے ذمہ دار اپنے آپ کو محسوس کر رہے تھے۔ ان کو افسوس تھا کہ وہ اب تک فلورنڈا کی خبر لینے کیوں نہ آئے۔

لارڈ پادری ڈیوڈ ایک اونچے مقام پر بیٹھا تھا۔ اس کے دائیں بائیں حسب رتبہ پادری بھی بیٹھے تھے۔ بقایا چند پادری لکڑیوں کو آگ لگانے پر معمور حکم کے منتظر تھے۔ طارق بن زیاد کو حیرت تھی کہ لارڈ پادری ڈیوڈ نے کسی بھی فوجی دستے کو ساتھ لانا ضروری خیال نہ کیا۔ طارق بن زیاد کے ساتھی ان کے اشارے سے ان لکڑیوں کے چاروں طرف پھیل گئے جن کے لمبے لمبے لبادوں کے اندر ان کی شمشیریں موجود تھیں۔

لارڈ پادری ڈیوڈ نے اشارہ کیا۔ چاروں طرف سے راہب اور پادری اس مقدس فریضے کو پورا کرنے کے لیے مشعلیں لئے بھاگے۔ فلورنڈا نے اپنی آنکھیں کھول کر دیکھا اس کے چاروں طرف آگ لگا دی گئی تھی۔ اس نے مایوسی سے آسمان کی طرف دیکھا اور دو آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے لیکن پھر پادریوں کی اس جماعت نے ایک عجیب ہی منظر دیکھا کہ ایک نوجوان پادری اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر ایک لمبا بانس لیے اس آگ کی طرف بڑھا اور قریب جا کر اس نے بانس کو زمین پر ٹکا کر اس کے سہارے جست لگائی اور آگ کو پھلانگ کر فلورنڈا کے پاس جا پہنچا۔ اس نے سرگوشی کرتے ہوئے کہا:

”چاند......! میں آ گیا ہوں......!“

اس نے جلدی جلدی آگ کے شعلوں کے درمیان فلورنڈا کو کھولنا شروع کیا تو لارڈ پادری ڈیوڈ کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ اس نے یہاں موجود پادریوں کو مزاحمت کرنے کا حکم دیا۔ طارق بن زیاد فلورنڈا کو کھول چکے تھے۔ طارق بن زیاد نے فلورنڈا کو کندھے پر ڈالا اور

جلتی ہوئی آگ کے اوپر سے بانس کی مدد سے اس آگ کو پار کر کے باہر آ گئے، جہاں ان کا گھوڑا کھڑا تھا۔ جونہی یہاں موجود پادریوں کی فوج جلتی مشعلیں لے کر ان کی طرف بڑھی تو طارق بن زیاد کے ساتھیوں نے لبادوں کے اندر سے تلواریں نکال کر انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔

اس دوران طارق بن زیاد فلورنڈا کو گھوڑے پر بیٹھا کر نکل گئے۔ لارڈ پادری ڈیوڈ حیران تھا کہ یہ کون گستاخ پادری ہے جس نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس کے رتبے اور جلال سے ٹکرانے کی جرأت کی ہے۔ اسے اب افسوس تھا کہ وہ اپنے ہمراہ سپاہیوں کا دستہ کیوں نہ لایا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ یہ کوئی پادری نہیں بلکہ مسلمان فوج کا سالار طارق بن زیاد ہے۔ طارق بن زیاد کے بعد ان کے ساتھی مزاحمت کرنے والے پادریوں کو قتل کر کے ان کے ساتھ جا ملے تھے، جبکہ لارڈ پادری ڈیوڈ آگ کے درمیان خالی صلیب کو جلتا دیکھ کر ہاتھ مل رہا تھا۔

اپنے آپ کو نرم و گداز بستر پر پڑے محسوس کر کے فلورنڈا نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ وہ شاہی محل کے کمرے میں پڑی ہوئی تھی اور اس کے سرہانے طارق بن زیاد اس کا سپاہی کھڑا مسکرا رہا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ فلورنڈا کی آنکھوں میں حسرت اور یاس تھی اور وہ اپنی آنکھوں کے ذریعے ساون، بھادوں کی گھٹاؤں کو برسانے ہی والی تھی کہ اس سے پہلے ہی طارق بن زیاد نے کہا:

”فلورنڈا......! مجھے معاف کر دو......! میں میدان جنگ میں مصروف رہ کر تمہارے حالات سے بے خبر رہ گیا تھا......اب تم آرام کرو......اب دنیا کی کوئی بھی طاقت تمہیں مجھ سے جدا نہیں کر سکتی......!“

فلورنڈا نے طارق بن زیاد کو نہایت معمولی لباس پہنے دیکھا تو کہا:

"سپاہی! کیا جنگ ختم ہوگئی ہے۔؟ تم نے وہ لباس کیوں اتار دیا۔؟"

طارق بن زیاد نے جب جنگ کا نام سنا تو حسرت و یاس سے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا:

"نہیں چاند! لیکن اب اندر کی جنگ شروع ہوگئی ہے۔"

اس کے بعد طارق بن زیاد نے موسیٰ بن نصیر کی آمد اور اپنی معزولی کے تمام حالات بتاتے ہوئے کہا:

"میں اپنے آقا سے ملاقات کرنے جا رہا ہوں۔ تمہیں یہاں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ میرے لیے دعا کرنا۔"

طارق بن زیاد کے جانے کے بعد اکاؤنٹ جولین، جارج، لیزنا، یہودا، مارٹین، روکسین اور شہزادی مریم فلورنڈا کے کمرے میں آئے۔ سب فلورنڈا کی حالت دیکھ کر رو رہے تھے۔ فلورنڈا کی ماں کا تو کلیجہ ہی پھٹے جا رہا تھا۔ اس کے بعد فلورنڈا نے سب کو گلے لگایا، سب خوب روئے اور پھر فلورنڈا نے کبھی روتے اور کبھی ہنستے ہوئے اپنی داستان غم سنائی۔ جسے سنتے ہوئے سب کی آنکھیں نم ہوگئیں۔ فلورنڈا نے مسلمانوں کے اخلاق و رواداری اور عیسائیوں کی بے اخلاقی و جرم کا تذکرہ کیا۔ آخر میں فلورنڈا نے سب کو مخاطب ہو کر کہا:

"سب سن لو! میں آج اور ابھی مسلمان ہوتی ہوں۔!!!"

فلورنڈا نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوگئی۔ اس کے مسلمان ہوتے ہی سب حاضرین بھی کلمہ پڑھ کر آغوشِ ایمان میں داخل ہوگئے۔

☆☆☆

غلام دربار آقا میں

موسیٰ بن نصیر نے یہاں آنے کے بعد نہ تو طارق بن زیاد کو ملاقات کا شرف بخشا اور نہ ہی ان کو صفائی کا موقعہ دیا۔ طارق بن زیاد معزول ہونے کے بعد بھی "طلیطلہ" میں مقیم رہے۔ موسیٰ بن نصیر نے ماروہ کی تسخیر کے بعد جب ماہِ شوال 94 ہجری کو طلیطلہ کی طرف رخ کیا تو اطلاع ملتے ہی طارق بن زیاد نے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔

طارق بن زیاد کی حالت یہ تھی کہ انہوں نے اعلیٰ لباس کی بجائے نہایت معمولی لباس پہن رکھا تھا جو وہ دورِ غلامی میں پہنا کرتے تھے اور گھوڑے کی سواری کی بجائے پیادہ تھے۔ طارق بن زیاد نے آگے بڑھ کر موسیٰ بن نصیر کے گھوڑے کی لگام کو چوما۔ یہ حالت دیکھ کر موسیٰ بن نصیر کے ہم رکاب عرب اور بربر سرداروں کی آنکھیں نم ہوگئیں لیکن موسیٰ بن نصیر کچھ زیادہ ہی ناراض تھے۔ وہ ان کو دیکھتے ہی برس پڑے اور ان کو سپاہیوں کے سامنے ڈانٹنا شروع کر دیا اور حکم عدولی کرنے کا الزام لگایا۔ الفاظ اس طرح کے استعمال کیے کہ طارق بن زیاد نے سمجھا کہ شاید مجھ پر مالِ غنیمت میں خرد برد کا الزام لگایا جا رہا ہے۔ اس لیے وہ بولے:

"سردار......! میں شرمندہ نہیں ہوں......! اس لیے کہ میرا ضمیر اس بات پر مطمئن ہے

کہ میں بے گناہ ہوں......اور جو الزامات مجھ پر لگائے گئے ہیں وہ صرف مجھے ذلیل کرنے کا طریقہ ہے......میں نے جو خدمات انجام دیں ہیں ان کا صلہ یہ ذلت اور رسوائی تو نہ تھا......میں نے جو کچھ کیا ہے اللہ جل جلالہ، رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ملت اسلامیہ کی بھلائی کے لیے کیا ہے......مجھے بھروسہ ہے کہ امیر المومنین مجھے بے قصور قرار دیں گے......!"

موسیٰ بن نصیر کا غصہ پھر بھی ٹھنڈا نہ ہوا اور انہوں نے کہا:

"او غلام......! امیر المومنین تک پہنچنے سے پہلے میں جو تیرے محاسبے کے لیے آ گیا ہوں......!!!"

اس کے بعد موسیٰ بن نصیر نے اسلام کے اس نڈر سپاہی کو حکم عدولی کرنے کی وجہ سے کوڑے لگانے اور قید میں ڈالنے کا حکم دیا۔

اس رات طارق بن زیاد کو ملتِ اسلامیہ کی اس عظیم الشان خدمات کے صلے میں وہ زخم انعام دیئے گئے تھے جو کہ کوڑوں کی وجہ سے انگاروں کی طرح جل رہے تھے۔ اس اسلام کے نڈر سپاہی نے سینکڑوں زخم میدانِ جنگ میں کھائے لیکن اتنی تکلیف کبھی بھی محسوس نہ کی جتنی اب جلاد کے پیٹھ پر کوڑے لگانے سے ہوئی۔ جب جلاد آپ کو کوڑے مارنے لگا تو آپ نے جلاد سے کہا:

"میں نے آج تک جتنی بھی جنگیں لڑیں ہیں کبھی بھی پیٹھ پر زخم نہیں کھایا......

(انہوں نے اپنا گریبان چاک کر کے دکھایا تو سینے پر لاتعداد زخم موجود تھے۔ انہوں نے کہا:) یہ دیکھ بہادری کے نشان میں نے اپنے سینے پر سجائے ہوئے ہیں...... میں تجھے اپنے آقا کی حکم عدولی کرنے کو نہیں کہتا...... بلکہ صرف درخواست کرتا ہوں یہ کوڑے جو میرے آقا نے میری خدمات کے صلے میں عطا کیے ہیں انہیں میرے سینے پر مار......!"

جس وقت چند عرب اور بربر سردار طارق بن زیاد کے خیمے میں داخل ہوئے جہاں پر

ں قید کیا گیا تھا تو ان کی یہ حالت دیکھ کر سب سرداروں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ واپسی انہوں نے موسیٰ بن نصیر سے درخواست کی کہ طارق بن زیاد کو ان کا منصب دوبارہ لا کر دیا جائے۔ سرداروں نے یہ درخواست اس لیے کی تھی کہ طارق بن زیاد نے اپنی حکم ولی کے پسِ منظر سے آگاہ کرتے ہوئے کہا تھا:

"اگر میری جگہ آپ صاحبان میں سے کوئی ہوتا تو مصلحتِ وقت کو دیکھتے ہوئے کیا ملہ کرتا؟"

سرداروں کی درخواست اور طارق بن زیاد کی خاموشی نے موسیٰ بن نصیر کا غصہ ٹھنڈا کر دیا کیونکہ ان کو اس نافرمانی کا پسِ منظر تکبر اور غرور کی بجائے سیاسی مصلحت نظر آیا تو ان کو اپنے فیصلے پر دکھ ہوا۔ وہ خود طارق بن زیاد کے خیمے میں داخل ہوئے اور جا کر ان کو اپنے گلے سے لگا لیا۔ دشمن کے دانت کھٹے کرنے والا جانباز سپاہی موسیٰ بن نصیر کے گلے لگ کر ایسے رو رہا تھا جیسے ایک معصوم بچہ اپنے بچھڑے ہوئے ماں باپ سے مل کر روتا ہے۔

موسیٰ بن نصیر نے طارق بن زیاد کو دلاسا دیا اور ان کو انکے منصب پر بحال کرتے ہوئے اسلامی لشکر کی کمان ان کے حوالے کر دی۔ موسیٰ بن نصیر کے اس فیصلے سے سارے سردار بہت خوش ہوئے۔

ماردہ کی فتح کے بعد موسیٰ بن نصیر طارق بن زیاد کے ہمراہ طلیطلہ پہنچے۔ طارق بن زیاد نے مالِ غنیمت جس میں سونے کی اینٹیں، بے شمار قیمتی جواہرات اور شاہانِ اُندلس کے تمام تاج جن پر ہیرے زمرد اور قیمتی موتی جڑے ہوئے تھے، موسیٰ بن نصیر کے حوالے کیے۔ اس کے علاوہ تختِ سلیمان بھی ان کے حوالے کیا۔

مالِ غنیمت کی سپردگی پر موسیٰ بن نصیر کے دل سے طارق بن زیاد کے لیے جو غصہ یا حکم عدولی کی وجہ سے نفرت تھی سب ڈھل گئی۔ مالِ غنیمت کا جائزہ لینے کے بعد چند دن موسیٰ بن

نصیر نے آرام فرمایا اور پھر فتوحات کا سلسلہ جاری کر دیا۔

موسیٰ بن نصیر نے طارق بن زیاد کو مقدمۃ الجیش کا سالار بنایا اور نئی فتوحات کے لیے پیش قدمی کی۔ طارق بن زیاد متعین مقامات پر فوج کو لے جاتے اور موسیٰ بن نصیر ان کے پیچھے اسلامی لشکر کو لے کر ان کی مدد کو پہنچ جاتے۔ موسیٰ بن نصیر نے اپنی تجویز کو نگاہ میں رکھتے ہوئے پیش قدمی کی جیسا کہ ان کے پروگرام میں شامل تھا کہ وہ اُندلس سے مشرق کی طرف یورپ کے جنوبی ساحلی مقامات سے ہوتے ہوئے فرانس، اطالیہ، یوگوسلاویہ اور بلغاریہ سے ہوتے ہوئے قسطنطنیہ میں داخل ہونگے۔ یہاں سے اناطولیہ سے گزر کر شام میں آجائیں گے۔

وہ خشکی کے راستے سے اُندلس میں ایک ایسی شاہراہ تشکیل دینا چاہتے تھے جو سمندر کی بجائے خشکی پر قائم ہو، سمندر سے نہ گزرنا پڑے اور اس خشکی کے راستے سرزمینِ اُندلس کو ''دارُالخلافہ'' سے ملا دیا جائے۔ لہٰذا انہوں نے مفتوحہ علاقوں کی عوام سے بہت ہی نرم اور اچھا سلوک کیا تاکہ اُندلس کے باشندوں کے دلوں میں مسلمانوں کا جو خوف و ہراس اور نفرت پھیل چکی ہے وہ دور ہو جائے اور اسلامی حکومت اور اقتدار کو وہ جبراً نہیں بلکہ خوشی سے قبول کریں۔

موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد کا یہ مقصد تھا کہ ملکوں میں امن و ایمان کو قائم کیا جائے اور ان میں ایسی فضا پیدا کر دی جائے جو عوامُ الناس کی فلاح و بہبود اور سلامتی کی ضامن ہو اور اُندلس سے شام تک کا علاقہ ایک ہی سلسلے میں منسلک ہو جائے جس سے اقتصادی، تمدنی اور رفاہی فائدے حاصل ہوں۔ موسیٰ بن نصیر نے طارق بن زیاد کو بھی یہی بات سمجھا کر بھیجا تھا کہ وہ وہاں کی رعایا کے ساتھ نرمی اور حسنِ سلوک سے پیش آئیں اور اپنے اخلاق اور کردار سے عوام کے دل لوٹ لیں۔ مار کٹائی سے پرہیز کریں اور رعایا کے مذہبی جذبات

کو مجروح نہ کریں تاکہ وہ آپ سے متاثر ہوں۔ ملک کے نظام کو درہم برہم نہ کیا جائے اور نہ ہی فصلوں کو نقصان پہنچایا جائے۔

طارق بن زیاد کو اس کے بعد کہیں بھی کسی بڑی فوج سے مقابلہ نہ کرنا پڑا۔ وہ بڑھتے ہوئے اس صوبے کے صدر مقام ''سرقسطہ'' تک جا پہنچے اور اسے بغیر کسی مزاحمت کے فتح کر لیا۔ طلیطلہ سے لے کر سرقسطہ تک طارق بن زیاد مقدمۃ الجیش سے ہی تمام شہر فتح کرتے ہوئے چلے آئے۔ ان کو موسیٰ بن نصیر کے لشکر کی ضرورت بھی پیش نہ آئی۔ وہ جس شہر کو فتح کرتے اور جن شرائط کو منظور کرتے اس کے بعد موسیٰ بن نصیر ان کی تصدیق کرتے جاتے۔ لہٰذا شہر سرقسطہ اس صوبے کا دارُالحکومت قرار دیتے ہوئے موسیٰ بن نصیر نے عبداللہ بن حنش کو یہاں کا پہلا گورنر مقرر کیا۔

''برشلونہ'' کا حاکم ''یوقنا'' بڑا چالاک، مکار لیکن بے خوف اور بہادر انسان تھا۔ اس نے جب مسلمانوں کی پیش قدمی کی خبر سنی تو اس نے فوج میں جبری طور پر بھرتی کرتے ہوئے اہلِ شہر کے تمام نوجوانوں کو فوج میں ملا لیا۔ اس شہر کا کوئی بھی ایسا نوجوان نہ تھا جو فوجی نہ ہو۔ اس نے بڑے چالاک اور ہوشیار جاسوس مقرر کیے تاکہ وہ مسلمانوں کی نقل و حرکت پر نظر رکھیں اور اسے مطلع کرتے رہیں کہ اب اسلامی لشکر کے کیا مقاصد ہیں اور اب وہ کس شہر پر حملہ کرنے والا ہے۔

اس شہر میں خوراک کا بہت بڑا ذخیرہ موجود تھا۔ سپاہیوں اور ہتھیاروں کی بھی کوئی کمی نہ تھی۔ پھر یوقنا نے تو کافی عرصے سے اس جنگ کی تیاری کر رکھی تھی۔ وہ مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کا عہد کر چکا تھا۔ برشلونہ کا قلعہ شہر سے بالکل الگ اور ہٹ کر تھا۔ جسے یوقنا نے کافی مضبوط کر رکھا تھا۔ جونہی یوقنا کے جاسوسوں نے مسلمانوں کی پیش قدمی کی خبر دی تو وہ قلعہ بند ہو گیا۔ شہر میں موجود بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کو ان کے حال

پر چھوڑ دیا گیا۔

دوسری طرف طارق بن زیاد ان حالات سے بے خبر تھے۔ انہوں نے "حمیرہ بن کعب" کو ایک سو مجاہدین کا دستہ دے کر اول دستہ کے طور پر روانہ کیا اور حکم دیا کہ جا کر شہر کا محاصرہ کر لو مگر جنگ نہ کرنا جب تک بقایا فوج نہ پہنچ جائے۔

طارق بن زیاد کا حکم ملتے ہی حمیرہ آندھی اور طوفان کی طرح برشلونہ کی طرف بڑھا یوقنا کو بھی جاسوسوں نے خبر دے دی تھی کہ مسلمانوں کا صرف ایک دستہ جس میں صرف ایک سو مجاہدین ہیں برشلونہ پر یلغار کرنے کے لیے بڑھ رہا ہے۔

یوقنا جہاں لومڑی کی طرح چالاک بھی تھا وہاں چیتے کی طرح سفاک بھی اور چھپ کر حملہ کرنے میں بھی مہارت رکھتا تھا۔ بالکل اسی طرح جیسے چیتا حملہ کرتا ہے۔ اس جانور کی بھی عادت ہے کہ کبھی بھی انسان پر سامنے سے حملہ نہیں کرتا بلکہ چھپ کر بے خبری کے عالم میں حملہ کرتا ہے۔ لہذا یوقنا نے ایک سو مجاہدین کے مقابلے کے لیے کئی ہزار سپاہیوں کا لشکر اپنے ساتھ لیا، شہر سے آٹھ میل دور پہاڑی سلسلہ میں جا کر چھپ گیا اور مسلمانوں کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔

مسلمان مجاہدین بے خبری کے عالم میں اپنے گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے جونہی ان پہاڑیوں کے پاس سے گزرے جہاں پر یوقنا اور اس کے فوجی چھپے ہوئے تھے تو یوقنا نے کئی ہزار کے لشکر کے ساتھ ان ایک سو مجاہدین پر اچانک حملہ کر دیا۔ پہلے تو مسلمان اس اچانک حملے کی وجہ سے بوکھلا گئے جس وجہ سے کئی مجاہد یوقنا کے ساتھیوں نے شہید کر دیے، لیکن جلدی ہی وہ دشمن کی مکاری سے واقف ہو گئے اور پھر ان مٹھی بھر مجاہدوں نے اس ہزاروں کی تعداد کو اپنی وار شگاف تلواروں کی دھار پر رکھ لیا۔

زبردست مقابلہ شروع ہوا۔ تلواریں اور بھالے بجلیوں کی طرح چمکنے لگے۔ مجاہدین

اسلام نے اس دلیری اور بہادری سے مقابلہ کیا کہ بدر اور حنین کے مجاہدین کی یاد تازہ ہو گئی۔ مجاہدین نے ایسے حملے کیے کہ وہ یوقنا کے سپاہیوں کی پسلیاں توڑ کر نکل گئے۔ ان کی تلواروں نے دشمن کے سر اس طرح کاٹنے شروع کئے کہ میدان میں کھوپڑیوں کا ڈھیر لگ گیا۔ خون کی ندیاں بہہ نکلیں اور دشمن کی لاشوں سے میدان بھر گیا۔

ان مجاہدینِ اسلام نے میدانِ جنگ میں ایسے جوہر دکھائے کہ یوقنا کو امدادی فوج منگوانی پڑی۔ یوقنا کی امدادی فوج آ چکی تھی لیکن اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کے یہ چند سپاہی زندگی اور موت سے بے نیاز ہو کر شوقِ شہادت میں شاہینوں کی طرح ان پر جھپٹ پڑے کہ ان کی تلواریں دشمن کو کاٹتے ہوئے دوسری طرف چلی گئیں۔ بھالے اور تیر دشمن کے جسم میں سوراخ کرتے ہوئے پار ہو گئے۔ کسی کا اٹھا ہوا ہاتھ تلوار سمیت ہی کٹ کر میدان میں گرا اور کسی کا دھڑ خاک آلود ہو گیا۔

یوقنا نے جب اسلامی مجاہدوں کے اس جوش و خروش کو دیکھا تو ان مٹھی بھر مجاہدین سے اپنی آدھی سے زیادہ فوج کٹوا کر میدانِ جنگ سے بھاگ گیا۔ ایک تو مجاہدین کے جوہر دیکھ کر اور دوسرا اس لیے بھی کہ اس کو اطلاع مل چکی تھی کہ مسلمانوں کی امداد کے لیے شیر دل طارق بن زیاد پہنچ رہے ہیں۔ طارق بن زیاد نے آتے ہی حالات کا جائزہ لیا۔ جب ان کو یوقنا کی مکاری کا علم ہوا تو انہوں نے اس کا جواب اسی انداز میں دینے کے لیے سپاہیوں کو حکم دیتے ہوئے کہا:

"مردہ عیسائیوں کے تمام تر گھوڑوں کو اکٹھا کیا جائے۔!"

فوراً مجاہدین نے عیسائی سپاہیوں کے آوارہ پھرتے ہوئے گھوڑوں کو اکٹھا کیا اور پھر طارق بن زیاد کے حکم سے مردہ عیسائی سپاہیوں کی لاشوں کو اٹھا کر ان گھوڑوں پر لاد دیا۔ اس کے بعد مجاہدین نے کئی سو گھوڑوں کو شہر کی طرف ہانک دیا۔ اہلِ شہران کو بھی یوقنا کا پیچھے آنے

والا لشکر سمجھے اور دروازہ کھول دیا۔ کئی سو گھوڑے بدحواسی سے شہر میں داخل ہوئے۔ اہلِ شہر نے جب سینکڑوں لاشیں عیسائی سواروں کی ان گھوڑوں پر لدی ہوئی دیکھیں تو خوفزدہ ہوگئے کیونکہ یوقنا مجاہدین سے شکست فاش کھانے کے بعد بھگوڑا فوج کے ساتھ قلعہ میں چلا گیا تھا اور قلعہ شہر سے الگ تھلگ تھا۔ اس لیے اس واقعہ کا علم اسے نہ ہوسکا۔

اہلِ شہر خوفزدہ ہوچکے تھے۔ انہوں نے باہم مشورہ کیا اور پھر صبح ہوتے ہی سفید جھنڈا اٹھائے ایک وفد کی صورت میں اسلامی لشکر میں آئے اور وفد کا سردار آ کر طارق بن زیاد سے امان کا طلب گار ہوا۔ طارق بن زیاد نے جواب دیتے ہوئے فرمایا:

"تم لوگ امان چاہتے ہو لیکن تمہارا سردار یوقنا ہم سے جنگ کرنے پر آمادہ ہے پھر یہ صلح کیسے ہوسکتی ہے۔؟"

وفد کے قائد نے جواب دیا:

"نیک دل سردار! جب ہم اہلِ شہر مسلمانوں سے جنگ نہیں کرنا چاہتے تو ہمارے سردار کو کیا حق ہے کہ وہ ہمیں قربانی کے بکرے بنا کر جنگ کرائے۔ اہلِ شہر کو کوئی پرواہ نہیں۔ وہ یوقنا کی مدد نہیں کریں گے۔ یوقنا اگر جنگ کرنا چاہتا ہے تو اہلِ شہر کو چھوڑ کر اپنی فوج کو میدان میں لا کر مقابلہ کرے یا خود میدان میں آ کر جنگ کرے۔ وہ خود اپنی فوج کے ساتھ تو قلعہ بند ہے اور اہلِ شہر کو جنگ کا ایندھن بنانے کے لیے ان کے حال پر چھوڑ گیا ہے۔ جبکہ شہر میں عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کی ایک کثیر تعداد موجود ہے اور نوجوان ایک بھی نہیں۔"

طارق بن زیاد نے جواب دیا:

"ہمارا مذہب یہ نہیں سکھاتا کہ زبردستی کسی سے جنگ کی جائے۔ جو ہمارے خلاف ہتھیار نہ اٹھائیں اور امان چاہیں ہم ان پر ہتھیار اٹھانا گناہ تصور کرتے ہیں۔ پھر ہمارا مذہب

بوڑھوں، عورتوں اور بچوں پر تلوار اٹھانے کو سختی سے منع کرتا ہے۔ جاؤ! اور اہلِ شہر میں موجود عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کو یہ خوشخبری سناؤ کہ ہم مسلمان کسی بھی حالت میں ان پر ظلم و ستم کرنا جائز نہیں سمجھتے۔ اس فعل کو بزدلی، اخلاق کے خلاف اور اس کے فاعل کو بزدل اور بداخلاق سمجھتے ہیں۔ جاؤ! ہم تم پر حملہ نہیں کریں گے۔!"

اہلِ شہر لوٹ کر آئے تو یوقنا کے مقرر کردہ حاکم "اقلس" نے ان سے دریافت کیا کہ وہ کہاں سے آئے ہیں تو اہلِ شہر کے قائد نے جواب دیا:

"ہم مسلمانوں کے سردار سے امان طلب کرنے گئے تھے اور امان لے کر آئے ہیں۔"

اقلس نے یہ اطلاع فوراً یوقنا کو پہنچا دی، وہ اسے سنتا ہی آگ بگولا ہوگیا اور اپنے سپاہیوں کو ان غداروں کی گرفتاری کے لیے بھیج دیا۔ سپاہیوں نے آ کر کئی بے گناہوں کو قتل کر دیا۔ ان کے گھروں کو آگ لگا دی یہاں تک کہ بچوں اور بوڑھوں پر بھی رحم نہ کیا اور ان پر بھی تلوار چلا دی۔ اہلِ شہر کی چیخ و پکار اور ان کے جلتے گھروں کو دیکھ کر طارق بن زیاد نے اندازہ لگا لیا کہ یہ حرکت یوقنا کی ہے۔ انہوں نے فوراً مغیث کو حکم دیا:

"اے مغیث! ایک دستہ فوج کا لے کر جاؤ! اور اہلِ شہر کی امداد کرو۔ جاؤ! ہم انہیں امان دے چکے ہیں اور ان کی حفاظت ہم پر فرض ہے۔"

مغیث اسی وقت فوج کا ایک دستہ لے کر شہر والوں کی امداد کے لیے شہر کے اندر داخل ہوگیا اور پھر مسلمانوں نے ہر وہ بازو کاٹ ڈالا جس میں تلوار موجود تھی۔ مجاہدوں نے مظلوموں کے خون کا اس طرح بدلہ لیا کہ کوئی ظالم ان کی تلوار سے نہ بچ سکا۔ اس کام سے فارغ ہو کر ان بچے ہوئے شہریوں کو تسلی دی کہ ان کی حفاظت کے لیے شہر کے اندر فوجی چوکی قائم کر دیا گیا ہے جو ان کو یوقنا کی فوج سے امان میں رکھے گا۔

ادھر جب یوقنا کو اپنے ساتھیوں کے قتلِ عام اور شہر میں مسلمان سپاہیوں کے کیمپ کی

اطلاع ملی تو وہ انگاروں پر لوٹنے لگا۔اس نے کھلے عام تو مقابلہ پر آنے کی جرأت نہ کی لیکن بدلہ لینے کی قسم کھالی۔پھر آدھی رات کے وقت یوقنا اپنی فوج کے ساتھ قلعے سے نکلا اور مجاہدین کے کیمپ پر ”شب خون“ مارنے چھپٹ پڑا۔مجاہدین بے خبر تھے اس لیے یوقنا نے اچانک حملہ کرنے سے کیمپ میں ہل چل سی مچ گئی اور مجاہدین اپنے ہتھیار بھی نہ سنبھال سکے۔دشمن ہتھیار بند تھا اس لیے اس کا پلہ بھاری تھا۔

یوقنا نے اپنے سپاہیوں کا بدلہ لینے کے لیے کئی مسلمانوں کو اپنی تلوار سے شہید کیا۔ مجاہدین نے مقابلہ کرنا چاہا لیکن دشمن نے اتنی مہلت ہی نہ دی کہ وہ تیاری کرسکیں۔پچاس کے قریب مجاہدین گرفتار ہوئے جن میں اس دستے کا حاکم مفیث بھی تھا۔بقایا کو شہید کردیا گیا۔دوسری صبح سویرے دستے کے سالار مفیث کو تو جیل میں ڈال دیا گیا اور بقایا مسلمان مجاہدین کی مشکیں کس کر قلعے پر کھڑا کردیا گیا اور ان مجاہدین کے سرتن سے جدا کردیئے گئے۔

موسیٰ بن نصیر نے ایک سو سپاہیوں کے ہمراہ سامانِ خوراک اور طارق بن زیاد کے نام ایک خط بھی بھیجا۔جس میں لکھا ہوا تھا:

”طارق! برشلونہ کا محاصرہ طویل ہوتا جا رہا ہے اسے فوراً فتح کیا جائے۔“

خوراک لے کر آنے والے فوجی شہر سے تھوڑی ہی دور پہنچ گئے تھے کہ ادھر یوقنا اس کے جاسوسوں نے فوراً اطلاع دی کہ سو مسلمان سپاہی اسلامی لشکر کے لیے سامان خوراک لے کر آرہے ہیں۔“

یوقنا نے یہ سن کر فوراً اپنے دستہِ خاص کو قلعے کے خفیہ دروازے سے نکال دیا اور حکم دیا

”اے جی دار سپاہیو! سامانِ خورد ونوش لوٹ کر لے آؤ اور سپاہ کو قتل کردو۔!“

ایک ہزار کی تعداد پر مشتمل یہ عیسائی لشکر پہاڑوں کی آڑ میں چھپ گیا اور اسلا

قافلے کا انتظار کرنے لگا جو کہ خوراک کا سامان لے کر آرہا تھا۔دوپہر کے قریب مسلمان سپاہی خچروں پر سامانِ خوراک لادے جب اس مقام پر پہنچے جہاں یوقنا کے بزدل ساتھی چھپے ہوئے تھے تو انہوں نے فوراً نکل کر مسلمانوں کے قافلے پر حملہ کردیا۔اس عیسائی جماعت نے کافی مسلمانوں کو شہید کردیا۔سامانِ خوراک لوٹ لیا۔ بھاگ نکلنے والے سپاہیوں نے فوراً یہ ماجرا طارق بن زیاد کو سنایا تو طارق بن زیاد کو بہت غصہ آیا کیونکہ دشمن نے چھپ کر دوسری مرتبہ حملہ کیا تھا۔طارق بن زیاد نے ”ربیعہ بن حاطب“ کو ایک دستہ دیکر انتقام لینے کے لیے روانہ کیا۔ربیعہ جب موقعہ محل پر پہنچے تو یوقنا کے سپاہی غائب ہو چکے تھے۔ربیعہ نے چند چرواہوں سے پوچھا تو انہوں نے پہاڑوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا:

”یوقنا کے سپاہی سامانِ خوراک سے لدے خچروں کو ساتھ لے کر پہاڑ کے غار میں چھپے ہوئے ہیں۔“

ربیعہ جب غار کے دہانے پہنچے تو انہوں نے اس پہاڑ کے وسیع غار میں اس لشکر کو عیش وعشرت میں مبتلا پایا۔دشمنوں نے اسلامی لشکر کی شکست کی خوشی میں جانور بھونے ہوئے تھے اور وہ شراب کے جام کھنکا رہے تھے۔ربیعہ نے اپنے آدمیوں کے ساتھ ان پر حملہ کردیا اور چند سپاہیوں کو غار کے دروازے پر مقرر کردیا تاکہ بھاگنے کا راستہ بھی بند ہو جائے۔اس کے بعد ربیعہ نے دشمنوں سے ایسا بدلہ لیا کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔اس کے بعد ربیعہ نے خواک سے لدے ہوئے خچر جو عیسائیوں نے مسلمانوں سے لوٹ لیے تھے اپنے ساتھ لیے اور واپس طارق بن زیاد کے پاس آگئے۔

طارق بن زیاد کو مفیث کی گرفتاری اور ان کے ساتھیوں کے قتل عام کی خبر شہریوں سے مل چکی تھی اور اس کے ساتھ ہی موسیٰ بن نصیر کا خط بھی مل چکا تھا۔لہٰذا انہوں

نے مشورے کے لیے اپنے ساتھی سرداروں کو اکٹھا کیا۔ باہم مشورے کے بعد یہ طے پایا کہ ربیعہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ دوبارہ اسی مقام پر جائیں جہاں پہاڑی کی غار میں عیسائی سپاہ کی لاشیں پڑی ہوئی ہیں۔ وہ ان عیسائیوں کے کپڑے اتار کر اپنی فوج کو پہنا دیں اور پھر اس خفیہ راستے کو تلاش کریں جس سے عیسائیوں کا لشکر نکل کر سامانِ خوراک لانے والے مسلمانوں پر حملہ آور ہوا تھا۔ پھر عیسائی لباس میں وہ اپنی سپاہ کے ساتھ اس خفیہ راستے سے قلعہ میں داخل ہو کر اچانک حملہ کر دیں جب کہ ان سے قبل ہی طارق بن زیاد مع اپنے لشکر کے شہر میں داخل ہو کر یوقنا کے قلعے پر اچانک حملہ کریں گے۔ یوقنا کی ساری توجہ طارق بن زیاد اور ان کے لشکر کی طرف ہو گی لہٰذا اس سے ربیعہ پوری طرح فائدہ اٹھائیں اور حملہ کر کے قلعے کا دروازہ طارق بن زیاد کے لیے کھول دیں۔

اس پلان کے تحت ربیعہ اپنے لشکر کے ساتھ اسی وقت دوبارہ پہاڑیوں کی طرف چل دیئے۔ طارق بن زیاد نے بقایا فوج کے ساتھ شہر کے باہر موجود قلعے کا رُخ کیا۔ شہر میں مزاحمت کرنے والے صرف چند سپاہی موجود تھے جنہیں طارق بن زیاد نے کاٹ کر پھینک دیا اور آگے بڑھ کر قلعے کا محاصرہ کر لیا۔

یوقنا کی توجہ اب اس محاصرہ کی طرف لگی ہوئی تھی اور اس نے فصیل پر تیر انداز اور نیزے پھینکنے والوں کو اکٹھا کر رکھا تھا۔ خشت باری کے لیے بھی پورا انتظام تھا اور کڑاہوں میں تیل بھی کھولایا جا رہا تھا۔

دوسری طرف ربیعہ نے تمام اسلامی لشکر کے ہمراہ واپس جا کر مقتول عیسائیوں کے لباس پہن لیے اور اب وہ گھوڑوں کی ٹاپوں کے نشانوں پر خفیہ راستے کی تلاش میں نکلے۔ چلتے چلتے اسلامی لشکر ایک خشت نالے تک آ پہنچا جو آگے جا کر جھاڑیوں کے جنگل میں نکلتا تھا۔ جب اسلامی لشکر وہاں پہنچا تو ان کی مشکل ایک گھوڑے نے حل کر دی جو اس

راستے سے واقف تھا اور اپنے مردہ مالک کی لاش منہ میں لیے چلا جا رہا تھا۔ ربیعہ اور ان کے ساتھیوں نے اس گھوڑے کا تعاقب کیا جو خشت نالے میں جھاڑیوں کے اندر داخل ہو گیا۔ تھوڑی دور جانے کے بعد اسلامی لشکر کو خفیہ راستہ مل گیا جو ایک سرنگ کی صورت میں تھا۔ ربیعہ اور ان کے ساتھی دبے پاؤں اس میں داخل ہو گئے۔ یہ سب گھوڑوں پر سوار تھے۔ یہاں چند تیر انداز محافظ اس جنگل میں درختوں پر بیٹھے سرنگ کی حفاظت پر معمور تھے لیکن عیسائیوں کے لباس میں وہ بھی مسلمانوں کو نہ پہچان سکے اور ان کو مسلمانوں سے سامانِ خوراک لوٹنے والا لشکر سمجھ کر جانے دیا اور مزاحمت نہ کی۔

جونہی ربیعہ اور ان کے ساتھی اس راستے سے قلعے میں داخل ہوئے تو یہاں معمور محافظ بھی انہیں اپنی فوج کا دستہ سمجھے اور پھر ان کو ہوش اس وقت آیا جب ربیعہ کے ساتھیوں نے ان پر حملہ کر دیا اور ان کو کاٹنا شروع کر دیا۔ دوسری طرف یوقنا اپنی پوری طاقت اور توجہ کے ساتھ قلعے کی فصیل پر موجود تھا اور طارق بن زیاد کے ساتھیوں پر تیروں کی بوچھاڑ کر رہا تھا جو کہ اس کے قلعے کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ طارق بن زیاد کے لشکر پر بھاری منجیقوں سے خشت باری کی جا رہی تھی اور یوقنا آہن پوش شمشیر زنوں کو ساتھ لے کر بالکل تیار کھڑا تھا کہ اگر کسی نے بھی فصیل پر حملہ کیا تو وہ تلوار کی دھار سے اس کو ختم کر دے۔

یوقنا کے مخالف سمت طارق بن زیاد اسے مصروف رکھنے کے لیے ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر بھی رہے تھے اور اپنے لشکر کو بھی تیروں کی بوچھاڑ کرنے کا حکم دے رہے تھے۔ طارق بن زیاد نے لشکر قلعے کے دروازے پر کھڑا کیا ہوا تھا اور وہ ربیعہ کے حملے کے انتظار میں تھے۔ شور و غل کی آوازیں سن کر یوقنا نے فصیل سے دیکھا کہ عیسائی سپاہی آپس میں تلواریں چلا کر لڑ رہے تھے کیونکہ ربیعہ اور ان کے ساتھی بھی عیسائی لباس میں تھے اس پر یوقنا کو اس موقعے پر اپنی فوج میں یہ انتشار برا لگا اور وہ غصے سے صورتِ حال معلوم

کرنے وہاں پہنچا تو حیران رہ گیا کہ عیسائیوں کے ہاتھوں عیسائی کٹ رہے تھے اور کچھ عیسائی جنگ کرتے ہوئے پھاٹک تک پہنچ چکے تھے اور اتنی جلدی سے اس پھاٹک کو کھول دیا تھا کہ یوقنا حیران رہ گیا۔

پھاٹک کھلتے ہی طارق بن زیاد لشکرِ اسلامی کے ساتھ قلعے میں داخل ہوگئے اور وہ عیسائی لباس پہننے والے بھی ان کے دستہ میں مل گئے۔ اب یوقنا پر یہ راز کھل گیا تھا کہ جن کو وہ اپنی فوج کا دستہ سمجھ رہا تھا وہ دراصل عیسائی لباس میں مسلمان تھے جو قلعے کے خفیہ دروازے سے اندر داخل ہوگئے تھے لیکن اب سوچنے کی بجائے عمل کا وقت آ گیا۔ لہٰذا اس نے تلوار سونت لی اور مسلمانوں کے مقابلے میں ڈٹ گیا۔

دوسری طرف ربیعہ کے ساتھیوں نے طارق بن زیاد کے ساتھ مل کر تباہی مچا دی اور دشمن بدحواس ہوگیا۔ اسلامی لشکران کے سپاہیوں کو لکڑیوں کی طرح کاٹ رہا تھا۔ اس افراتفری سے فائدہ اٹھا کر جن آدمیوں کو یوقنا نے جبری بھرتی کیا تھا انہوں نے اسلامی لشکر کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ اپنی کثیر تعداد کو ہتھیار ڈالتے دیکھ کر بقایا فوج بھی ہمت ہار گئی۔ اس کے باوجود یوقنا نے انہیں غیرت دلانی چاہی لیکن انہوں نے اس کی ایک نہ سنی۔ عیسائی فوج جم کر مسلمانوں کے سامنے مقابلہ نہ کر سکی اور اس بددلی کی حالت میں عیسائی فوج کی ایک کثیر تعداد اسلامی لشکر کی تلواروں کا شکار ہوگئی۔ جو باقی بچے انہوں نے ہتھیار پھینک کر شکست تسلیم کر لی۔ مجاہدین نے تلواریں نیام میں رکھ لیں۔

یہ دیکھ کر یوقنا آگے بڑھے اور طارق بن زیاد سے معافی مانگتے ہوئے کہنے لگے:

"سردار! میں اپنی مرضی سے مسلمان ہوتا ہوں۔ مجھے اس جذبے نے بڑا متاثر کیا ہے کہ مٹھی بھر جماعت اُندلس میں داخل ہوئی اور سارے اُندلس کو فتح کر لیا۔ واقعی آپ لوگ خدا کے پیارے ہیں۔ آپ کے کردار اخلاق اور رعایا کے ساتھ سلوک کو دیکھتے ہو۔

میں نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اب آپ چاہیں تو مجھے قتل کر سکتے ہیں۔"

طارق بن زیاد نے جواب دیا:

"یوقنا! ہم مسلمانوں کا شیوا ہے کہ ہم امان دے کر سزا نہیں دیا کرتے۔ تم مسلمان ہو کر ہمارے بھائی بن گئے ہو۔ جس طرح اللہ ربُ العالمین بھلائی کی طرف سچے دل سے آنے والوں کو معاف فرما دیتا ہے اسی طرح اس نے مسلمانوں کو بھی حکم دیا ہے کہ وہ بھی راہِ راست پر آنے والوں کو معاف کر دیں۔ مسلمانوں کا خون جو تم نے بہایا میں نے وہ خون تمہیں معاف کیا۔!"

طارق بن زیاد اور یوقنا کے درمیان گفتگو ہو رہی تھی کہ اسی دوران مفیث بھی آ گیا جو کہ قید میں ڈالا گیا تھا اور اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے اسلامی بھائیوں کو بھی قتل کیا گیا تھا۔ اس نے عزم کیا ہوا تھا کہ وہ یوقنا کو اپنے ہاتھوں قتل کرے گا۔ جب ربیعہ، مفیث کو قید سے چھڑا لائے تو مفیث نے یوقنا کو دیکھا تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا کیونکہ یوقنا غیر مسلح کھڑا تھا اس لیے مفیث نے ربیعہ سے تلوار لے کر یوقنا کی طرف پھینکی اور کہا:

"یوقنا! تلوار اٹھا لے! میں عہد کر چکا تھا کہ تیری گردن بھی اسی طرح اڑاؤں کا جس طرح تم نے میرے مسلمان ساتھیوں کی گردنیں کاٹی تھیں۔!"

طارق بن زیاد نے مفیث کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"مفیث! میرے بھائی! یوقنا نے عیسائیت کو ترک کر دیا ہے اور وہ مسلمان ہو گیا ہے۔ اس لیے میں نے اسے امان بھی دی ہے اور مسلمانوں کا خون بھی معاف کر دیا ہے۔"

مفیث انتہائی غصے میں تھا اس نے بڑی تلخی سے جواب دیتے ہوئے کہا:

"سردار! میں اسے معاف نہیں کر سکتا۔ میں اپنے ساتھیوں کا قصاص ضرور لوں گا۔"

طارق بن زیاد نے پھر بڑے تحمل اور نرم لہجے میں کہا:

"مغیث! تم مسلمانوں کی روایت اور اللہ ﷻ اور رسول ﷺ کے دین کو نہیں بدل سکتے۔ میں فوج کا سالار ہوں اور اسے امان دے چکا ہوں۔! تم میرے ماتحت ہو اس لیے تمہیں حکم عدولی نہیں کرنی چاہیے۔!"

مغیث بڑے جوش میں تھا اور قصاص لینے کا عزم کر چکے تھا لہٰذا وہ بڑے جوشیلے انداز میں بولا:

"اے طارق بن زیاد! آپ موسیٰ بن نصیر کے اُندلس آنے سے پہلے پورے اسلامی لشکر کے سالار ضرور تھے لیکن ان کی موجودگی میں آپ کی حیثیت بھی ہم سے زیادہ نہیں ہے۔ سرداری کے فرائض میں بھی ادا کر چکا ہوں اور آپ کے ساتھ میں نے بھی اُندلس کی سرزمین پر بحیثیت سالار کے قدم رکھتے ہوئے جزیرۂ خضرا کو فتح کیا تھا۔"

مغیث کچھ زیادہ ہی جوش میں تھا لیکن اس سے پہلے کہ یہ جوش اور تلخی بڑھ جائے ربیعہ اور دیگر امراء آئے اور اس کو سمجھاتے ہوئے لے گئے۔ یہ دوسرا موقعہ تھا جب مغیث کے دل میں طارق بن زیاد کے خلاف بدگمانی پیدا ہوئی تھی۔

برشلونہ کی فتح کے بعد طارق بن زیاد نے سرقوسہ، اربونہ، حصن، انبیون، لودون وغیرہ کے قلعے بھی فتح کیے۔ اس طرح شمالی اُندلس کی چند ریاستوں کو چھوڑ کر تمام ملکِ اُندلس سلطنتِ امویہ کا ایک حصہ بن گیا لیکن مغیث ان میں شمولیت کرنے کی بجائے دارالخلافہ لوٹ گیا اور واپس جا کر اپنی بہن عالیہ اور اپنی بیوہ والدہ کے ساتھ رہنے لگا۔ خلیفہ نے پھر اسے اپنی حفاظت کا عہدہ سونپ دیا۔

☆☆☆

سپہ سالاران اسلام کا انجام

اُندلس کے تمام علاقوں کو فتح کرنے کے بعد موسیٰ بن نصیر نے اپنی تھکی ہوئی فوج کو آرام کرنے کا حکم دیا اور خود طارق بن زیاد اور دیگر سرداروں کے ساتھ مشورے میں مصروف ہو گئے۔ کیونکہ مخبروں کی اطلاع کے مطابق فرانس کا بادشاہ "قارلہ" مسلمانوں کے خطرے کے پیشِ نظر ایک عظیم لشکر تیار کر رہا تھا۔ اسی دوران موسیٰ بن نصیر پر طارق بن زیاد اور اکاؤنٹ جولین کی لڑکی فلورنڈا کی محبت کا راز بھی کھل گیا۔

فلورنڈا صحت یاب ہو چکی تھی اور وہ اپنے باپ اکاؤنٹ جولین کے ساتھ سبتہ میں تھی۔ اکاؤنٹ جولین کو معلوم تھا کہ فلورنڈا کے لیے طارق بن زیاد نے کیسے سر دھڑ کی بازی لگا کر اس کی جان بچائی تھی۔ لہٰذا موسیٰ بن نصیر نے خود اکاؤنٹ جولین سے طارق بن زیاد کے لیے فلورنڈا کا رشتہ مانگ لیا۔ بھلا اکاؤنٹ جولین کو کیا انکار ہو سکتا تھا۔؟ بہرکیف فلورنڈا کو سبتہ سے بلا کر موسیٰ بن نصیر نے خود دونوں کی شادی کروا دی۔ فلورنڈا اپنی قوم، کردار اور اخلاق سے اتنی بدظن ہو چکی تھی کہ اس کے دل میں پہلے ہی ایمان کی شمع روشن ہو چکی تھی اور وہ کلیسا میں اسقفِ اعظم کے نائب پادری لارڈ ڈیوڈ کے سامنے ہی اپنے ایمان کا اظہار کر چکی تھی۔ لہٰذا اس نے طارق بن زیاد سے شادی کرتے وقت دوبارہ تجدیدِ ایمان کیا اور

طارق بن زیاد کی بیوی ہونے کا شرف حاصل کیا۔

یہودا، روکسین، لیزنا، مارٹین، جارج، اکاؤنٹ جولین، اس کی بیوی اور مریم نے بھی سچے دل سے اسلام کی حقانیت کی گواہی دی اور دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ یہ سب اب مسلمان تھے...... مسلمانوں کے اخلاق نے ان کو عیسائیت سے تائب کر دیا تھا...... طارق بن زیاد اور فلورنڈا کی شادی کے فوراً بعد...... جارج اور مارٹین کی شادی وقوع پذیر ہوئی لیزنا نے اپنے ماں باپ کے پاس واپس جانا پسند کیا۔ طارق بن زیاد اور فلورنڈا کے علاوہ باقی سب لوگ سارا مال و دولت چھوڑ کر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ چلے گئے...... اور وہاں رحمتوں کے سائے میں زندگی کے ایام گزارنے لگے...... یہاں نہ ظلم تھا نہ کوئی ظالم...... یہاں سب عزت و عظمت کے پیکر تھے...... اخلاق و خوب روئے کے سرچشمے......!

تھوڑے دنوں بعد لیزنا بھی مدینہ منورہ اپنے پرانے دوستوں کے پاس آ گئی...... اس کے ساتھ اس کے والدین بھی تھے جو مسلمان ہو چکے تھے...... ان سب نے حج بیت اللہ کا مقدس فریضہ ادا کیا اور سب پاک عرب سرزمین پر زندگی گزارنے لگے...... ان سب نے مسجد نبوی کے امام کے ہاتھ پر تجدید ایمان کی...... صراطِ مستقیم اور نیکی کی راہ پر قائم رہنے وعدہ کیا......!

اللہ تعالیٰ ان کی نامعلوم قبروں پر رحمت نازل فرمائے......! آمین......!

مفیث دربارِ خلافت کا خط لے کر موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد کے پاس آیا جس میں لکھا ہوا تھا:

"یہ خط اسلامی فوج کے سپہ سالار موسیٰ بن نصیر کے نام!

موسیٰ بن نصیر صاحب! مالِ غنیمت لے کر آ جاؤ! ہم یہاں تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔'

اس کے علاوہ مفیث اس خط کا جواب بھی لے کر آیا جو موسیٰ بن نصیر نے خلیفہ کی طرف

بھیجا تھا کہ انہیں جنگ لڑنے کی اجازت دی جائے۔ اس خط کے جواب میں حاکمِ وقت نے لکھا تھا کہ آپ کی ان تجاویز کو منظوری نہیں دی جا سکتی۔ اس کی بڑی وجہ "اربونہ" میں اسلامی لشکر کی ہزیمت اور جانی نقصان تھا کیونکہ مالِ غنیمت کی فراوانی اور غیر معمولی مصائب کی تفصیلات مفیث کی زبانی دارالخلافہ تک پہنچ چکی تھیں۔

اُندلس دارالحکومت دمشق سے اتنا دور تھا کہ خلیفہ کو یہاں کے حالات کا صحیح اندازہ نہ ہو سکا۔ نیز قائدینِ لشکر کی باہمی مسابقت اور ایک دوسرے کے خلاف ریشہ دوانیاں بھی واپسی کا باعث بن گئیں۔ اگر طارق بن زیاد کو موسیٰ بن نصیر کی سالاری اور خلیفہ عبدالملک کے احکام کی پابندی نہ ہوتی تو آج اُندلس کی تاریخ اور یورپ کی سلطنتوں کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔

موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد اپنی فوج سمیت واپس طلیطلہ آئے جہاں مالِ غنیمت کا انبار لگ چکا تھا۔ موسیٰ بن نصیر نے اُندلس پر اپنے بیٹے عبدالعزیز کو حاکم مقرر کیا اور پھر اُندلس اور افریقہ کے فاتح اشبیلیہ کی بندرگاہ سے سمندر کے راستے دمشق روانہ ہو گئے۔ یہ ماہ ذوالحجہ کا وسط تھا جب یہ دونوں سالار مالِ غنیمت لے کر اُندلس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خیرآباد کہہ کر روانہ ہوئے۔

دربارِ خلافت میں موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد کی طلبی کا سب سے بڑا مقصد وہ مال غنیمت تھا جس کے بارے میں سن سن کر خلیفہ کے دل میں اس بے پناہ مال و دولت کو دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہو چکا تھا۔ اُندلس کی فتح کے دوران جواہرات اور سونے چاندی کا جو انبار مسلمانوں کے ہاتھ آیا تھا اس کی مثال اس سے پہلے کیا اس کے بعد بھی کہیں دکھائی نہیں دیتی۔

مؤرخین کے بیان کے مطابق اس مالِ غنیمت میں ایک وسیع مرصع فرش بھی

موجود تھا جس کا ''بان'' سونے کے تاروں سے تیار کیا گیا تھا۔اس فرش پر زبرجد، یاقوت اور ہیروں سے گلکاری کی گئی تھی جو صنعت کے لحاظ سے اس زمانے کے تمدن کا اعلیٰ ترین نمونہ تھا ۔اس کے علاوہ تختِ (حضرت) سلیمان (علیہ السلام) بھی تھا۔جس میں تین سو پینسٹھ (365) سونے کے ٹھوس پائے تھے۔میز کی پٹیاں اور اوپر کی سطح زبرجد کی بنی ہوئی تھی۔جس پر موتی، یاقوت اور زمرد جڑے ہوئے تھے۔بہت سا خزانہ بھی تھا جس میں شاہانِ اُندلس کے وہ تاج بھی شامل تھے جو خالص سونے سے تیار کیے گئے تھے اور ان پر کثرت سے قیمتی ہیرے اور جواہرات جڑے ہوئے تھے۔جواہرات اور سامانِ عیش کی بھی کثرت سے فراوانی تھی۔

طلیطلہ سے ان تاجوں کے علاوہ جواہرت سے مرصع ایک ہزار تلواریں بھی ملی تھیں۔

جنگی قیدیوں میں جو دوشیزائیں لونڈیاں بنا کر لائی گئیں ان کی تعداد بیس ہزار کے قریب تھی۔موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد اس مالی قافلے کے ساتھ خشکی کے راستے سے دمشق روانہ ہوئے۔مالِ غنیمت سے ایک سو چودہ (114) بیل اور ایک سو تیس (130) کے لگ بھگ بار برداری کے جانور لدے ہوئے تھے۔

دربارِ خلافت میں ایک نئی صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی۔وہ یہ کہ دمشق میں خلیفہ ولید بن عبدالملک بسترِ مرگ پر پڑا ہوا تھا اور اس کا بھائی سلیمان بن عبدالملک تخت پر بیٹھنے کی تیاری کر رہا تھا۔سلیمان بن عبدالملک نے ایک تیز رفتار قاصد فاتحینِ اُندلس و افریقہ کی طرف روانہ کیا۔اس کے پاس ایک خط تھا جس میں لکھا تھا:

''اے موسیٰ بن نصیر! اپنے سفر کی رفتار سست کر دو۔خلیفہ ولید مرضِ موت میں مبتلا ہے جس سے جان چھڑانا ناممکن ہے۔اس لیے یہ قافلہ سلیمان کی تخت نشینی کے بعد دمشق میں داخل ہو۔!''

اس پیغام کے فوراً بعد ایک اور قاصد خلیفہ ولید بن عبدالملک کی طرف سے آیا اور اس نے کہا:

''خلیفہ کا حکم ہے کہ آپ عجلت سے سفر طے کرتے ہوئے میری موت سے پہلے دمشق پہنچ جائیں۔!''

موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد کے لیے دو احکامات پر عمل کرنا دشوار تھا۔اس لیے انہوں نے نہ تو جلدی سفر کیا اور نہ ہی تاخیر کی۔ویسے موسیٰ بن نصیر کی دلی تمنا تھی کہ وہ ولید بن عبدالملک کے دورِ خلافت میں پہنچ جائیں اور ان کی خدمات کے یہ ثمرات خلیفہ کی نگاہوں سے گزر جائیں۔

یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ جب موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد دمشق میں داخل ہوئے تو ولید بن عبدالملک زندہ تھا۔اس نے موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد کا بڑی تزک و احتشام کے ساتھ خیر مقدم کیا۔موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد نے مالِ غنیمت کا انبار ولید بن عبدالملک کے قدموں میں لا کر رکھا۔جس کو دیکھ کر وہ محوِ حیرت رہ گیا لیکن سلیمان بن عبدالملک کو یہ بات سخت ناگوار گزری کہ موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد نے اس کی حکم عدولی کی ہے۔خلیفہ ولید بن عبدالملک نے موسیٰ بن نصیر کو پچاس ہزار اشرفیاں اور تین خلعتیں انعام میں دیں۔انہوں نے طارق بن زیاد کو بھی انعام و اکرام دیا۔

خلیفہ ولید بن عبدالملک کی وفات کے بعد جب ''سلیمان بن عبدالملک'' نے سلطنت کے نظام کو سنبھالا تو اسے موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد کی حکم عدولی یاد آ گئی۔تو اس نے فاتحینِ اُندلس و افریقہ کو دربارِ خلافت میں طلب کیا اور موسیٰ بن نصیر کی تحقیر و تذلیل کی۔اس نے موسیٰ بن نصیر کو کئی گھنٹے دھوپ میں کھڑا رکھا جس سے وہ غش کھا کر گر پڑے۔پھر یہیں بس نہیں بلکہ اس نے موسیٰ بن نصیر پر مالِ غنیمت

میں خرد برد کرنے کا الزام لگا کر ان پر کئی لاکھ تاوان لگا دیئے۔

اتنی بڑی رقم کے لیے موسیٰ بن نصیر کو سردارانِ عرب کے سامنے ہاتھ پھیلانے پڑے۔ سلیمان بن عبدالملک نے موسیٰ بن نصیر کے بیٹے عبدالعزیز (جو والی افریقہ تھا) کو قتل کروا! اس کا سر موسیٰ بن نصیر کے سامنے پیش کیا۔ آخر اس تباہ حالی کو دیکھ کر موسیٰ بن نصیر غش کھا کر گر پڑے اور اسی بے ہوشی میں ان کا انتقال ہو گیا۔!

"اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ"

اللہ تعالیٰ ان پر کروڑہا رحمتیں فرمائے۔ آمین۔!

اب خلیفہ کے ہاتھوں طارق بن زیاد کی باری تھی۔ چونکہ وہ موسیٰ بن نصیر کے زیر اثر تھے اس لیے وہ بڑے عتاب اور ضمان سے بچ گئے۔ طارق بن زیاد کے متعلق سلیمان بن عبدالملک نے مغیث سے پوچھا جو کہ یوقنا کے معاملے میں ان سے بدظن ہو گیا تھا۔ وہ ولید بن عبدالملک کا خاص آدمی تھا اور اس نے اپنی وفاداریاں سلیمان بن عبدالملک سے وابستہ رکھی ہوئی تھیں۔ ہر چند کہ طارق بن زیاد کا سلوک مغیث کے ساتھ اچھا رہا لیکن وہ ان سے دو دفعہ بدظن ہوا تھا اور یہ اس کے ظنی خیالات تھے۔ یہ خیالات بالکل غلط تھے۔ طارق بن زیاد نے جو کچھ بھی کیا تھا اسلام کے پرچم کو بلند کرنے کے لیے کیا تھا۔ اس طرح طارق بن زیاد اور مغیث کے درمیان مخالفت ہو گئی تھی جس کا علم طارق بن زیاد کو نہ تھا۔ چنانچہ جب خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے مغیث سے طارق بن زیاد کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا:

"سردار! طارق بن زیاد کو اُندلس میں اتنی مقبولیت حاصل ہے کہ اگر وہ قبلہ رُخ چھوڑ کر کسی اور کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دے تو لوگ بھی اسی سمت نماز پڑھنے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔"

خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے طارق بن زیاد کی مقبولیت کو اپنی حکومت کے لیے خطرہ

محسوس کرتے ہوئے اپنا ارادہ بدل دیا اور اس کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ عین ممکن ہے کہ طارق بن زیاد اپنے آقا موسیٰ بن نصیر کا انتقام لینے کے لیے بغاوت کر جائے۔ اسی خیال سے خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے طارق بن زیاد کو دربار میں طلب کیا اور پھر تمام اہل دربار کے سامنے طارق کی خدمات کے صلے میں فاتحِ اُندلس کو تمام عہدوں سے معزولی کا حکم سنایا۔

بارہ ہزار مجاہدین کے ساتھ تین تین لاکھ کے لشکر کو شکست دینے والے مسلمان سپاہیوں کے سالار کو آج اپنوں نے ہی شکست دے دی۔ جو کبھی بھی شکست خوردہ نہ لوٹا تھا آج اس کو اپنوں کے ہاتھوں سے ہی سے شکست کھانی پڑی۔ جب طارق بن زیاد دربارِ خلافت سے رخصت ہوئے تو تمام سرداروں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ خاموش محلات کے در و دیوار اپنی خاموش زبان سے احتجاج کرتے رہ گئے۔ طارق بن زیاد نے کبھی بھی کسی قسم کے لالچ سے کام نہ لیا اور نہ ہی کبھی کسی کی سفارش کا سہارا لیا۔ انہوں نے خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کو سلام کیا اور لبوں پر سوگوار تبسم سجاتے ہوئے نہایت نرم آواز سے کہا:

"شکریہ......! امیرالمومنین......! مجھے خوشی ہے کہ غلام جب تک آقا کی ماتحتی میں رہا اپنے فرض سے کبھی بھی غافل نہ رہا اور اپنی پوری زندگی ملتِ اسلامیہ اور دربارِ خلافت کی خدمت میں گزار دی...... یقیناً اب آقا کو مجھ سے بہتر سردار میسر ہیں...... شاید......! اس لیے اس غلام کو غلامی سے آزاد کیا جا رہا ہے...... سوچا تھا کہ مجھ کم تر کو جامِ شہادت نصیب ہو گا اور جہاد کرتے ہوئے میدانِ جہاد میں کام آؤں گا...... لیکن شاید یہ رتبہ بھی میری کم تر حیثیت کے مطابق نہ تھا......!"

اس کے بعد طارق بن زیاد دل برداشتہ ہو کر دربارِ خلافت سے روانہ ہوئے۔ وہ اپنی بیوی فلورنڈا کو ساتھ لے کر حج کرنے چلے گئے۔ یہیں ان کے دوسرے ساتھ قیام

پذیر تھے۔ پھر طارق بن زیاد ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گم نامی کے اندھیروں میں گم ہو گئے اور یہ گم نامی یہاں تک تھی کہ ان کی وفات کا بھی مؤرخین کو علم نہ ہو سکا۔ تاریخ کی ہر کتاب حضرت طارق بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے سوال پر خاموش ہے۔

اللہ تعالیٰ ان پر کروڑہا رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔ آمین ثم آمین!

☆☆☆



طارق بن زیاد کی خیالی تصویر۔



طارق بن زیاد کشتیاں جلانے کے بعد لشکر کے سامنے تقریر کرتے ہوئے۔







جبرالٹر ''جبل الطارق'' کی مختلف زاویوں سے لی گئی تصاویر۔



طارق بن زیاد اور لشکر غرناطہ کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے۔



طارق بن زیاد اور ان کا لشکر برشلونہ میں یوقنا کے قلعے پر حملہ کرتے ہوئے۔



پانچ پونڈ کے نوٹ پر طارق بن زیاد اور جبرالٹر کی دی گئی تصویر۔



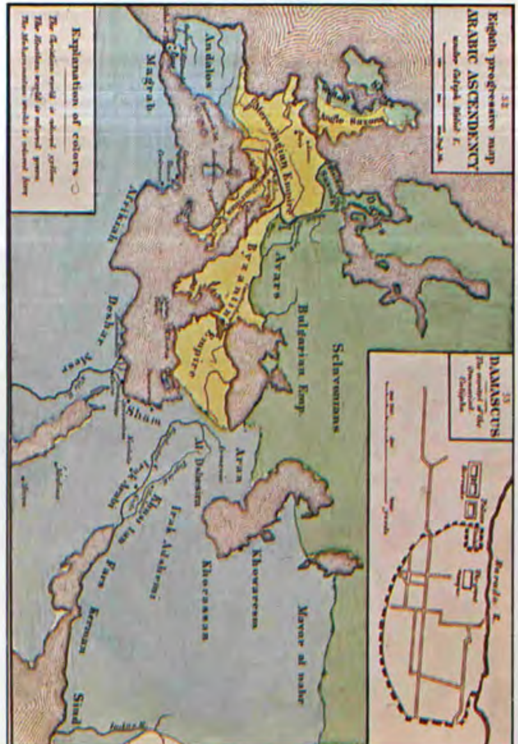
شہر استجہ کا وہ چشمہ جو آج بھی ''عین الطارق'' کہلاتا ہے۔ اسے طارق بن زیاد نے دریائے شنیل سے نکال کر پانی کی قلت کی وجہ سے شہر تک پہنچایا تھا۔



اندلس کا کلیسائے اعظم جہاں اسقف اعظم کی حکومت تھی۔



جبرالٹر (جبل الطارق) اور اس کے قرب و جوار
کو واضح کرنے والا اہم ترین نقشہ۔



موسیٰ بن نصیر چاہتے تھے کہ وہ اندلس کو خشکی کے راستے سے دارالخلافہ دمشق سے ملا دیں۔
ان کی اس پلاننگ کو واضح کرنے والا نقشہ۔



طلیطلہ کے اس محل کی موجودہ تصویر جہاں
طارق بن زیاد نے عارضی رہائش اختیار کی۔



جزیرہ خضرا کی وہ پہاڑی جہاں موسیٰ بن نصیر اسلامی فوج کے ساتھ ٹھہرے۔ اسے آج بھی جبلِ موسیٰ کہا جاتا ہے۔







افریقہ کے مختلف زاویوں کو ظاہر کرنے والے نقشے۔ جہاں موسیٰ بن نصیر نے اپنے کارنامے ثبت کیے۔



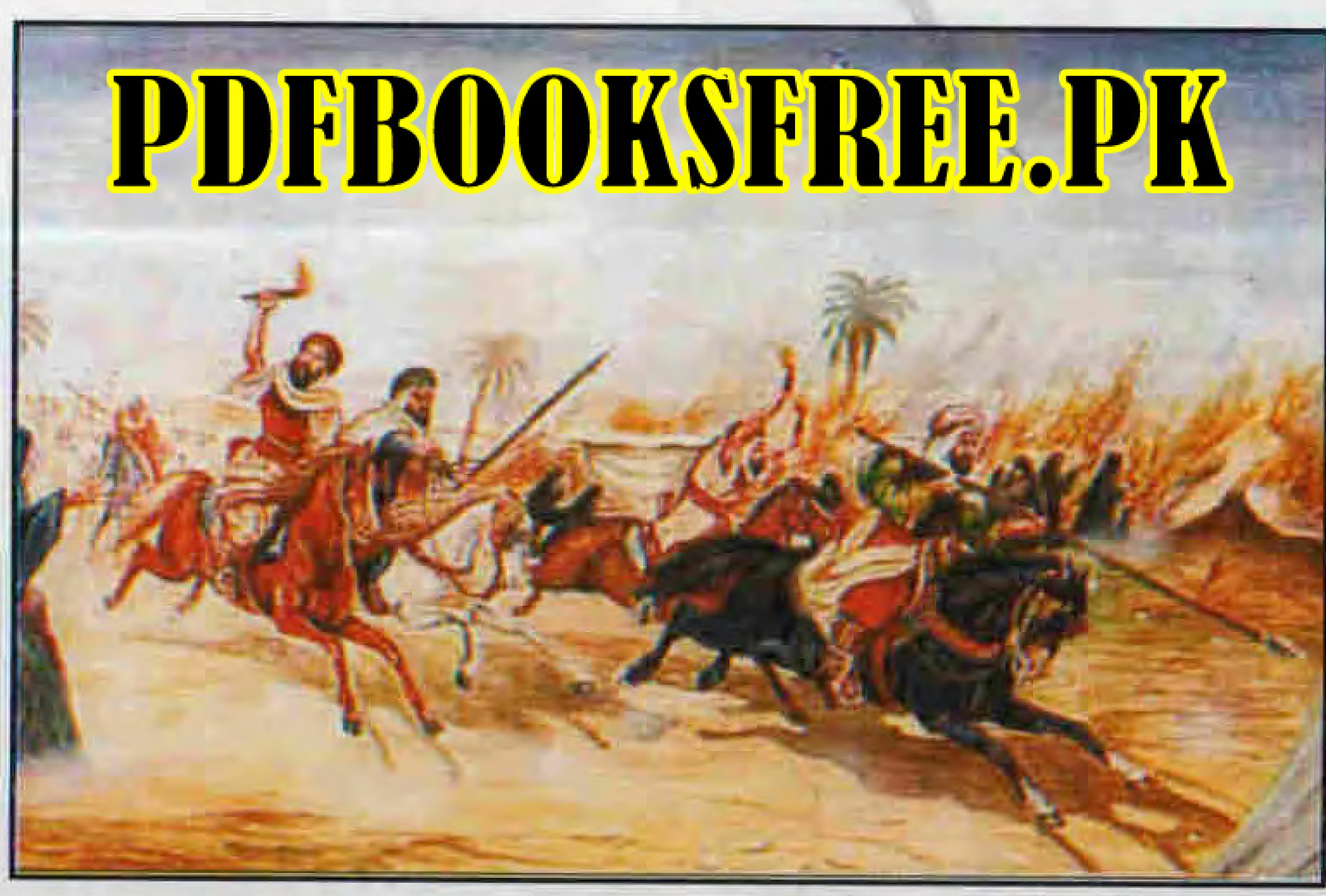




اندلس کے مختلف زاویوں کو ظاہر کرنے والے نقشے۔ جہاں طارق بن زیاد نے اپنے کارنامے ثبت کیے۔



موسیٰ بن نصیر افریقہ جاتے ہوئے۔



طارق بن زیاد سرقسطہ پر حملہ کرتے ہوئے۔